الہارون
افسانوی شہرت کے حامل خلیفہ ہارون الرشید کی زندگی اور نظامِ حکمرانی
کا ہر پہلو سے احاطہ کرتی ہوئی اپنی نوعیت کی پہلی اور مستند تصنیف
عمر ابوالنصر

الہارون

عمر ابو النصر

ترجمہ: محمد احمد پانی پتی

Marfat.com

نگارشات پبلشرز

24-مزنگ روڈ، لاہور
فون7322892 فیکس7354205

الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ40-اردو بازار، لاہور
فون5014066 فیکس7354205

e-mail:nigarshat@yahoo.com
www.nigarshatpublishers.com

نام کتاب: الہارون

مصنف: عمر ابوالنصر

ترجمہ: محمد احمد پانی پتی

ناشر: آصف جاوید

برائے: نگارشات پبلشرز، 24۔ مزنگ روڈ، لاہور
PH:0092-42-7322892 FAX:7354205
الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ 40- اردو بازار، لاہور
PH:0092-42-5014066 FAX:7354205

کمپوزنگ: عبدالستار 0333-4900629

مطبع: حاجی حنیف پرنٹر، لاہور

سال اشاعت: 2009ء

قیمت: -/220 روپے

Marfat.com

فہرست

Marfat.com

عرضِ مترجم

موجودہ دور کے عربی مصنفین میں بیروت کے مشہور فاضل 'عمر ابو النصر' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ شخص اعلیٰ پائے کا ادیب، بلند پایہ مورخ اور بہت سی قابل قدر کتابوں کا مصنف ہے۔

حال کے عربی مورخین میں عمر ابو النصر بھی منجملہ ان اشخاص کے ہے جنہوں نے وقت کی اس سب سے بڑی ضرورت کا احساس کیا کہ مسلمانوں کو ان کے قابل فخر اسلام کے شاندار کارناموں سے بذریعہ تصنیف وتالیف واقف کرانا چاہیے تاکہ وہ ان کی زندگیوں سے سبق حاصل کر کے اپنے خصائل واطوار میں درستی اور اپنی تہذیب وشائستگی میں ترقی کر سکیں۔

اس غرض کے لئے عمر ابو النصر نے متعدد کتابیں تالیف کیں جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ کبار، بزرگان سلف اور نامور شاہان اسلام کی سوانحات حیات پر مشتمل تھیں۔ یہ کتابیں اس نے یورپین ماخذوں اور عربی تاریخوں سے اخذ وانتخاب کر کے نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ سپرد قلم کی ہیں۔ 'الھارون' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا اردو ترجمہ قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

خدمت قرآن اور تدوین احادیث کے بعد جتنی زبردست کوشش اور سعی مسلمانوں نے اپنی تاریخ کو محفوظ کرنے اور اپنے اسلاف کے علمی، ادبی، سیاسی اور اخلاقی کارناموں کو مدون کرنے میں کی، اتنی آج تک دنیا کی کسی قدیم یا جدید قوم نے نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ ایسا محیر العقول کارنامہ ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کے عرصے میں مسلمانوں نے بلا مبالغہ لاکھوں کتابیں تاریخ اسلام اور اکابرین اسلام کے حالات میں مرتب کیں اور یہ عظیم الشان ذخیرہ قیامت تک دنیا کو اسلام کے عہد زریں کی یاد دلاتا رہے گا۔

مورخین اسلام نے جو کتابیں لکھی ان کو انہوں نے انتہائی عرق ریزی، کمال محنت اور بڑی تحقیق وتلاش کے بعد مدون کیا اور اس بات کی پوری کوشش کی کہ تاریخ اسلام کا کوئی پہلو کسی لحاظ سے تشنہ نہ رہ جائے۔ آج یورپ وامریکہ، مصر وشام، ایران وعراق اور پاکستان وہندوستان میں جس قدر کتابیں تاریخ اسلام کے متعلق لکھیں جارہی ہیں ان سب کی بنیاد واساس تمام تر وہی عربی کتب ہیں جو ابتدائی دور میں ہمارے اسلاف نے لکھیں۔ اسی لیے ہماری شاعری کا مجدد اعظم کہتا ہے۔

مورخ ہیں جو آج تحقیق والے
تفحص کے ہیں جن کے آئین نرالے

Marfat.com

جنہوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے
زمیں کے طبق سر بسر چھان ڈالے

عرب ہی نے دل ان کے جا کر ابھارے
عرب ہی سے وہ بھرنے سیکھے ترارے

جہاں تک مورخین اسلام کی کاوشوں کا تعلق ہے کوئی شخص ان کا انکار نہیں کر سکتا۔تاہم اس سلسلہ میں بعض امور ایسے ہیں جو محل نظر ہیں:۔

جس وقت ہمارے بزرگوں نے ہاتھوں میں قلم سنبھال کر کتابوں کے انبار لگانے شروع کئے۔اس وقت دنیا تصنیف کے نام سے نا آشنائے محض تھی۔

ترقی کا جس دم خیال ان کو آیا
اک اندھیر تھا ربع مسکوں میں چھایا

ہر ایک قوم پر تھا تنزل کا سایا
بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا

وہ نیشن جو ہیں آج گردوں کے تارے
دھندلکے میں پستی کے پنہاں تھے سارے

نہ وہ دور دور تھا عبرانیوں کا
نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا

پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا
پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا

جہاز اہل روما کا تھا ڈگمگاتا
چراغ اہل ایراں کا تھا ٹمٹماتا

انہوں نے ایک بالکل نئے میدان میں طبع آزمائی شروع کی۔ایسے میدان میں جہاں نہ پہلے سے کوئی راستہ بنا ہوا تھا۔نہ کوئی پگڈنڈی تھی۔نہ ان سے پہلے کوئی راہی اس میدان سے گزرا تھا۔نہ ان سے قبل کوئی اس راہ سے واقف تھا۔وہ آپ ہی اس میدان کے مرد تھے اور آپ ہی اس راہ کے راہبر۔

اس صورت حال کے پیش نظر کسی کام کو شروع کرنے میں جتنی مشکلیں اور دقتیں پیش آتی ہیں

وہ سب کی سب ان کو پیش آئیں، مگر انہوں نے خندہ پیشانی سے ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور تصنیف وتالیف کے خار دار صحرا میں اپنے راہوار قلم کو سرپٹ ڈال دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب کسی نئے کام کی ابتدا کی جاتی ہے تو اس میں فوراً وہ حسن اور وہ دلکشی، وہ خوبی اور وہ عمدگی پیدا نہیں ہوسکتی جو مشق و مزاولت کے بعد آگے چل کر پیدا ہوتی ہے۔ جس وقت مسلمانوں نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا تو انہوں نے اپنی کتابوں میں محض نفس مطلب سے مطلب رکھا ترتیب وتبویب اور ربط وتسلسل کا چنداں لحاظ نہ کیا۔ انہوں نے بالعموم اس بات سے غرض نہ رکھی کہ عبارت کتاب مربوط اور مسلسل ہو۔ ان کا مطمح نظر صرف اصل مضمون کو بیان کر دینا ہوتا ہے اور بس۔ عام طور سے ان کی روش یہ ہوتی تھی کہ مسلسل عبارت لکھتے چلے جاتے تھے اور اس عبارت میں بعض اوقات غیر متعلق واقعات بھی درمیان میں داخل کر دیتے تھے جو اکثر خاصے طویل ہوتے تھے۔ اس کی وجہ سے پڑھنے والوں کو بڑی الجھن ہوتی تھی۔

ایک عادت ان میں یہ بھی تھی کہ واقعات کو بغیر کسی ترتیب کے کتاب میں جمع کر دیتے تھے اور تقدیم وتاخیر کا قطعاً خیال نہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی شخص کو کسی خاص واقعہ یا کسی خاص موضوع کے متعلق تلاش یا تحقیق کرنی ہوتی تھی تو اسے اس مقصد کے لیے پوری کتاب من اولہ الیٰ آخرہ بغور مطالعہ کرنی پڑتی تھی۔ تب کہیں جا کر گوہر مقصود حاصل ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں مورخین اسلام کا ایک طریقہ تحریر یہ بھی تھا کہ تاریخی واقعات کو تو وہ پوری تفصیل اور تشریح سے بیان کر دیا کرتے تھے لیکن عبارت کی دل آویزی اور بیان کی دلکشی کا خیال عام طور سے نہیں رکھتے تھے جس کی وجہ سے مضمون خشک ہو جاتا تھا اور قاری کا دل پڑھنے میں نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ کتاب میں دلچسپی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب عبارت میں رنگینی وشادابی اور بیان میں فصاحت و بلاغت سے کام لیا جائے۔ یہاں تک کہ ایک بظاہر خشک موضوع کو بھی حسن بیان اور لطافت زبان سے اتنا دلچسپ اور پر لطف بنا دیا جائے کہ پڑھنے والے کے ہاتھ سے کتاب اس وقت تک نہ چھوٹے جب تک ختم نہ ہو جائے۔

یہ طرز تحریر صدیوں تک جاری رہا اور کسی کو اس میں تبدیلی کا خیال پیدا نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابتدائی عرب مصنفین اور سلف صالحین جو کچھ لکھ گئے اور جس طرح لکھ گئے اس کو بعد میں آنے والے مسلم مورخین نے متقدمین کے تقدس سے مرغوب ہو کر گویا صحف سماوی سمجھا اور آنکھیں بند کر کے ان کی لفظ بلفظ تقلید کرتے چلے گئے۔ انہوں نے قطعاً اس ضرورت کا احساس نہیں کیا کہ

Marfat.com

زمانے کے حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ اپنی قدیم ڈگر چھوڑ کر نئی طرز کو اختیار کیا جائے۔

جب یورپ میں اندلس اور صقلیہ کے مسلمانوں کی بدولت علوم وفنون کی ترقی شروع ہوئی اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ان میں تصنیف وتالیف کا شوق پیدا ہوا تو ان کے بالغ نظر مصنفین اور ہوشیار دماغوں نے رفتہ رفتہ اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ کتابیں جب تک دلچسپ طریقے پر نہیں لکھی جائیں گی اس وقت تک وہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کر سکتیں۔ البتہ الماریوں اور لائبریریوں کی زینت بے شک بن سکتی ہیں۔ انہوں نے بہت جلد یہ بات محسوس کر لی کہ کتابوں کو دلچسپ اور پر لطف بنانے کے لئے تحریر میں رنگینی اور دلچسپی کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کتابیں جسد بے روح کی مانند ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتابوں کو اس سانچے میں ڈھالنے کی پوری پوری کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ ان کی علمی اور تاریخی کتابوں کو پڑھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک مضمون کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت ہی مزیدار قصہ یا کوئی بہت ہی دلچسپ ناول پڑھ رہے ہیں۔

یورپین مصنفین کا یہ طرز تحریر اتنا مقبول اور مشہور ہوا کہ آج مصر وشام کا ہر عربی مصنف۔ ایران وافغانستان کا ہر فارسی ادیب اور پاکستان وہندوستان کا ہر اردو ادیب اس کی تقلید اور پیروی کرنے پر مجبور ہے۔

مصر وشام کے جن نامور اور مشہور عالم مورخین نے اس جدید یورپین طرز نگارش کو اختیار کیا۔ ان میں عمر ابو النصر امتیازی اور خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے جدید یورپ کی اس جدید طرز کو بڑی خوبی سے اپنایا ہے۔ اور اپنی اس کوشش میں بے حد کامیاب رہا ہے۔

جب عمر ابو النصر کسی کتاب کی ابتدا کرتا ہے تو پڑھنے والے کو بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں کوئی بہت ہی دلچسپ اور شاندار داستان شروع کرنے لگا ہوں۔ جس میں آگے چل کر حیرت انگیز اور سنسنی خیز واقعات کا انکشاف ہوگا۔ اس شوق میں قاری پوری دلچسپی کے ساتھ صفحات کتاب کو پڑھتا چلا جاتا ہے۔ عمر ابو النصر ایسے کلمات وفقرات استعمال کرتا ہے۔ جو ہر شخص کو بے اختیار اور بلا ارادہ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ پھر وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی ہر کتاب میں دلچسپی آخر تک قائم رہے۔ اس غرض کے لئے وہ اپنی تحریر میں حسن اور دلکشی پیدا کرنے کے علاوہ مناسب مقامات پر مختلف حکایتیں بیان کرتا ہے۔ مزید برآں عنوانات ایسے قائم کرتا ہے کہ کتاب ہاتھ میں لیتے ہی فوراً انہیں پڑھنے کی خواہش دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ ترتیب کتاب اور

تسلسل بیان کا بھی وہ بڑا خیال رکھتا ہے۔ یہی اس کی مقبولیت کا راز ہے اور اسی وجہ سے اس کی اکثر کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

تاریخی اہمیت کے لحاظ سے عمر ابوالنصر کی کتابیں نہایت وقیع اور بلند پایہ ہیں۔ اس نے پوری کوشش اس امر کی کی ہے جو بات یا جو واقعہ وہ اپنی کتاب میں درج کرے وہ معتبر اور مستند ماخذوں سے لیا گیا ہو اور بالکل صحیح اور درست ہو۔ اگر کسی واقعہ میں اختلاف پایا جاتا ہے تو ایسے موقع پر اس نے مختلف مورخین کے اقوال کا محاکمہ کر کے صحیح نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے اور جہاں کسی واقعہ کے متعلق اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہو گئی ہے وہاں اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مختلف اور متفرق قدیم مورخین کی مخالف اور موافق آراء کو نہایت جامعیت کے ساتھ ایک جگہ نقل کر دیا ہے اور نتیجہ قارئین کی عقل اور سمجھ پر چھوڑ دیا ہے۔

اپنی کتابوں میں عمر ابوالنصر نے قدیم اسلامی مورخین کے علی الرغم کسی شخص کی محض سوانح حیات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ساتھ کے ساتھ اس کے عہد کے علمی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی حالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح اس نے زمانہ حال کے تقاضوں کو اپنی کتابوں میں پورا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں زیر نظر ترجمے کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک معلوم ہے عربی زبان میں ہارون الرشید کی یہ اکیلی سوانح عمری ہے۔ جو اگرچہ بہت حد تک فرانسیسی اور انگریزی کتب سے ماخوذ ہے مگر عربی زبان کے قدیم و جدید سرمائے سے بھی فاضل مصنف نے اس کتاب کی ترتیب میں کافی مدد لی ہے۔ اس کتاب کے پہلے دو باب مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو اوردیسیو کی کتاب 'ہارون الرشید' سے ماخوذ ہیں اور انتہائی طور پر دلچسپ ہیں۔ باقی کتاب یورپین اور عربی تاریخوں کا خلاصہ اور عطر ہے۔

تمہید کو ختم کرتے ہوئے میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں نے کتاب ھذا کا ترجمہ کرتے ہوئے اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ تمام واقعات ایک تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں۔ بعض جگہ فاضل مصنف نے ایک ہی قسم کے واقعات کو بجائے ایک ہی باب میں درج کرنے کے مختلف بابوں میں تحریر کیا ہے مگر میں نے اردو دان اصحاب کی آسانی کے لئے یہ بہتر سمجھا کہ ایک باب کے متعلق جتنے واقعات ہوں وہ سب ایک ہی جگہ اور اسی باب میں بیان کر دیئے جائیں تاکہ تسلسل قائم رہے اور خلط مبحث نہ ہو۔

بعض ایسے اہم واقعات بھی کتاب میں آ گئے ہیں جو میرے نزدیک زیادہ وضاحت سے بیان ہونے چاہئیں تھے۔ اس لئے میں نے دوسری تاریخوں کی مدد سے ان کی قدرے تشریح کردی ہے۔

لائق مصنف نے یہ کتاب چونکہ بیشتر یورپین تالیفات سے اخذ و اقتباس کر کے لکھی ہے لہٰذا جہاں جہاں سنہ لکھنے کی ضرورت پڑی ہے اس نے عیسوی سنہ تحریر کیا ہے۔ مگر زیر نظر کتاب قرون اولیٰ کے ایک عباسی فرمانروا کی سوانح عمری ہے اس لیے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ہر جگہ عیسوی سنہ کے ساتھ ہجری سنہ بھی تلاش کر کے لکھ دوں۔ تاکہ اس میں درج شدہ واقعات عربی تاریخوں سے منطبق ہو جائیں۔ جن میں کلیتاً ہجری سنہ کا استعمال کیا گیا ہے۔

محمد احمد پانی پتی

عربی یلغار

ایک دن خلیفہ بغداد، امیر المومنین ہارون الرشید نے اپنے وزیر یحیٰی برمکی سے اثناء گفتگو میں فرمایا:۔
''جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاء اعلیٰ کو تشریف لے گئے اس وقت سارا عرب اتحاد کی لڑی میں منسلک تھا۔ اسی اتحاد کی برکت تھی کہ اسلام ایک زبردست طاقت بن کر افق عالم پر نمودار ہوا اور دیکھتے دیکھتے دنیا کے کثیر حصے پر چھا گیا۔ اس وقت مسلمانوں کا بچہ بچہ ایمان وعمل کے جذبے سے سرشار تھا اور یہ جذبہ کسی وقت جدا نہ ہوتا تھا۔ لیکن اب جبکہ اسلامی سلطنت کی حدود اس سے بہت زیادہ وسیع ہو چکی ہیں جتنی خلافت راشدہ کے زمانہ میں تھیں تو مسلمانوں کے اتحاد کی جو حالت ہے اور جس طرح آئے دن ان میں فتنے برپا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں، لیکن اس پر سوائے کف افسوس ملنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے''؟

ہارون الرشید کا یہ کہنا بالکل درست تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد، ڈیڑھ سو سال کا عرصہ جس میں مسلمانوں کے قدم پرانی دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ چکے تھے اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں دور ہے۔ دینی حمیت ہر مسلمان کے دل میں موجزن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح پرور ارشادات کی بدولت ہر شخص کے سینے میں ذوق وشوق کے چشمے ابل رہے تھے۔ ان کو ہر جنگ میں قومی غیرت کا احساس نہایت شدت سے رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے قدم بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے ہی آگے بڑھتے رہتے تھے۔ وہ جزیرہ نما عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچ چکے تھے اور جہاں بھی وہ جاتے تھے فتح وظفر ان کے آگے آگے چلتی تھی۔

صدر اول کی اسلامی فتوحات کی تاریخ پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی جنگوں کو ہرگز بدوؤں کی اس یلغار سے موسوم نہیں کیا جا سکتا جو انہوں نے بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر ارد گرد کے سرسبز و شاداب علاقوں پر اس لئے کی کہ انہیں بافراغت خوراک مل سکے۔ نہ ہی یہ لڑائیاں ارد گرد کی متمدن سلطنتوں کی شان وشوکت کو دیکھ کر لڑی گئی تھیں کہ ان ممالک کی دولت وثروت کو اپنے قبضہ میں لا کر رنگ رلیاں منانے اور گلچھرے اڑانے کے سامان بہم پہنچ سکیں۔ ان غزوات کا لوٹ مار سے قطعاً کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ یہ ان جماعتوں کی طرف سے لڑی گئی تھیں جن میں ایک عجیب وغریب دینی روح سرایت کر گئی تھی جس نے ان کو باہم متحد کر دیا تھا۔ تب وہ تمام عالم کو کلام اللہ کی تعلیمات سے روشناس کرانے اور زمین کے گوشے گوشے کو اسلام کے نور سے منور کرنے کے

عزم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے اپنے اس عزم وارادے کو نہایت عمدگی کے ساتھ پورا کر کے دکھایا۔

ہارون الرشید کی نظر سے اسلامی تاریخ کے واقعات ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔ اس نے عالم خیال میں ایک ایسی قوم کو سرزمین عرب سے نکلتے دیکھا جس کے پاس نہ سامان جنگ کی فراوانی تھی نہ سامان رسد کی کثرت۔ لیکن اس بے سروسامانی کے باوجود دنیا کی کوئی قوم اور روئے زمین کی کوئی سلطنت اس کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔ جو طاقت بھی اس کے سامنے آئی پاش پاش ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور جس بہادر نے بھی اس کا مقابلہ کیا اسے بالآخر میدان جنگ سے بھاگتے ہی بن پڑی۔ عرب کے بدو قبائل کا دیکھتے دیکھتے دنیا کے بہت بڑے حصہ پر چھا جانا اور بڑی بڑی طاقتور بادشاہتوں اور باجبروت سلطنتوں کا ان کے ہاتھوں مٹ جانا ایک ایسا عجیب وغریب واقعہ ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ یکسر قاصر ہے۔

اس زمانے میں ہر طرف اسلامی افواج ہی کا غلغلہ تھا۔ ان کے گھوڑے ''اشوریا'' اور ''بابل'' کی سرزمین کو روندر ہے تھے۔ ایران کی افواج قاہرہ بڑے کروفر سے مسلمانوں کے سامنے آئیں لیکن انہیں انتہائی حسرت ناک شکست اٹھانی پڑی۔ جس کے نتیجے میں ایران کی عظیم المرتبت کیانی سلطنت ہمیشہ کے لئے فنا ہوگئی۔ ایوان ہائے کسریٰ جہاں سے شاہان کسریٰ اپنی وسیع وعریض مملکت پر بڑے دبدبے سے حکومت کیا کرتے تھے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے اور کسریٰ کی ساری شان وشوکت خاک میں مل گئی۔

اب عربی عساکر نے اپنا رخ سرزمین فلسطین کی طرف پھیرا۔ چند ہی دنوں میں آل اسماعیل بیت المقدس پہنچ گئے اور وہ ارض مقدس جو صدیوں سے انبیاء کا مسکن اور مدفن تھی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق آخر کار اس کے حقیقی وارثوں کو مل گئی۔

فلسطین کے بعد شام کی باری آئی اور رومی سلطنت کا چراغ جو یہاں صدیوں سے بڑی آب وتاب سے روشن تھا مسلمانوں کی پھونکوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا۔

اس کے بعد حملے کا رخ افریقہ کی جانب پھرا۔ مصر کی فتح میں کچھ دیر نہ لگی اور بہت جلد اس سرسبز وشاداب علاقے پر بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

تسخیر مصر کے بعد بھی مسلمانوں کی پیش قدمی جاری رہی اور تھوڑے ہی عرصے میں اسلامی لشکر براعظم افریقہ کے آخری سرے پر بحر اوقیانوس کے کنارے خیمہ زن تھا۔

Marfat.com

افریقہ کے کونے پر سمندر کی اس جانب موسیٰ بن نصیر کا غلام اور دنیا کا مشہور سپہ سالار "طارق" اپنی مٹھی بھر فوج لئے یورپ کے عظیم الشان ملک 'سپین' کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ دوسری سمت اہل سپین اپنے خیال میں ہر خطرے سے محفوظ آرام وچین کی نیند میں مدہوش ہیں۔ دفعتاً طارق آگے بڑھا اور اپنی فوج کے ساتھ جہازوں میں سوار ہو گیا۔ سپین کے ساحل پر اتر کر اس نے تمام جہازوں کو آگ لگا دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنی سات ہزار کی مختصر سی فوج کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے مخاطب کر کے ایسا عدیم المثال تاریخی خطبہ دیا جسے پڑھ کر آج بھی ہر مسلمان کا خون جوش مارنے لگتا ہے۔ سپہ سالار نے کہا:۔

"اے میرے عزیز ساتھیو! مجھے بتاؤ کیا اس وقت تمہارے لئے کہیں بھی کوئی جائے فرار ہے؟ تمہارے پیچھے خوفناک سمندر ہے اور سامنے دشمن کا لشکر جرار۔ اب ثابت قدمی اور صبر کے سوا تمہارے لئے اور کوئی چارۂ کار نہیں تم اچھی طرح جان لو کہ اگر تم نے جرأت اور ثبات سے کام نہ لیا تو اس جزیرے میں تمہارے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے گا جو کمینوں کی دعوتوں میں یتیموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ دشمن اپنے جرار لشکر، عظیم الشان اسلحہ اور وافر سامان رسد کے ساتھ تمہارے استقبال کو نکلا ہے۔ اب تمہارے لیے تمہاری تلواروں کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ نہیں اور علاوہ اس خوراک کے جو تم اپنے دشمن کے ہاتھوں سے چھین لو تمہارے لیے کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہیں۔ اگر تم کچھ مدت تک اسی طرح تہی دست رہے اور تم نے اپنا مقصود و مطلوب حاصل نہ کیا تو دشمنوں کے دلوں سے تمہارا سب رعب و داب جاتا رہے گا اور وہ لوگ جن پر آج تمہاری ہیبت طاری ہے کل کو نڈر اور بے خوف ہو کر تمہارے مقابلے کے لیے نکل آئیں گے۔ تم آنے والے خطرات کا اندازہ کرو۔ تاخیر اور سستی کے نتائج پر غور کرو اور قبل اس کے کہ دشمن تمہارے خلاف کوئی کارروائی کر سکے تم آگے بڑھ کر اس کو دعوت مبارزت دو۔ دیکھو! خدا تعالیٰ نے ان کے مضبوط قلعے تمہارے سامنے ڈال دیئے ہیں۔ اس زریں موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اگر تم اپنی جانوں پر کھیل کر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ تو کوئی طاقت تمہیں ان قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرنے سے نہیں روک سکتی۔

میں تمہیں کسی ایسی چیز سے نہیں ڈراتا جس سے میں خود الگ رہوں۔ میں تمہیں کسی ایسی بات کی طرف نہیں بلاتا جس میں جانیں قربان کرنے کا سوال ہو اور میں خود اس میں پس وپیش کروں۔ خوب اچھی طرح جان لو کہ اگر تم نے تھوڑی دیر کے لئے مصائب اور شدائد برداشت کر

Marfat.com

لئے تو مدت دراز تک آسودگی اور میٹھے پھلوں کا لطف اٹھاؤ گے۔

تم وہ خوش قسمت لوگ ہو جنہیں امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے ہزاروں بہادروں میں سے چن کر اس جزیرے کی تسخیر کے لئے بھیجا ہے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ تم دشمن کے مقابلے کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہو گے۔

میرے عزیز ساتھیو! تم ہر بات میں میری پیروی کرو جو کچھ میں کروں وہی تم بھی کرو۔ اگر میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ کرو۔ اگر میں رک جاؤں تو تم بھی رک جاؤ۔ لڑائی میں تم سب کا فرد واحد کی طرح ہونا ضروری ہے۔

میرے بہادر سپاہیو! میدان کارزار میں سب سے پہلے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے جو شخص باہر نکلے گا وہ 'طارق' ہو گا اگر قضاء الٰہی سے میں مارا جاؤں تو کسی جانب سے بھی کمزوری۔ حزن وملال اور باہمی چپقلش کا اظہار نہ ہونے پائے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔

لو اب میں دشمن کے مقابلے کے لئے نکلتا ہوں۔ میرے حملہ کرنے کے ساتھ ہی تم بھی بے جگری سے دشمن پر حملہ کر دو۔

طارق کے اس پر جوش خطبے نے اس کے ساتھیوں کے دلوں میں ایک آگ لگا دی۔ وہ دیوانہ وار آگے بڑھے اور دشمن پر پل پڑے۔ دشمن کی صفیں ان کے حملے کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہو گئیں اور سپین بالآخر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

Marfat.com

خلافت کی مختصر تاریخ

ہارون الرشید اپنے محل میں بیٹھا، گزرے ہوئے واقعات پر غور کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ کیا عوامل تھے جن کی وجہ سے تمام مملکت اسلامیہ میں ایک عدیم النظیر اتحاد قائم تھا اور سلطنت کے تمام باشندے وحدت کی سلک میں منسلک تھے۔ جب ایام رفتہ سے اس کی نظر ہٹ کر اس کے اپنے زمانے پر پڑتی ہے تو اس کی پیشانی سے حسرت اور رنج وغم کے آثار ہویدا ہو جاتے ہیں۔ اسے دکھائی دیتا ہے کہ اس کے زمانے کی اسلامی مملکت کی، جو دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی ہے، وہ حالت نہیں جیسی اس کے اسلاف کے عہد میں تھی، نہ اس میں پہلی سی شان وشوکت موجود ہے نہ پہلا سا اتحاد ہے نہ اعلاء کلمۃ اللہ کا وہ جوش باقی ہے جو اس کے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا، اور نہ پہلی سی قوت عمل ہے۔ نہ سلطنت کے شعبوں میں نظم وضبط کے پہلے سے مظاہرے ہیں اور نہ اسلامی کردار کے نمونے ہی موجود ہیں۔

سلطنت کے بعض دور دراز علاقوں، مثلاً اندلس اور بلاد مغرب نے دارالخلافے سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اس بات کا امکان تھا کہ اس صورت حال کو دیکھ کر بعض اور علاقے بھی خودمختار ہو جائیں گے۔ خلیفہ کی اپنے وزیر سے وہ گفتگو جس کا ذکر شروع میں ہوا ہے انہی افکار کا نتیجہ تھی۔

سلطنت کے حالات پر خلیفہ کی تشویش اور پریشانی بے جا نہ تھی۔ اس کے اپنے عہد میں جو واقعات رونما ہو رہے تھے وہ پچھلے واقعات سے پوری طرح مربوط تھے۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال کے واقعات زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے اس طرح منسلک تھے کہ انہیں علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہارون الرشید کا ان واقعات پر غور کرنے سے اصل مقصد یہ تھا کہ وہ سلطنت میں پیدا شدہ خرابیوں کو دور کرے اور اپنے بعد اپنے جانشینوں کے لئے ایسی مضبوط سلطنت چھوڑ جائے جو اتحاد، استحکام اور شوکت وعظمت میں اپنی نظیر آپ ہو۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے لے کر ہارون الرشید کے زمانے تک عالم اسلام کا مختصر سا حال بیان کر دیا جائے تاکہ آپ کے ذہن میں تمام واقعات کا ایک نقشہ قائم ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے خلافت کے مسئلے پر اختلاف رونما ہوا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی زبردست شخصیتوں کی بدولت اس اختلاف نے کوئی ناگوار صورت اختیار نہیں کی۔ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں

حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سلطنت کے ہر حصے میں بغاوت کا فتنہ سر اٹھانے لگا۔ آخر انہی باغیوں نے مدینہ پہنچ کر آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن اہل شام نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کے مقابلے میں نکل آئے۔ صرف اہل شام ہی نے نہیں بلکہ کئی جلیل القدر صحابہ نے بھی آپ کے مقابلے میں علم اختلاف بلند کر دیا اور اس طرح تمام عالم اسلامی میں ایک انتشار برپا ہو گیا۔ آخر کار حضرت علیؓ کو بھی جام شہادت پینا پڑا۔

حضرت علیؓ کے شہید ہونے کے بعد تمام مملکت اسلامیہ پر حضرت معاویہؓ کا تسلط ہو گیا اور وہ بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگے۔ بلاشبہ انہوں نے بڑی مضبوطی اور عمدگی کے ساتھ حکومت کی۔

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب ان کا بیٹا یزید تخت پر بیٹھا تو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا جاں گداز حادثہ پیش آیا۔ اس حادثے کے نتیجہ میں تمام عالم اسلام کے مسلمان دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ کا دعویٰ تھا کہ حضرت علیؓ کی اولاد ہی خلافت کی حقدار ہے لیکن دوسرے گروہ کو اس سے انکار تھا اور وہ کہتا تھا کہ حکومت کی باگ ڈور جس شخص کے ہاتھوں میں آئے قطع نظر اس کے کہ وہ کون ہے اس کی بیعت خلافت کر لینی چاہیے۔

یہ اختلاف مٹ نہ سکا۔ شیعیان علیؓ خفیہ خفیہ اپنے لئے زمین ہموار کرتے رہے۔ اور عامۃ المسلمین میں اپنے خیالات کی ترویج کرتے رہے۔ اموی خلفاء بھی اس سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ اس تحریک کی بیخ کنی میں مصروف رہے۔ جس شخص کے متعلق انہیں پتہ چلتا کہ وہ لوگوں میں آل علیؓ کی خلافت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اسے قتل کروا ڈالتے اور جس جماعت کے متعلق انہیں معلوم ہوتا کہ وہ شیعیان علیؓ کے مطالبات سے ہمدردی رکھتی ہے اسے کچل ڈالتے۔

تاہم خراسان میں شیعیان علی کو سازگار حالات میسر آ گئے اور ایرانی مسلمانوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس دعوت کی حمایت شروع کر دی آخر امویوں کے خلاف بغاوت کا لاوا پھوٹ پڑا۔ شیعیان علی اور امویوں کے درمیان 'مرو' اور 'زاب' کے دو معرکے پیش آئے جن میں عباسیوں کو (جن کی شیعیان علی نے بیعت خلافت کی تھی) فتح نصیب ہوئی۔ امویوں کے جھنڈے زمین بوس ہو گئے۔ اور عباسی خلافت کا پھریرا بڑی شان سے لہرانے لگا۔

عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح ہوا۔ جس نے چن چن کر امویوں کو قتل کرنا شروع

کیا۔اس کے نتیجے میں صرف چند خوش قسمت انسان ایسے تھے جو عباسیوں کی نظروں سے بچ کر بھاگ نکلے۔باقی سب تہ تیغ کر دیئے گئے۔

عباسیوں نے بڑی شان سے حکومت شروع کی تا آنکہ خلافت ہارون الرشید کے ہاتھوں میں آئی جو عباسیوں کا سب سے مشہور خلیفہ ہوا ہے اور جس کے زمانے کو'عباسیوں کا عہد زرین' کہا جاتا ہے۔

ہارون بن مہدی

ہارون الرشید بن محمد المہدی بن عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ عم رسول اللہ صلعم، فارس کے ایک شہر 'رے' میں یکم محرم الحرام ۱۴۹ھ مطابق ۱۵ فروری ۷۶۶ء کو پیدا ہوا۔ پرورش عراق میں ہوئی اور ابوالعباس سفاح کو چھوڑ کر خلافت عباسیہ کے باقی تمام سابق عباسی خلفاء کے زیر تربیت رہا☆ نوعمری ہی میں اس کی شجاعت، دلیری اور علوہمتی کو دیکھ کر تمام لوگ اس کا احترام اور اس سے محبت کرتے تھے۔ اس نے بچپن ہی سے سیاست اور سلطنت کے آداب سیکھنے شروع کر دیئے اور اپنی ذکاوت و ذہانت کی بدولت بہت جلد سلطنت کے تمام امور و رموز سے بخوبی واقف ہو گیا۔

بچپن کے زمانے میں ہارون اکثر اوقات اپنے دادا خلیفہ منصور کے پاس چلا جاتا۔ منصور اس سے ہنسی مذاق کی باتیں کرتا۔ اس وقت ہارون بہت چھوٹا تھا اس لئے اپنے دادا کی اکثر باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں۔ البتہ جس چیز کی طرف ہارون کی نظریں بہت غور سے اٹھتی تھیں وہ منصور کا بیش قیمت شاہی لباس تھا جسے دیکھ کر اس کے دل میں بے اختیار اس بات کی خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش اس کے پاس بھی ایسے ہی بھڑک دار کپڑے ہوتے اور وہ انہیں پہن کر خوشی خوشی اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلتا اور ان پر حکومت جتاتا۔

اس وقت کوئی شخص یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہارون کو ضرور ہی خلافت ملے گی کیونکہ ملک کی سیاسی حالت میں ایک اضطراب برپا تھا۔ ولی عہد کا مسئلہ بھی اسی اضطراب کا ایک حصہ تھا۔ اموی عہد میں خلیفہ وقت اپنے بعد جس لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا تھا، ملک کے سربرآوردہ رئیسوں، لشکروں کے سپہ سالاروں، سلطنت کے فقیہوں اور عالموں سے اپنی زندگی میں ہی اس کی بیعت لے لیتا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہ تھا کہ جس لڑکے پر خلیفہ کی نظر انتخاب پڑے وہی اس کا جانشین ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ولی عہد کے دوسرے بھائی از راہ حسد اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور لشکر اور رعایا کے ایک حصے کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے بھائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

رشید کی والدہ خیزران بڑی ہوشیار اور عقلمند عورت تھی۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ بڑے کا نام ہادی تھا اور چھوٹے کا ہارون۔ عام قاعدے کے مطابق ولی عہد بڑا لڑکا ہوتا ہے۔ اسی لئے ولی عہد

☆ یعنی (۱) ابوجعفر منصور۔ (۲) ابوعبداللہ مہدی بن منصور اور (۳) موسیٰ ہادی بن مہدی۔ (مترجم)

Marfat.com

ہادی تھا لیکن خیزران ہادی کے بجائے ہارون کو پسند کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ اس کے خاوند، مہدی کے بعد خلافت ہارون کو ملے کیونکہ ہارون اپنے بھائی ہادی کی بہ نسبت اپنی والدہ کا بے حد تابع تھا۔

جس وقت ہارون کا باپ مہدی خلیفہ ہوا اس وقت ہارون دس سال کا تھا۔ خلیفہ ہونے پر مہدی نے اسے سلطنت کے رموز و نکات سے آگاہ کرنے اور تعلیم دلانے کے لئے اتالیقوں کے سپرد کر دیا۔ ہارون نے اپنی فطری ذکاوت کی وجہ سے اپنے اتالیقوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان اتالیقوں میں سب سے مشہور شخصیت یحییٰ بن خالد برمکی کی ہے۔ اسی شخص کی بدولت ہارون خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر یحییٰ بن خالد اور خاندان برامکہ کا مختصر ذکر کر دیا جائے۔

خاندان برامکہ کا جد اعلیٰ 'برمک' مجوسیوں کا بڑا محترم پیشوا اور بلخ کے مشہور آتش کدے 'نو بہار' کا موبد تھا۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آیا وہ اسلام لے آیا تھا یا نہیں۔ جب خراسان میں عباسی خلافت کی تبلیغ شروع ہوئی تو خالد بن برمک (جو اسلام لا چکا تھا) اس کے بہت بڑے داعیوں میں سے تھا۔ یہ شخص نہایت بلند ہمت۔ عالی حوصلہ اور سیاست ملکی میں ماہر تھا۔ خلافت عباسیہ قائم ہونے پر جب عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابو العباس سفاح نے اپنے وزیر ابو سلمہ حفص بن سلیمان الخلال کو بغاوت اور سازش کے جرم میں قتل کرا دیا تو اس کے بعد خالد کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ابو العباس کی وفات تک یہ اپنے عہدے پر قائم رہا۔ سفاح کے بعد جب ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے پہلے تو کچھ مدت تک اسے اس کے پہلے منصب پر ہی فائز رکھا پھر اسے فارس کا والی بنا کر بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسے فارس کی ولایت سے ہٹا کر موصل کی ولایت سپرد کر دی گئی اور وہ منصور کی وفات تک موصل کا گورنر رہا۔ اس کی وفات مہدی کی خلافت کے اوائل میں، یعنی ۱۶۳ھ میں ہوئی ☆۔

خالد کا بیٹا یحییٰ برمکی تھا جو علم، ادب، فضیلت، شرافت اور سخاوت میں یکتائے زمانہ گزرا ہے۔ اس کے والد نے اس کی تربیت بہت اچھی طرح کی۔ دولت عباسیہ کے قیام کے وقت اس کی عمر بارہ سال کی تھی۔ چنانچہ اس نے خلافت کے سائے میں پرورش پائی۔ محرم ۱۵۸ھ یعنی نومبر ۷۷۴ء میں منصور نے اسے آذربائیجان کی ولایت کے لئے منتخب کیا۔ آذربائیجان کا علاقہ بہت ہی اہم سرحدی علاقہ تھا۔ خلفاء عباسیہ سرحدوں کی ولایت انہی لوگوں کو سپرد کرتے تھے جن پر انہیں پورا

☆ خالد کی وفات کا سنہ وفات مصنف نے صحیح نہیں لکھا اس کے انتقال کی صحیح تاریخ یکم شعبان ۱۶۵ھ روز پنجشنبہ مطابق ۲۱ مارچ ۷۸۲ء ہے، البرامکہ صفحہ ۶۶۔ (مترجم)

پورا بھروسہ ہوتا تھا۔ اس نے وہاں کی ولایت اس خوش اسلوبی سے سنبھالی جس طرح اس کے والد نے فارس اور موصل کی سنبھالی تھی۔ منصور کی وفات تک وہ آذربائیجان کا والی رہا۔

۱۶۲ھ ۷۷۹ء میں مہدی نے اسے اپنے بیٹے ہارون کا کاتب اور اتالیق مقرر کیا۔ وہ اسے سلطنت کے امور سے آگاہ کرتا تھا اور اس کی تعلیم کا بندوبست کرتا تھا۔ ہارون اسے والد محترم کہہ کر خطاب کرتا تھا کیونکہ یحییٰ کی بیوی ام فضل نے ہارون کو اپنا دودھ پلایا تھا اور ہارون کی والدہ خیزران نے یحییٰ کے لڑکے فضل کو اپنی دودھ پلایا تھا۔ یحییٰ نے اپنے شاگرد کی تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اسی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہارون میں دقت نظر، وسعت علم اور سلطنت کے امور احسن طریق پر انجام دینے کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی جو اس کے بعد کسی خلیفہ میں پیدا نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی ۷۷۹ء میں مہدی نے ارادہ کیا کہ وہ خود محاذ جنگ پر جا کر رومیوں سے مقابلہ کرے۔ اس نے ہارون کو بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ ہارون بڑی خوشی سے چلنے کو تیار ہو گیا۔ خلیفہ کا ہارون کو اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کا بیٹا مہمات مملکت اور دفاعی امور میں ابھی سے مہارت حاصل کر لے۔ جب لشکر رومی قلعوں کے قریب کلکیا کے نواح میں پہنچا تو بعض مجبوریوں کی بناء پر خلیفہ نے خود واپسی کا ارادہ کیا اور اپنے بجائے لشکر کی قیادت ہارون کے سپرد کر دی، یحییٰ برمکی کو بھی اس کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ ”میں تمہیں ہارون کے ساتھ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ مجھے تم سے زیادہ لائق کوئی آدمی نظر نہیں آتا جو لشکر کا کل انتظام اپنے ہاتھ میں لے سکے چونکہ تم ہارون کے مربی اور اتالیق ہو اور اپنا فرض اچھی طرح سرانجام دیتے ہو اس لئے میں تمہیں اس کے ساتھ بھیجتا ہوں“۔

ہارون کو جس وقت لشکر کی قیادت سپرد کی گئی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اہم ذمہ داری کا کوئی کام سپرد کیا گیا تھا۔ وہ فوج کو لے کر آگے بڑھا اور 'سالوما' کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اڑتیس روز جاری رہا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ قلعہ آسانی سے فتح نہیں ہو سکتا تو اس نے قلعے کے سامنے منجنیق نصب کر دی اور اہالیان قلعہ پر واضح کر دیا کہ وہ کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ منجنیق دیکھ کر قلعے والوں نے مارے خوف کے ہار مان لی اور اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے۔ کہ (۱) ان کی جان بخشی کر دیا جائے گی۔ (۲) انہیں قلعہ ہی میں رہنے دیا جائے گا (۳) جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔ ہارون نے یہ شرطیں قبول کر لیں جس پر قلعے والوں نے بلا پس و پیش فوراً دروازے کھول دیئے۔ ہارون الرشید نے بھی اپنے وعدے کو پورا کیا اور اہالیان قلعہ

سے بڑی نرمی اور محبت کا سلوک کیا۔

خلیفہ نے جب اس فتح کی خبر سنی تو وہ بے حد خوش ہوا اور اس نے ہارون کو شمالی افریقہ، آذر بائیجان اور آرمینیا کی ولایت سپرد کردی۔ یحییٰ برمکی کو اس نے ہارون کے ساتھ ہی رہنے کا حکم دیا۔

اس فتح کی خبر بغداد اور نواحی علاقوں میں پھیل چکی تھی۔ لشکر کی واپسی سے پہلے ہی ارد گرد کے علاقوں سے لوگ جوق در جوق بغداد میں لشکر کا استقبال کرنے اور اپنے عزیزوں سے جو اس لشکر میں شامل تھے ملنے اور انہیں مبارکباد دینے کے لئے آنے شروع ہو گئے یہاں تک کہ شہر میں لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ جس وقت لشکر دارالخلافے میں داخل ہوا تو بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا گیا۔

جب ہارون مظفر و منصور ہو کر نہایت شاداں و فرحاں مع فوج کے واپس آیا اور محل میں داخل ہوا تو خیزران نے بڑی محبت اور فرحت و مسرت کے ساتھ بیٹے کو گلے سے لگایا۔ اس موقعہ پر صرف ایک چیز تھی جو اس کی خوشی کو مکدر کر رہی تھی اور وہ یہ خبر تھی کہ مہدی کے بعد خلافت ہادی کو ملے گی، ہارون کو نہیں۔ خیزران کی دلی خواہش تھی کہ اس کے خاوند کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا ہارون خلیفہ بنے۔ مگر یہ خبر سن کر اس کی ساری آرزوؤں اور امنگوں پر پانی پھر گیا تھا۔

تاہم خیزران ایسی عورت نہ تھی جو اس فیصلے کے بعد تقدیر پر شاکر ہو کر خاموش بیٹھ جاتی۔ جونہی اس نے یہ خبر سنی فوراً اپنی عقلمندی اور ذکاوت کو عمل میں لا کر ایسی تدابیر سوچنے میں مصروف ہو گئی جن سے اس کا خاوند ہادی کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بعد ہارون کو خلافت کے لیے نامزد کر دے۔

اس موقعے پر اتفاقی حادثات نے بھی خیزران کی مساعی کو تقویت پہنچائی۔ ہوا یہ کہ رومیوں نے شکست کھانے کے بعد اپنی قوتیں دوبارہ مجتمع کیں اور ایشیائے کوچک پر حملہ کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر روانہ کر دیا۔ ہارون ایک لاکھ سپاہ اپنے ہمراہ لے کر رومیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ خلیفہ کا وزیر 'ربیع' اور سپہ سالار 'یزید بن مزید' بھی تھا۔ اس مرتبہ ہارون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ لڑائی کو اپنی سرحدوں سے رومیوں کی سرزمین میں منتقل کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کر دے گا۔ ہارون کو اپنے ارادہ میں بہت حد تک کامیابی ہوئی۔ یزید بن مزید نے رومیوں کے بطریق 'نیتاس' کو شکست دی اور ہارون رومیوں کے سپہ سالار 'نیکومودس' پر غالب آ گیا اور عرب کے شہسواروں نے آگے بڑھ کر اپنے خیمے قسطنطنیہ کی شہر پناہ کے سامنے نصب کر دیئے۔

اگرچہ عربی فوجیں اس وقت قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کر سکیں اور شہر کی فتح سات سو سال بعد وقوع میں آئی لیکن ہارون نے رومیوں کی ملکہ ایرینی کو اپنی پیش کردہ شرائط قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ تین سال کے لئے معاہدہ صلح لکھا گیا اور نوے ہزار دینار سالانہ جزیہ مقرر ہوا۔ ملکہ ایرینی نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اپنے علاقے میں اسلامی لشکر کی خوراک اور آرام و آسائش کے لئے ہر قسم کا انتظام کرے گی کیونکہ ہارون جس راستے سے اپنی فوج لے کر رومی مملکت میں داخل ہوا تھا وہ بہت کٹھن اور دشوار گذار تھا اور اس راستے سے گزرنے پر اسلامی لشکر کو بہت سی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اس کارنامے نے ہارون کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔

جب مہدی نے اپنے چھوٹے بیٹے کی یہ شجاعت اور علو ہمتی دیکھی تو اس نے ارادہ کیا کہ اپنے پہلے فیصلے کو منسوخ کر کے بجائے ہادی کے ہارون کو ولی عہد مقرر کر دے لیکن موت نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس فیصلے کا اعلان کر سکتا کیونکہ اس واقعہ کے چند روز بعد ہی وہ دنیا سے چل بسا اور ہادی نے خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی☆۔

☆ ہادی ماہ صفر کی چاندرات کو ۱۶۹ھ ۷۸۵ء میں تخت پر بیٹھا۔ (مترجم)

۳۱۲۸ے

Marfat.com

ہادی کی تخت نشینی

خیزران کی خواہش کے خلاف جب مہدی نے بجائے ہارون کے ہادی کو ولی عہد بنایا تو ملکہ خیزران کو اس سے سخت رنج پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ہارون کو ایک لمبی مدت کے بعد خلافت نصیب ہوگی بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ بڑے بھائی کی زندگی میں ہارون کی وفات ہو جائے اور اسے خلیفہ بننے کا موقعہ ہی نہ مل سکے یا ہادی اپنی خلافت کے دوران میں ہاورن کو ولی عہدی سے ہٹانے اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی کوشش کرے۔

ہارون ذاتی طور پر ایسا شخص نہ تھا کہ خلافت کے حصول کے لئے اپنے بھائی کے بالمقابل کھڑا ہوتا۔ وہ بہت نرم دل اور ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا۔ خیزران کو اس کی اس کمزوری کا پتہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ہارون کے عہد خلافت میں اصل اقتدار اسی کے ہاتھ میں رہے گا اور محل کے سیاہ سفید کی وہی مالک ہوگی اور ہارون کو خلافت کے امور میں اس سے زیادہ دلچسپی نہ ہوگی کہ وہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے فوجوں کے انتظام والصرام میں حصہ لے۔ اس کا زیادہ تر وقت اپنی بیوی بچوں کے ہمراہ گزرا کرے گا اور اس کی بیشتر توجہ اپنی گھریلو زندگی کو پر مسرت بنانے پر مرکوز رہے گی۔

خیزران نام ونمود کی بڑی شائق، شان وشوکت کی بہت دلدادہ، رعب وداب کی بے حد خواہشمند اور امور سلطنت پر حاوی ہونے کے لئے نہایت درجہ بے چین تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ صرف اسی کے مددگار خیر خواہ اور تابع لوگ سلطنت کے مناصب پر فائز ہوں۔

خیزران کا یہ سارا شاہانہ پروگرام صرف اسی وقت پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا جب سلطنت کی باگ ڈور اس کے اپنے ہاتھ میں ہو اور وہ جو چاہے کرے، اسے کوئی روکنے والا نہ ہو۔

خیزران کو اس بات کا پکا یقین تھا کہ اگر ہارون تخت حکومت پر بیٹھ گیا تو اس کی دلی مراد برآئے گی اور وہ امور سلطنت پر کامل طور سے حاوی رہے گی لیکن ہادی کے خلیفہ ہونے کی صورت میں اس کی ان بلند خواہشات کا پورا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ ہادی ارادے کا پکا اور دل کا سخت تھا اور کسی شخص کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔

ادھر خیزران بھی دھن کی پوری، عزم وارادہ کی پکی اور بڑی عقلمند عورت تھی۔ وہ برابر ہادی کو ولی عہدی سے ہٹانے اور ہارون کو اس کی بجائے ولی عہد بنانے کی کوششوں میں منہمک تھی۔ خیزران کا خلیفہ مہدی پر بہت زبردست اثر تھا۔ پہلے یہ اس کی لونڈی تھی لیکن بعد میں اس نے اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تھا۔ اگرچہ مہدی کی اور بھی بیویاں تھیں لیکن جو رابطہ خیزران

Marfat.com

اور اس کے لڑکوں، ہادی اور ہارون سے تھا۔ وہ دوسری بیویوں اور ان کے بچوں سے نہ تھا۔ ان بیویوں میں سے کسی کو بھی یہ خیال پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ولی عہدی کے لئے اپنے کسی لڑکے کے متعلق کوشش کریں۔

مہدی کی زندگی میں خیزران محلات شاہی کے سیاہ و سفید کی مالک اور امور سلطنت پر پوری طرح حاوی تھی۔ اس کے سامنے خلیفہ چوں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ اس کے کسی مطالبے کو مسترد کر سکتا تھا۔ خلیفہ کے دل میں اس کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ اس نے اسے دو ہزار لونڈی غلام دیئے لیکن اسی دن شام کو وہ کسی بات پر ناراض ہو کر خلیفہ سے کہنے لگی: "مجھے بتاؤ تو سہی تم نے میرے لئے آج تک کیا کیا ہے"؟

اپنے اس اقتدار اور اثر و رسوخ کو کام میں لاتے ہوئے اس نے ہارون کی ولی عہدی کے لئے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا چنانچہ جب بھی موقع ملتا وہ اپنے شوہر سے ہارون کے حسن خلق اور اس کی جرأت و بہادی کی تعریف شروع کر دیتی۔ یحیٰی برمکی بھی جو ہارون کا اتالیق تھا اپنی اغراض کے لئے خیزران کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا تھا۔

آخر خیزران کی مسلسل کوشش اور دباؤ سے متأثر ہو کر خلیفہ نے ہادی کی جگہ ہارون کو ہی ولی عہد بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اس زمانے میں ہادی جرجان میں تھا۔ خلیفہ نے اسے اپنے حضور طلب کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے اس لئے اس نے اپنے والد کے پاس آنے میں حیلے بہانے سے کام لیا اور نہ آیا۔ مجبوراً مہدی خود اس سے ملنے کے لیے روانہ ہوا لیکن راستے میں ہی اسے پیغام اجل آ پہنچا اور وہ چالیس سال کی عمر پا کر اگست ۷۸۵ء (۱۶۹ھ) میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

مہدی کی اچانک وفات سے خیزران، ہارون اور یحیٰی کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ کیا خلیفہ کی موت کی خبر کو ابھی چھپایا جائے اور ہارون فوج کی مدد سے اپنے بھائی کو خلافت سے الگ کرنے کی کوشش کرے؟ یا ہادی کی بیعت کر لی جائے اور انتظام کیا جائے کہ آئندہ کیا وقوع میں آتا ہے؟

بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد دوسری تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ ہوا اور یہی بات درست بھی تھی کیونکہ اگر پہلی رائے پر عمل کیا جاتا تو ملک میں بہت خون ریزی ہوتی اور نہ معلوم اونٹ کس کروٹ بیٹھتا۔ چنانچہ ہارون نے اپنے بھائی کو بذریعہ خط اپنے والد کی وفات کی خبر دی اور لکھا کہ

Marfat.com

''فوراً دارالخلافے میں تشریف لے آئیے تا کہ آپ کی بیعت کی جائے''۔

جب بغداد میں خلیفہ کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو وہاں فتنے کے آثار نمودار ہونے شروع ہوئے۔ خیزران کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فتنہ بالآخر ہارون کے حق میں مفید ثابت ہوسکتا ہے اس لئے اسے دبانے کے بجائے اور بھڑکانے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن یحییٰ بن خالد کی دور رس نگاہوں نے تاڑلیا کہ نئے خلیفہ کے دارالحکومت پہنچنے سے پہلے یہاں فتنہ اور اضطراب پھیلنا ہارون کے حق میں بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوگا۔ اس لئے اس نے فتنے کو دبانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ فوج کو دو ماہ کی تنخواہ پیشگی ادا کردی اور اس طرح فوج کو قابو میں لاکر شہر میں امن قائم کرادیا اور فتنے کی چنگاریاں دبادیں۔ یحییٰ کا یہ خیال تھا کہ یہ بات ہرگز مناسب نہ ہوگی کہ ہادی دارالخلافے میں اس حالت میں داخل ہو کہ یہاں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک رہے ہوں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو وہ فوراً ہارون کی طرف سے کھٹک جائے گا اور لازماً یہ خیال کرے گا کہ میرے خلاف یہ فتنہ وفساد ہارون نے کھڑا کیا ہے۔ اس لئے وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑے گا۔

یہ سوچ کر یحییٰ نے ملکہ خیزران کو مشورہ دیا کہ یہ وقت بہت نازک ہے اس موقع پر ذرا سی بے تدبیری کا نتیجہ بہت خراب ہوسکتا ہے۔ اس حالت میں ہارون کو برسر اقتدار لانے اور مسند خلافت پر بیٹھانے کے لئے بہت سوچ سمجھ کر اور آہستہ آہستہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

خیزران کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی اور اس نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے ہارون کی خلافت کے لئے کسی دوسرے مناسب موقع کا انتظار شروع کردیا۔

ہادی بن مہدی

ملکہ خیزران کو ایک نئے انقلاب سے دو چار ہونا پڑا تھا اور اسے اپنی تمام آرزوئیں خاک میں ملتی نظر آ رہی تھیں۔ تاہم اس نے اپنی پہلی زندگی کے ان طور طریقوں میں جو اس کے شوہر مہدی کے زمانے میں تھے، کسی قسم کی تبدیلی نہ کی۔ اب بھی اس کا محل عامۃ الناس، ادباء، شعراء ارا کین سلطنت اور حاجت مندوں سے بھرا رہتا تھا۔ اس کی سالانہ آمدنی کا کچھ شمار نہ تھا۔ بعض مورخین نے اس کا اندازہ سولہ کروڑ درہم سالانہ لگایا ہے۔ اپنی اس آمدنی کا ایک کثیر حصہ وہ اپنی شاہانہ ضروریات پر خرچ کرتی تھی۔ دولت کی بہت بڑی مقدار لوگوں کو انعام واکرام دینے میں صرف کرتی تھی اور بہت بڑی رقم آئیدہ پیش آنے والے متوقع اور غیر متوقع حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے پس انداز بھی کرتی تھی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خیزران جاہ وحشم اور شان وشوکت کی بے حد دلدادہ تھی۔ وہ اپنی کثیر آمدنی کو اپنے اس شوق کے پورا کرنے کے لیے بے دریغ صرف کرتی تھی۔ اس کا محل خوبصورتی اور وسعت میں خلیفہ کے محل سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ جس قدر لوگ اس کے پاس اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو لے کر آتے تھے۔ اتنے خلیفہ کے پاس بھی نہ آتے تھے۔ وہ اپنے محل کے سب سے بڑے کمرے میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی تھی۔ اس کے اردگرد بنو ہاشم کی معزز ترین عورتیں بیٹھی ہوتی تھیں اور مختلف وفود، نیز سلطنت کے سر کردہ ارا کین امراء اور لشکروں کے سپہ سالار اس کے پاس روزانہ آتے رہتے تھے۔

یہ سب کچھ وہ محلات شاہی میں اپنا رعب وداب قائم رکھنے اور ارا کین سلطنت کو اپنی مٹھی میں کرنے کے لئے کرتی تھی وہ چاہتی تھی کہ حکومت کے جملہ ارا کین اس کے اپنے خاص آدمیوں میں سے ہوں تا کہ اگر کوئی ناگہانی حادثہ پیش آئے تو اسے ان لوگوں کی مکمل حمایت حاصل ہو اور وہ اس کی اغراض اور اس کی سیاست کو بروئے کار لانے میں اس کے مددگار ثابت ہوں۔

کچھ عرصے بعد عامۃ الناس میں بھی ملکہ کے اغراض ومقاصد اور سلطنت کے کاموں میں اس کی مداخلت کا چرچا عام ہونے لگا۔ ایک شاعر نے تو اسے مخاطب کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا:

”خیزران! اب بس کرو اور اپنے بیٹے کو حکومت کرنے دو“ لیکن اس نے لوگوں کے کہنے سننے کی قطعاً پروانہ کی اور بالکل بے خوف اور نڈر ہو کر اپنی سیاست کا تانا بانا بننے میں مصروف رہی۔

خیزران مہدی پر حکومت کر چکی تھی۔ وہ اس بات کو کس طرح برداشت کر سکتی تھی کہ ایک

پچیس سالہ نوجوان اس کی حکم عدولی کرے اور اس کے اثر سے آزاد ہو کر اپنی من مانی کارروائیاں کرے۔ ہادی بھی اس وقت اتنا لاچار تھا کہ اپنی والدہ کے کہنے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ وہ اس انتظار میں تھا کہ کب کوئی مناسب موقع ملے اور وہ اپنی والدہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرے لیکن اسے کبھی ایسا موقعہ میسر نہ آیا اور یہ ارادہ اس کے دل ہی میں رہا۔

ہارون کے خصائل اپنی والدہ کے بالکل الٹ تھے۔ اس کا تمام کام اس کا اتالیق یحییٰ برمکی اپنے مخصوص زاویہ نگاہ کے ماتحت سرانجام دیتا تھا۔ وہ برابر ہارون کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی تاکید کرتا رہتا تھا۔ اسی زمانے میں ایک نجومی نے خبر دی تھی کہ ہادی کا زمانہ خلافت بہت قلیل ہوگا۔ اس بنا پر وہ ہارون سے کہا کرتا تھا کہ ہمیں جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے ہارون کو صلاح دی کہ وہ اس عرصے میں اپنی نجی زندگی کو خوشگوار بنائے۔ اکثر سیر و تفریح اور شکار کے لئے جنگل میں نکل جایا کرے۔ ولی عہد کو عیش و عشرت کے جو مواقع میسر ہوتے ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھائے۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آ جائے جس کا انتظار مدت سے ہو رہا ہے۔ اس نے ہارون پر اچھی طرح یہ بات واضح کر دی تھی کہ حسن سیاست کا تقاضا یہ ہے کہ خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کے دلوں پر یہ اثر ڈالا جائے کہ ہارون کو خلافت کی کوئی آرزو اور تمنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنا سارا وقت مسرت و عیش، سیر و تفریح اور شکار میں گزراتا ہے۔

ہادی کو بھی نجومی کی پیشگوئی سے اپنے متعلق اتنا ہی فکر تھا، جتنا اس کے بھائی اور بھائی کے اتالیق کو تھا۔ اسے ہارون پر کامل بھروسہ نہ تھا۔ اکثر وہ اس سے کہا کرتا تھا:

''تم نجومی کی باتوں پر بہت سوچ بچار کرتے رہتے ہو ذرا اپنے بچاؤ کا خیال بھی رکھو''۔

ہارون یہ سن کر ہنس پڑتا اور میٹھی میٹھی باتیں بنا کر اپنے بھائی کو اپنے اخلاص اور دلی تعلق کا یقین دلاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہادی کچھ عرصے کے بعد اپنے بھائی کی میٹھی میٹھی باتوں کو دلچسپی سے سننے لگا اور اس سے اس رنج و فکر کا بار دور ہو گیا جو خلافت کے متعلق وقتاً فوقتاً اس پر مسلط رہتا تھا۔ چنانچہ وہ مطمئن ہو کر پھر سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ زمانوں میں بادشاہوں کو پرلطف اور خوشگوار زندگی کبھی بھی میسر نہیں آتی تھی۔ ہر بادشاہ کو اپنی جان کا خوف دامنگیر رہتا تھا اور اسے اپنے قریب ترین اعزا تک کا بھروسہ نہیں ہوتا تھا۔ بادشاہ اپنی جان سے بے خوف ہو بھی کس طرح سکتے تھے۔ ان کے اسلاف میں سے بعض کو خنجر سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ بعض کو زہر پلا کر ختم کر دیا گیا تھا اور بعض کو گلا گھونٹ کر مار

ڈالا گیا تھا۔ اس لئے ان بادشاہوں کے شب و روز کے اکثر حصے اسی فکر و اندیشے میں گزر جاتے تھے کہ وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کریں؟ اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کو امن و چین کی حکومت کس طرح نصیب ہو؟ چنانچہ خلیفہ ہادی کے اختیار میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو ان تفکرات سے آزاد رکھ سکتا۔

ہادی کا ایک چھوٹا سا لڑکا، جعفر تھا۔ خلافت کے حصول کے بعد ہادی کے دل میں اکثر یہ خیال گزرتا تھا کہ کیوں نہ اس کے بعد اس کا بیٹا خلیفہ بنے؟ اور کیوں نہ وہ اپنے بھائی ہارون کو اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہونے پر مجبور کرے؟

خلیفہ کے لیے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ شاہی خاندان کے افراد، امراء سلطنت اور قوم کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنی رائے کا ہم نوا بنا سکے لیکن سیاسی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ یحییٰ برمکی کو بھی جعفر کی ولی عہدی کے لئے راضی کیا جائے کیونکہ یحییٰ برمکی حکومت کا بہت بڑا ستون تھا اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام صحیح طور پر انجام نہیں پا سکتا تھا۔

مورخین ذکر کرتے ہیں کہ جب ہادی کے دل میں اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانے اور ہادی کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا خیال پیدا ہوا تو کئی سپہ سالاروں اور شاہی خاندان کے افراد نے ہادی کے خیال کی حمایت کرنی شروع کر دی اور ہارون سے برملا نفرت کا اظہار کرنے لگے۔

بالآخر ہادی نے یہ حکم دیا کہ آئندہ ہارون کے آگے کوئی نیزہ بردار نیزہ لے کر نہ چلے (نیزہ ولی عہدی کا نشان تھا) ایک دن ہارون اور جعفر بن ہادی گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک پل سے گزرنے لگے۔ پولیس کا ایک افسر 'ابوعصمہ' ہارون کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا:۔

"ذرا ٹھہر جایئے۔ ولی عہد کو گزر جانے دیجئے"۔

ہارون نے جواب میں کہا:

"بہت بہتر، مجھ سے غلطی ہوئی"۔

چنانچہ وہ ٹھہر گیا اور جب تک اس کا بھتیجا پل پر سے نہ گزر گیا وہ وہیں کھڑا رہا۔

ان باتوں کو دیکھ کر لوگ ہارون سے اجتناب کرنے لگے۔ کوئی شخص اسے سلام کرنے یا اس کا قرب حاصل کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ صرف ایک یحییٰ بن خالد تھا جو ہر وقت ہارون کی خیر خواہی میں لگا رہتا تھا، اور کبھی بھی اس سے جدا نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے ہادی سے شکایت کی کہ ہارون خود تو ولی عہدی سے دست برداری پر آمادہ ہے لیکن یحییٰ اسے اس ارادے سے باز رکھ رہا ہے اور یہ

کہہ کر کہ جب مہدی نے اسے ایک حق دیا ہے تو پھر وہ کیوں اپنے حق سے دست بردار ہو، اسے آپ کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔

واقعہ بھی یہی تھا کہ ہارون دستبرداری پر آمادہ تھا لیکن یحییٰ اسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔ ہارون نے یحییٰ سے کہا تھا کہ میں سلطنت کے بکھیڑوں اور جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔

میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹی (زبیدہ) کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کروں لیکن یحییٰ نے اسے سمجھایا کہ تمہیں کیا پتہ ہے کہ ولی عہدی سے دستبرداری کے بعد لوگ تمہیں تمہاری مرضی اور خوشی کے مطابق زندگی بسر کرنے دیں بھی یا نہ دیں۔

جب ہادی کے پاس یحییٰ کی شکایتیں پہنچیں تو اس نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا اور کہنے لگا:۔

''تم میرے بھائی کے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہو اور اسے میرے خلاف کیوں بھڑکا رہے ہو''؟

یحییٰ نے جواب دیا ''امیر المومنین! میں کون ہوں جو آپ دونوں کے معاملات میں دخل دوں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آپ کے والد محترم نے مجھے ہارون کے ساتھ رہنے اور اس کے حقوق کی حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کے حکم کے مطابق اپنے فرائض ادا کیے۔ آپ کے والد محترم کے بعد آپ نے بھی یہی کام میرے سپرد کیا۔ میں تو آپ کے احکامات بجا لاتا ہوں اور جو کام میرے سپرد ہے اس کے متعلق کوشش کرتا ہوں کہ احسن طور پر انجام پائے''۔

ہادی سے یحییٰ کی باتوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اب یحییٰ کو موقعہ مل گیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں ہادی سے وقتاً فوقتاً گفتگو کر سکے چنانچہ ایک دن اس نے موقع پا کر پھر اس ذکر کو چھیڑا اور کہنے لگا:

''امیر المومنین! جعفر کو ولی عہد بنانا اتنا آسان نہیں جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ آپ یہ سوچئے کہ کیا لوگ جعفر کی خلافت کو قبول بھی کر لیں گے وہ تو ابھی بالغ بھی نہیں ہوا۔ لوگ کس طرح اس کی قیادت میں جہاد کرنے پر راضی ہونگے''؟

ہادی نے کہا ''واقعی یہ باتیں تو قابل غور ہیں''۔

یحییٰ نے پھر کہا:۔

''امیر المومنین! اگر آپ نے ہارون کی جگہ جعفر کو ولی عہد بنا بھی دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ

Marfat.com

اگر خدانخواستہ جعفر کی طفولیت ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا تو اس کی کم سنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگ اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے تخت سے اتار دیں گے اور اپنے حسب منشا کسی اور کو خلیفہ بنا لیں گے۔ اس طرح آپ کے خاندان کے ہاتھوں سے خلافت نکل جائے گی"۔

ہادی نے کہا "میرا ان باتوں کی طرف پہلے کبھی دھیان نہیں گیا تھا۔ اس وقت تم نے مجھے پیش آمدہ خطرات سے متنبہ کیا ہے" گفتگو جاری رکھتے ہوئے یحییٰ نے کہا:

"جعفر ابھی کم سن ہے اور خلافت کے کسی طرح بھی قابل نہیں۔ اگر ہارون ولی عہد نہ بھی ہوتا تب بھی آپ کو یہ نہیں چاہئے تھا کہ جعفر کو ولی عہدی سونپ دیتے چہ جائیکہ اصل حق دار کے ہوتے ہوئے جسے آپ کے والد محترم نے مقرر فرمایا تھا آپ جعفر کو ولی عہد بنا رہے ہیں۔ امیر المومنین! آپ ابھی اس معاملے کو اسی طرح رہنے دیں۔ جب خدا تعالیٰ کے فضل سے جعفر بالغ ہو گا اور خلافت کا کام سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا تب میں ہارون کو خود اس کے پاس لاؤں گا اور میں ذمہ لیتا ہوں کہ اس وقت ہارون خلافت سے دستبردار ہو جائے گا اور وہ سب سے پہلا شخص ہو گا جو جعفر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا"۔

ہادی نے یحییٰ کے قول و قرار کو قبول کر لیا اور اسے رخصت کی اجازت دے دی۔

ہادی کو جعفر کی ولی عہدی کے سلسلے میں یحییٰ کی رائے کی صحت کا یقین ہو گیا تھا اور اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہارون کو ولی عہدی سے دستبردار نہیں کرے گا لیکن اس کے مشیروں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہ اسے برابر اس بات پر اکساتے رہے کہ ہارون کو دستبردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ آخر لوگوں کے اکسانے سے وہ اپنی بات پر قائم نہ رہا اور ہارون پر پھر دباؤ ڈالنے لگا کہ وہ جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے۔

یہ صورت حال دیکھ کر یحییٰ نے ہارون کو مشورہ دیا کہ وہ ہادی سے شکار کی اجازت لے کر کسی دور دراز مقام پر چلا جائے اور وہاں دن گزارے۔

ہارون نے یہ بات مان لی اور ہادی سے شکار کی اجازت طلب کی۔ ہادی نے اجازت دے دی اور کہہ دیا کہ چند روز تک ضرور واپس آ جانا۔ ہارون محل سے نکلا اور 'قصر مقاتل' چلا گیا وہاں وہ چالیس روز تک مقیم رہا۔ ہادی کو یہ بات بہت شاق گزری اور اسے ہارون کی اتنی لمبی غیر حاضری کی وجہ سے بہت تردد ہونے لگا۔ اس نے اسے بار بار واپس آنے کے لئے لکھا لیکن وہ برابر حیلے بہانوں سے کام لیتا رہا۔ اب حاسدوں کی بن آئی اور انہیں نے ہادی کو بھڑکانا شروع کیا کہ ہارون

کا اتنے دوردراز مقام پر جانا بھی اس کی ایک چال ہے تا کہ وہ وہاں بیٹھ کر آپ کے خلاف بغاوت کی تیاری کر سکے۔

خلیفہ کے دربار میں فضل بن یحییٰ موجود تھا جو یحییٰ اور ہارون کی قائم مقامی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ اپنے والد کو خفیہ خفیہ دربار کے سارے حالات باقاعدہ اور مسلسل لکھتا رہتا تھا۔

ان شکائتوں پر توجہ مبذول کرتے ہوئے ہادی نے یحییٰ کو دوبارہ دربار میں طلب کیا۔ اس دفعہ اس نے یحییٰ کو اپنے ڈھب پر لانے کے لئے دوسرا طریقہ استعمال کیا۔ اس بار اس سے بحث وتمحیص کرنے کے بجائے اسے یہ لالچ دیا گیا کہ اگر وہ ہارون کو اس کے بیٹے جعفر کے حق میں دست بردار ہونے پر رضامند کر لے تو وہ اسے کثیر انعام واکرام سے نوازے گا۔ لیکن یحییٰ ہادی کی باتوں میں نہ آیا اور صاف صاف کہہ دیا:۔

''امیر المومنین! اگر آپ نے اپنا عہد توڑ دیا تو لوگ کہیں گے کہ جب خلیفہ کو بھی اپنا عہد توڑ دینے اور قول وقرار سے پھر جانے کی جرأت ہوسکتی ہے تو ہم کس شمار وقطار میں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے نزدیک عہد وپیمان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی۔ البتہ اگر آپ ایسا کرنے کی بجائے یہ کریں کہ ہارون کو ولی عہدی پر برقرار رکھنے کے ساتھ ہارون کے بعد جعفر کی تخت نشینی کا اعلان فرمادیں تو یہ بات ہارون سے زیادہ جعفر کی تخت نشینی کے لئے مضبوط ضمانت ہو جائے گی''۔

جب یحییٰ کو سمجھانے بجھانے کے تمام طریقے ناکام ہو گئے تو ہادی کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب وہ ہارون اور اس کے مددگاروں کو سخت سزائیں دینے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔

اسی دوران میں ایک دن اس کی والدہ خیزران اس کے پاس آئی اور اس سے اپنے ایک خاص آدمی کو بڑے منصب پر فائز کرنے کی سفارش کی۔ ہادی پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا اسے معلوم تھا کہ اس کی والدہ اس سے زیادہ ہارون سے محبت کرتی ہے اور ہارون کو اس پر ترجیح دیتی ہے۔ اس لئے اس نے اپنی والدہ کو بہت برا بھلا کہا اور مجلس میں جو روسا اور فوج کے سردار بیٹھے تھے انہیں حکم دے دیا کہ آئندہ ان میں سے کوئی شخص خیزران کے محل میں داخل نہ ہو اور کوئی شخص اپنی کوئی غرض لے کر اس کے پاس نہ جائے۔

خیزران اپنی یہ بے عزتی کس طرح برداشت کر سکتی تھی اسے شدید غصہ آیا اور اسی حالت غیض وغضب میں اپنے محل میں لوٹ آئی۔ واپس آکر اس نے اپنی بعض کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ

Marfat.com

رات کو ہادی کے محل میں چلی جائیں اور جب وہ سو جائے تو تکیہ اس کے منہ پر رکھ کر اس پر بیٹھ جائیں یہاں تک کہ اس کا دم نکل جائے۔ چنانچہ کنیزوں نے ایسا ہی کیا اور خلیفہ کو مار ڈالا۔

بعض مورخین یہ لکھتے ہیں کہ ہادی نے یحییٰ بن خالد کو قید کر دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ اسے اگلے دن صبح کو قتل کر دیا جائے۔ جب خیزران کو اس کا پتہ چلا تو اس نے ہادی کو مروانے کے لئے مندرجہ بالا تدبیر اختیار کی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ ہادی کو زہر دے کر مروایا گیا تھا۔ اس کے ثبوت میں وہ ایک خط پیش کرتے ہیں جو خیزران نے یحییٰ کو لکھا اور اس میں اسے بتایا تھا کہ 'وہ شخص' بیمار ہے اس کا آخری وقت آ پہنچا ہے اور اب وہ ضرور مر جائے گا اس لئے مناسب تیاری کرو۔

ادھر یحییٰ نے ہارون کی خلافت کے اعلان کے لئے پوری تیار کر لی تھی اور ہارون کی طرف سے تمام عمال کے نام ہادی کی وفات کے خطوط بھی تیار کر لئے تھے۔ چنانچہ جب ہادی مر گیا تو اس نے فوراً عمال کو وہ خطوط بھجوا دیئے۔

ہادی کی وفات رات کے وقت شہر 'عیسیٰ آباد' میں ہوئی تھی عین اس وقت جب ہارون الرشید نے خلافت کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا لوگوں نے اسے آ کر خبر دی کہ اس کے ہاں لڑکا (مامون الرشید) پیدا ہوا ہے۔ یہ رات بھی عجیب رات تھی۔ اس میں ایک خلیفہ کا انتقال ہوا۔ دوسرا خلیفہ☆ تخت پر بیٹھا اور تیسرا خلیفہ پیدا ہوا۔

مصنف جوامع الحکایات نے ہادی کے انتقال کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ ایک روز رات کے وقت فوج کے سپہ سالار ہرثمہ بن اعین کو ہادی نے محل مین بلا کر حکم دیا کہ "ابھی جا کر میرے بھائی ہارون کو قتل کر ڈالو۔ اس کے بعد جیل خانے میں جتنے آل ابو طالب قید ہیں سب کو دریائے دجلہ میں غرق کر دو۔ پھر فوج لے کر جاؤ اور کوفے کی اینٹ سے اینٹ بجا دو"۔

تباہی اور قتل و غارت کا یہ عجیب حکم دینے کے بعد ہادی محل میں چلا گیا اور ہرثمہ گھر آ گیا اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟ اسی پریشانی میں آنکھ لگ گئی۔

ابھی تھوڑی دیر سویا تھا کہ ایک شاہی غلام نے آ کر جگایا اور کہا "اٹھیے محل میں آپ کی طلبی ہوئی ہے۔ وہ سمجھا کہ مجھے خلیفے نے قتل کے لئے بلایا ہے کہ اب تک تعمیل حکم کیوں نہیں کی؟ افتاں و خیزاں محل میں پہنچا۔ خیزران نے فوراً اندر بلا لیا اور کہا "ہرثمہ! ہادی نے ابھی ابھی انتقال کیا، یہ اس کی

☆ ہارون الرشید ۱۶ ربیع الاول ۱۷۰ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۷۸۶ء شنبہ کی رات کو تخت نشین ہوا۔ (مترجم)

Marfat.com

لاش پڑی ہے۔ اب تو یحیٰی برمکی کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ ہارون کی بیعت کا فوراً انتظام کرے"۔

ہرثمہ ہادی کی لاش دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس نے خیزران سے واقعہ پوچھا۔ خیزران کہنے لگی کہ "جب مجھے ہارون کے قتل۔ آل ابو طالب کی تباہی اور کوفے کی مسماری کا حکم دے کر ہادی محل میں آیا تو میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر ہارون کی جان بخشی کی درخواست کی۔ میں نے اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا اور اسے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر رحم کی التجا کی۔ مگر ہادی نے بڑی سختی سے جواب دیا اور کہا کہ اگر تم بولیں تو ابھی تمہاری گردن تلوار سے اڑا دوں گا۔ اس پر میں خاموش ہو کر بڑے درد سے ہادی کے حق میں بددعا کرنے لگی۔ اتنے میں ہادی سو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اسے نہایت شدید کھانسی اٹھی اور گلے میں پھندا پڑ گیا۔ میں نے جلدی سے ایک کٹورے میں اسے پینے کے لئے پانی دیا۔ لیکن وہ پانی بھی اس کے گلے میں اٹک کر رہ گیا اور حلق سے نیچے نہ اترا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی"۔

"جوامع الحکایات ولوامع الروایات مؤلفہ محمد بن محمد عوفی صفحہ ۳۳۵"

ان مختلف بیانات کی موجودگی میں یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ ہادی کی موت کس طرح واقع ہوئی؟ اور درِ اصل اس کا ذمہ دار کون ہے؟ قرین قیاس یہی ہے کہ خود قدرت کی طرف سے ہادی کو اس کے ظلم کی یہ فوری سزا ملی۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہادی کے گلے میں مدت سے ایک زخم تھا جو پھٹ گیا اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔

ہارون کی تخت نشینی

ایک عرصے کی چپقلش اور جوڑ توڑ کے بعد خیزران اور یحییٰ بن خالد کی کوشش بارآور ہوئیں اور ہارون تخت خلافت پر متمکن ہوگیا۔ خلافت سنبھالنے کے وقت ہارون کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ہادی کی وفات پر ہارون بغداد سے باہر تھا۔ اگلے دن صبح کو وہ باقاعد جلوس کی صورت میں شہر میں داخل ہوا۔ فوج کا ایک پورا دستہ اس کے ہم رکاب تھا۔ شہر سے بھی ایک دستہ اس کی پیشوائی کے لئے باہر نکلا۔ جمعہ کا روز تھا اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مضافات سے بھی ہزاروں لوگ بغداد میں آئے ہوئے تھے۔ شہر کی ان سڑکوں پر جہاں سے ہارون کو گزرنا تھا دورویہ، لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے اور بڑے شوق سے اپنے نئے خلیفہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

سب سے پہلے فوج کا ایک دستہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس نمودار ہوا۔ وہ بادشاہ کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے سواروں کا ایک دستہ تلواریں حمائل کئے سڑک پر سے گزرا۔ بعد ازاں عباسی شہزادے اور امراء بھڑک دار لباس پہنے گھوڑوں پر سوار، گزرے۔ عباسی شہزادوں اور امراء کے بعد برامکہ آئے، ان کی قیادت یحییٰ بن خالد کر رہا تھا۔ برامکہ کے بعد ہارون کی سواری تھی۔ ہارون ایک سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اور نہایت شاداں وفرحاں لوگوں کو ان کے سلام کا جواب دیتا ہوا جارہا تھا۔

ملکہ خیزران اپنے محل کے ایک جھروکے میں بیٹھی تھی اور اپنے لخت جگر کے اس شان دار استقبال کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں تھے اور وہ عالم خیال میں گزشتہ ایام پر نظر دوڑا رہی تھی جب ہارون کی ولی عہدی کے زمانے میں اس کے آگے چند غلاموں کے علاوہ کوئی نہیں چلتا تھا۔ اور بعد میں یہ اعزاز بھی اس سے چھین لیا گیا تھا۔ لیکن آج اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دنیا ہارون کے جلو میں چل رہی تھی۔ اس کے آگے اور پیچھے مسلح سواروں کے دستے تھے۔ ہر طرف سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے اور فوج کے سپاہی بڑی مشکل سے اس کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے۔

یہ جلوس چلتا چلتا اچانک دریائے دجلہ کے نزدیک ٹھہر گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ہارون بڑے غور سے دریا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آج ہارون اس وقت اس دن کو یاد کر رہا تھا جب اس نے مجبوراً اس دریا میں اپنی ولی عہدی کی انگوٹھی جو اسے اس کے والد مہدی نے پہنائی تھی پھینکی تھی۔ کیوں کہ جب اس کے بھائی ہادی نے اس پر زور دینا شروع کیا کہ وہ اس کے بیٹے جعفر کے حق

میں ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے تو ہارون نے اپنی خیر اسی میں سمجھی تھی کہ وہ اپنی انگوٹھی دریا میں پھینک دے اور اس طرح اس بات کا اعلان کر دے کہ وہ جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہو گیا ہے لیکن آج خلافت ہارون الرشید کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ کسی قسم کا ظلم وستم اسے اس کے حق سے محروم نہ کر سکا اور کسی قسم کی جبر وتعدی خدائی تقدیر کو نافذ ہونے سے نہ روک سکی۔

کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے پولیس کے افسر اعلیٰ کو حکم دیا کہ اس کی انگوٹھی دریا سے نکالی جائے۔ حکم کی دیر تھی کہ ایک سو خادم اور غلام دریا میں کود پڑے اور انگوٹھی کی تلاش شروع ہو گئی۔ کچھ ہی دیر میں 'اللہ اکبر' کی صدا بلند ہوئی۔ ایک شخص کو انگوٹھی مل گئی تھی۔ وہ پانی کی سطح پر نمودار ہوا اور اس کے چہرے سے خوشی وانبساط کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ شاہی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

ہارون نے انگوٹھی لی۔ اس شخص کو انعام دیا اور انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ جلوس پھر روانہ ہو گیا۔

قصر شاہی پہنچ کر جلوس کا خاتمہ ہوا۔ ہارون گھوڑے پر سے اترا اور محل میں داخل ہو گیا باقی کا تمام دن امراء واعیان کی بیعت اور نذرانے گزارنے میں گزر گیا۔

چونکہ آئندہ صفحات میں ہارون کے عہد خلافت کے حالات بیان ہوں گے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ خلافت عباسیہ پر مختصر سا تبصرہ بھی کر دیا جائے۔

خلافت عباسیہ اور خلافت راشدہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ خلافت راشدہ میں جہاں خلیفہ ملکی امور کی نگہداشت کرتا تھا، وہاں دینی لحاظ سے بھی وہ مسلمانوں کا رہبر اور رہنما ہوتا تھا۔ اس زمانے میں خلیفہ احکام خداوندی اور شریعت اسلام کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ خلافت کے تمام امور سیاست کے تابع ہونے کی بجائے دین اسلام کے تابع ہوتے تھے اور اسلامی احکام سے سرمو روگردانی کا خیال خلیفہ کو خواب میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

جہاں تک اموی خلافت کا تعلق ہے اگرچہ وہ خلافت راشدہ کے ہم پلہ تو کسی صورت میں نہیں تھی۔ تاہم اموی خلفاء میں سادگی اور جمہوریت کی روح ایک حد تک ضرور موجود تھی۔

خلافت عباسیہ کا حال سابقہ دونوں خلافتوں کے بالکل الٹ تھا۔ یہاں خلیفہ نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ اپنے کاموں میں مختار کل سمجھا جاتا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا اور جس امر کا چاہتا حکم دیتا تھا۔ کوئی شخص اسے روک سکتا تھا نہ اسے اس کی غلطیوں پر ٹوک سکتا تھا۔

پہلے خلفاء اہم ملکی امور میں اپنے خاص مشیروں اور ملک کے نامور مدبروں سے ضرور مشورہ

Marfat.com

لیتے تھے اور اس وقت تک کسی تجویز پر عمل نہ کرتے تھے۔ جب تک وہ مشورہ، باہمی بحث مباحثہ اور معاملات کے ہر پہلو سے جائزہ لینے کے بعد زیر بحث معاملے کے حسن و قبح سے پوری طرح واقف نہ ہو جاتے تھے مگر دولت عباسیہ کا یہ حال نہ تھا۔ اس کے خلیفہ ملکی معاملات میں اپنے مشیروں سے بہت کم رائے لیتے تھے اور صرف شدید مشکلات کے وقت ہی ملکی مسائل کو حل کرنے کے لیے وہ مدبروں سے مشورے طلب کرتے تھے۔

اس مطلق العنانی کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء عباسیہ نے ایرانی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر وہی طور طریقے اختیار کئے تھے جو قدیم ایرانی حکومت کا طرۂ امتیاز تھے۔ اس طرح خلافت ایک نئے رنگ میں رنگ گئی جو مطلق العنان شہنشاہت کے بہت زیادہ قریب تھی اور خلفاء عباسیہ استبداد میں شاہان کسریٰ اور ہندستان اور چین کے حکمرانوں سے کسی طرح مختلف نہ تھے۔

برامکہ

اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں ہارون الرشید کو امور خلافت سے چنداں تعلق نہ تھا۔ خلافت کے کاموں پر وہ عیش وآرام کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا۔ جس میں نہ اسے تفکرات کی دنیا سے گزرنا پڑے اور نہ محنت ومشقت سے اسے کوئی واسطہ ہو۔ یحییٰ برمکی اور ملکہ خیزران کو ہارون کی اس ذہنیت کا پتہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک ہارون تخت خلافت پر متمکن ہے وہ ان کی راہ میں روک ثابت نہیں ہوگا اور وہ دونوں سلطنت کے کاروبار کو اپنی مرضی سے جس طرح چاہیں گے چلائیں گے۔

جس وقت ہارون نے خلافت سنبھالی اس وقت وہ چوبیس سال ☆ کا خوش رو نوجوان تھا۔ اس کی والدہ اس پر پوری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس بات کا ثبوت اسی بات سے مل جاتا ہے کہ جب تک وہ زندہ رہی فضل بن ربیع جو بعد میں ہارون کا وزیراعظم بن گیا تھا دربار میں کوئی عہدہ حاصل نہ کرسکا۔ کیونکہ ملکہ خیزران اس کی سخت مخالف تھی اور قطعاً برداشت نہ کرسکتی تھی کہ فضل کسی چھوٹے سے چھوٹے عہدے پر بھی متمکن ہو۔

خیزران کے ہارون پر حاوی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہارون کی خلافت اسی کی کوششوں کی رہین منت تھی۔ اگر خیزران آڑے وقت میں ہارون کی مدد نہ کرتی تو ناممکن تھا کہ ہارون کسی طرح بھی خلافت حاصل کرسکتا۔ ہارون کی خلافت نے خیزران کے اثرورسوخ کو بہت زیادہ بڑھادیا اور وہ مملکت کے ہر کام میں پوری طرح دخیل ہوگئی۔

یہی حال ہارون کے اتالیق اور اس کے استاد یحییٰ برمکی کا تھا۔ خلافت کو ہارون کی طرف منتقل کرنے میں یحییٰ کا حصہ ملکہ خیزران سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اگر یحییٰ اسے نہ روکتا تو ہارون ضرور اپنے بھائی کے دباؤ کے ماتحت اپنے بھتیجے جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہوجاتا۔ ہارون اس کی حد درجہ تعظیم کرتا تھا اور ہمیشہ اسے ابی (اے میرے باپ) کہہ کر پکارتا تھا۔ جب وہ خلیفہ بنا تو اس نے سلطنت کا کام ماں اور استاد کے سپرد کردیا جن پر وہ انتہائی بھروسہ کرتا تھا اور جو اپنی عقل وفراست اور تجربے کے لحاظ سے اس بات کے حق دار تھے کہ عنان حکومت انہی کے ہاتھوں میں رہے اور وہی سلطنت کا کام چلائیں۔ چنانچہ ہارون سلطنت کی طرف سے بے پرواہو کر عیش وآرام کی زندگی گزارنے لگا۔

☆ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ تخت نشینی کے وقت ہارون کی عمر بائیس برس کی تھی بعض نے پچیس سال بتائی ہے۔ (مترجم)

ہارون الرشید کے زمانے میں سلطنت عباسیہ کثرت فتوحات اور وسعت مملکت کے لحاظ سے اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ان فتوحات کی تنظیم، شہروں کی آبادی اور سلطنت کے ہر حصے کو دارالخلافہ سے اس طرح مربوط کر دینے کے لئے کہ سلطنت ایک وحدت میں تبدیل ہو جائے اور مملکت کا کوئی حصہ دارالخلافہ سے علیحدہ ہونے کی جرأت نہ کر سکے یہ ضروری تھا کہ سلطنت کا انتظام ایسے ہاتھوں میں دیا جاتا جو انتہائی قابل، لائق، تجربہ کار اور اسے سنبھالنے کے ہر طرح اہل ہوتے اور ان کی وفاداری اور خیر خواہی پر کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو سکتا۔ ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ سلطنت اسلامیہ کے بعض دور دراز علاقے مثلاً اندلس اور بلاد مغرب عباسی خلافت سے اپنا تعلق منقطع کر چکے تھے اور بعض دوسرے علاقوں میں بھی سلطنت عباسیہ سے علیحدگی کا رجحان زور پکڑتا جا رہا تھا۔

حکومت بغداد کے سامنے اس وقت سب سے اہم کام اس خطرے کا سدباب کرنا تھا اور جب تک وزارت کی باگ ڈور نہایت مضبوط اور قابل ہاتھوں میں نہ دی جاتی یہ خطرہ دور نہ ہو سکتا تھا۔

یحییٰ بن خالد برمکی سے بہتر آدمی ہارون الرشید کو اور کون مل سکتا تھا جو انتہائی تجربہ کار، بہت بڑا مفکر، اعلیٰ درجہ کا سیاست دان اور بڑا دوراندیش شخص تھا۔ ہارون نے وزارت عظمیٰ کا اعزاز اسی کے سپرد کر دیا اور اسے مملکت کے تمام سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔

وزارت عظمیٰ سپرد کرتے ہوئے ہارون نے یحییٰ سے کہہ دیا تھا کہ "میں امور مملکت کا تمام بار اپنے کندھے پر سے تمہارے کندھے پر رکھتا ہوں۔ جس طرح چاہو اسی طرح کرو۔ جس شخص کو چاہو کسی عہدے پر مقرر کرو جس شخص کو چاہو معزول کر دو"۔

ملکہ خیزران بھی جو ہادی کے زمانہ میں امور خلافت سے بے تعلق کر دی گئی تھی، اب پھر امور سلطنت پر حاوی ہو گئی۔ یحییٰ برمکی ہر امر اس کے سامنے پیش کرتا تھا اور اس کی رائے پر عمل کرتا تھا۔ تاہم اس کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور وہ رشید کی خلافت کے تین سال بعد ہی فوت ہو گئی ☆۔ اس کے انتقال کے بعد امور مملکت کا سارا بوجھ یحییٰ پر آ پڑا اس نے مدد کے لئے اپنے چار بیٹوں فضل، جعفر، محمد، اور موسیٰ کو اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ یہ چاروں یحییٰ کے نقش قدم پر چلتے تھے اور اسی کی رائے کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک علم وفضل اور جود وکرم میں یکتائے زمانہ تھا۔

فضل اور جعفر سیاست اور حکومت میں اپنے باپ کی سب سے زیادہ مدد کرتے تھے۔ یحییٰ

☆ خیزران والدہ ہارون کی وفات ۱۷۳ھ مطابق ۷۸۹ء میں ہوئی۔

اکثر کاموں میں فضل کے مشوروں کو قبول کیا کرتا تھا۔ سلطنت کا زیادہ کام بھی اس کے سپرد کر رکھا تھا۔ وہ تمام برامکہ میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھا۔ کرم و جود میں جعفر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ شروع میں لوگ اسے وزیر صغیر کے نام سے پکارتے تھے۔

جعفر بھی قدر و منزلت، ہمت و استقامت، فہم و فراست، عقل و کیاست، علم و فضل اور سلطنت کے امور کو بحسن و خوبی چلانے میں کم نہ تھا۔ وہ انتہائی خوش اخلاق تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے گفتگو کرتا تھا۔ اس کی جود و سخا اور بذل و عطا کے قصے آج تک مشہور ہیں۔ فصاحت و بلاغت میں مشہور زمانہ تھا۔ ہارون اس کے برابر کسی اور کو عزیز نہیں رکھتا تھا اور فضل سے بھی زیادہ اس سے مانوس تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جعفر نہایت ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا۔ لیکن فضل کے مزاج میں سختی تھی۔

ایک دن ہارون الرشید نے یحییٰ سے پوچھا۔

"لوگ فضل کو وزیر صغیر کہتے ہیں لیکن جعفر کو نہیں کہتے۔ یہ کیا بات ہے"؟

یحییٰ نے جواب دیا:

"لوگ اس وجہ سے فضل کو وزیر صغیر کہتے ہیں کہ وہ میرا قائم مقام ہے اور سلطنت کے کاموں میں میرا بہت ہاتھ بٹاتا ہے"۔

ہارون الرشید نے کہا:

"پھر جعفر کو بھی ویسے ہی کام سپرد کر دو جیسے فضل کو کر رکھے ہیں"۔

یحییٰ نے جواب دیا کہ ہمیشہ آپ کے پاس رہنے کی وجہ سے وہ مملکت کے دوسرے کام نہیں کر سکتا۔

ہارون الرشید نے اسی وقت جعفر کے سپرد قصر خلافت کے تمام معاملات کر دیئے۔ اب وہ بھی وزیر صغیر کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ایک دن ہارون نے یحییٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مہر سلطنت فضل سے لے کر جعفر کو دے دوں لیکن مجھے فضل کو ایسا لکھتے ہوئے شرم آتی ہے تم اس کو لکھ دو چنانچہ یحییٰ نے فضل کو لکھا کہ "امیر المومنین فرماتے ہیں کہ تم مہر سلطنت دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں پہن لو"۔ فضل مطلب سمجھ گیا اور نہایت فرماں برداری سے مہر جعفر کو دے دی اور اپنے والد کو لکھا۔

"میرے بھائی کے متعلق جو حکم امیر المومنین نے دیا ہے میں اسے بجان و دل قبول کرتا ہوں۔ میرے بھائی کو جو عروج حاصل ہوگا اور جو رتبہ اسے ملے گا وہ دراصل مجھے ہی ملے گا"۔

جعفر نے جب فضل کا یہ جواب سنا تو وہ اپنے بھائی کی محبت، عقل و تمیز، فرمانبرداری اور اصابت رائے سے بہت خوش ہوا۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید کو جعفر سے کس حد تک محبت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ عزو جاہ، میں جعفر اپنے بڑے بھائی جیسا مرتبہ حاصل کرے۔

سخاوت میں فضل اور جعفر کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ گو گردش ایام نے برامکہ کو تباہ و برباد کر دیا لیکن زمانہ جودوکرم کے ان عدیم المثال کارناموں کو نہ مٹا سکا جو برامکہ کے ہاتھوں وقوع میں آئے۔

ایک دفعہ ہارون الرشید حج کو گیا۔ اس کے ساتھ یحییٰ بن خالد برمکی اور اس کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر بھی تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو ہارون اپنی قیام گاہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی یحییٰ بھی بیٹھ گیا۔ بیٹھ کر ان دونوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو اسی وقت خوب انعام و اکرام دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان کے بعد امین اور فضل بن یحییٰ بیٹھے۔ ان دونوں نے بھی بیٹھتے ہی لوگوں پر دادودہش کی بارش شروع کر دی۔ آخر میں مامون اور جعفر بیٹھے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس طرح ہزاروں لوگ جو شاہی قافلے کو دیکھنے کے شوق میں جمع ہو گئے تھے۔ مالا مال ہو کر انہیں دعائیں دیتے ہوئے واپس چلے گئے اور اس سال کا نام ہی عام الاعطیۃ الثلاثہ پڑ گیا۔ اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر، برامکہ کی اس طرح مدح سرائی کرتا ہے۔

''ہمارے پاس آل برمک آئے جو بادشاہوں کی نسل میں سے ہیں یہ خبر کتنی خوش کن اور یہ منظر کتنا دل فریب ہے۔ یہ لوگ ہر سال ایک مرتبہ دشمنوں کے مقابلے میں جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرتے ہیں۔ جب یہ وادی مکہ میں اترتے ہیں تو تمام وادی یحییٰ، فضل بن یحییٰ اور جعفر کی وجہ سے چمک اٹھتی ہے ان کی ہتھیلیاں سخاوت کے لیے بنی ہیں اور پاؤں ظفر مند کوششوں کے لئے۔

ان کی سخاوت کا ایک اور قصہ بھی درج کر دینا لطف سے خالی نہ ہوگا۔ محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی عبداللہ بن عباس جو بنو عباس کے ایک نہایت معزز شخص تھے ایک روز فضل کے پاس آئے ان کے پاس ایک ڈبیا تھی جس میں ایک بیش قیمت ہیرا بند تھا۔ انہوں نے آ کر فضل سے کہا کہ میں آج کل بہت تنگ دست ہوں دس لاکھ درہم کا قرض بھی میرے سر پر چڑھ گیا ہے۔ لوگوں میں مجھے جو عزت اور وجاہت حاصل ہے اس کا خیال کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ اس بات کا کسی کو علم ہو۔ میں کسی ایسے تاجر کی تلاش میں ہوں جو مجھے اتنی رقم بطور قرض دے سکے۔ رہن رکھنے کے لیے

میرے پاس یہ ہیرا ہے جو دس لاکھ درہم کی مالیت کا ہے۔ آپ کو مختلف تاجروں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے میں اس غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر یہ ہیرا لے لیں اور میرے لئے کہیں سے قرض دلانے کا انتظام کر دیں۔"

فضل نے کہا "آپ کی خواہش انشاء اللہ ضرور پوری ہو جائے گی۔ تاہم کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آپ آج میرے پاس قیام کریں۔

محمد بن ابراہیم نے یہ بات منظور کر لی اور سارا دن فضل کے گھر میں رہے، فضل نے اس دوران میں اپنے خادم کے ہاتھ دس لاکھ درہم اور ہیرے کی وہ ڈبیا محمد کے گھر بھجوا دی اور ان کے گھر والوں سے ان چیزوں کی رسید بھی منگوالی۔ سارا دن فضل کے گھر گزار کر جب محمد اپنے گھر پہنچے تو وہاں ہیرے کی ڈبیا اور دس لاکھ درہم موجود پائے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اگلے دن وہ صبح سویرے اس ارادہ سے فضل کے گھر پہنچے کہ اس احسان عظیم کا شکریہ ادا کریں لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ فضل ہارون الرشید کے محل میں گیا ہے۔ وہ وہاں سے ہارون کے محل پر پہنچے لیکن جب فضل کو محمد کے آنے کا پتہ چلا تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر اپنے باپ کے گھر چلا گیا۔ محمد وہاں پہنچے تو وہ کسی اور جگہ چلا گیا۔ غرض کہ سارا دن یہی ہوتا رہا۔ آخر شام کو فضل کے گھر میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ محمد نے فضل سے کہا کہ میں آپ کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے صبح آپ کے گھر گیا تھا، مگر آپ نہیں ملے۔

فضل نے جواب دیا۔

"کل میں نے آپ کے متعلق بہت غور وخوض کیا۔ میں نے سوچا کہ وہ دس لاکھ درہم جو کل میں نے آپ کے گھر بھجوائے تھے وہ تو آپ کے قرض کی ادائیگی ہی میں خرچ ہو جائیں گے بعد میں آپ کے پاس کچھ نہیں بچے گا اور آپ کو دوبارہ پھر قرض لینا پڑے گا۔ اس طرح کچھ عرصے کے بعد آپ کے ذمہ پھر اتنا ہی قرضہ چڑھ جائے گا۔ اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے میں امیر المومنین کی خدمت میں گیا تھا۔ میں نے انہیں آپ کا حال سنایا اور ان سے آپ کے لئے مزید دس لاکھ درہم لئے۔ میں آپ سے اس وقت تک نہ ملنا چاہتا تھا جب تک یہ ساری رقم آپ کے گھر میں نہ پہنچ جاتی۔ چنانچہ اب وہ پہنچ گئی ہے اور میں آپ کے سامنے ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے شرمندگی نہیں ہوئی"۔

محمد نے یہ سن کر فضل سے کہا:

"میں کس طرح آپ کے اس احسان کا بدلہ اتاروں؟ بظاہر تو کوئی شکل بدلہ اتارنے کی نظر

نہیں آتی۔ البتہ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کے دروازہ کے سوا اور کسی کے دروازہ پر حاضری نہیں دوں گا اور کسی اور سے کبھی کچھ نہ مانگوں گا"۔

چنانچہ انہوں نے اپنے اس عہد کو آخر دم تک نبایا۔ بعد میں برامکہ تباہ ہو گئے انہیں قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ ان کے اموال واسباب ان سے چھین لئے گئے اور وزارت فضل بن ربیع کے ہاتھ آ گئی۔ قسمت کے ہاتھوں محمد بھی پیسے پیسے کو محتاج ہو گئے۔ کسی نے ان کو صلاح دی کہ وہ فضل بن ربیع کے پاس جائیں وہ ضرور ان کی مدد کرے گا۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آخر وقت تک برامکہ کے عہد کو ہی یاد کرتے رہے۔

یحیٰی بن خالد کا تیسرا لڑکا موسیٰ تھا۔ یہ بہت زبردست بہادر اور دلیر شخص تھا لیکن اس کو وہ شہرت نصیب نہیں ہوئی جو اس کے بھائیوں فضل اور جعفر کو ہوئی۔ یہ ہارون کے بہترین سپہ سالاروں میں سے تھا۔ جب شام میں فتنے رونما ہونے لگے تو ہارون نے اسے ۱۷۲ھ ۷۸۸ء میں شام کا والی بنا دیا۔ اس نے وہاں جا کر امن قائم کیا اور وہاں کے حالات درست کیے۔

یحیٰی کا چوتھا بیٹا محمد تھا۔ یہ بھی بہت بلند ہمت اور بیشتر اخلاق حسنہ سے متصف تھا۔ فوجی عہدہ پر متمکن تھا لیکن وہ بھی وہ شہرت حاصل نہ کر سکا جو اس کے باقی بھائیوں کو حاصل ہوئی۔

مختصر یہ کہ خاندان برامکہ دولت عباسیہ کی پیشانی کا نور تھا۔ یہ لوگ ہر قسم کی خوبیوں سے متصف تھے۔ شعراء اور حاجت مند جب ہر طرف سے ناامید ہو جاتے تھے۔ برامکہ کے محلات ہی کا رخ کرتے تھے۔ جس طرح یہ خاندان سخاوت اور جود و کرم میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا، اسی طرح فصاحت و بلاغت میں بھی کوئی شخص ان کے ہم پلہ نہ تھا۔ یہ لوگ میدان بلاغت کے شہسوار مملکت فصاحت کے تاجدار تھے، ان کی سخاوت کے آگے لوگوں کو پرانے زمانے کی داستانیں ہیچ معلوم ہونے لگیں اور لوگ اگلی کہانیاں بھول گئے۔

خاندان برامکہ فارسی الاصل تھا۔ اس ایرانی نژاد قبیلے کی حیرت انگیز کامیابی اور مملکت اسلامیہ پر اس کے اثر و رسوخ اور اقتدار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس عہد کے اسلامی تہذیب و تمدن پر ایرانی اثرات چھا گئے تھے اور تمام مملکت اسلامیہ پر ایرانی تہذیب نے اپنا غلبہ و تسلط جما لیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ عربوں نے ایک عالم کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔ اور دین، عقائد اور زبان کے لحاظ سے وہ دوسرے ممالک کے لوگوں پر غالب آ گئے لیکن جہاں تک تہذیب و تمدن، نظام حکومت اور سیاست مملکت کا تعلق ہے انہیں اس بارے میں ایرانیوں ہی کی پیروی کرنی پڑی۔

سیاسی حالات

ہارون الرشید کی تخت نشینی اور خلافت کے ابتدائی امور کے تذکرہ کے بعد اب ہم اس کے عہد کے سیاسی حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

آل علیؑ جنہیں ہم آئندہ علویین کے نام سے یاد کریں گے کبھی بھی آل عباس کی خلافت پر راضی نہیں ہوئے کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ وہ ان سے زیادہ ملک و خلافت کے حق دار ہیں بنوامیہ کے زمانے میں جب خراسان اور مملکت اسلامی کے دیگر حصوں میں عباسی خلافت کی تبلیغ شروع ہوئی تو اس کے داعیوں نے بھی عوام کے قلوب پر یہی کہہ کر اثر ڈالنا شروع کیا تھا کہ امامت اور خلافت آل محمدؐ کا حق ہے اور وہ انہی کو ملنی چاہئے۔ چنانچہ آل علی کو پورا یقین تھا کہ جب یہ دعوت کامیاب ہو جائے گی تو خلافت کی گدی پر وہی متمکن ہوں گے۔ لیکن ان کی توقعات کے برخلاف عباسیوں نے خلافت و سلطنت پر خود قبضہ جما لیا۔ علوی بھی خاموش بیٹھے رہنے والے نہ تھے انہوں نے کئی بار عباسی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

آل عباس جانتے تھے کہ علوی ان کے بدترین دشمن ہیں وہ خوب سمجھتے تھے کہ ان کی خلافت اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی اور سلطنت میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک علویین کا کلی طور پر استیصال نہ کر دیا جائے اور ہر اس شخص کو قتل نہ کر دیا جائے جو اپنے لئے خلافت کا طالب ہو۔

سفاح سے لے کر ہارون الرشید تک کسی بھی خلیفہ کو علویین کی طرف سے اطمینان نصیب نہ ہو سکا اور ہر خلیفہ ان کو مٹانے اور تباہ و برباد کرنے کے در پے رہا۔ جب ہارون الرشید کا زمانہ آیا تو شروع میں اس نے اس بات کی کوشش کی کہ ملائمت، نرمی اور احسان کے ذریعے علویین کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلے اور اس طرح ان کی طرف سے بے خوف ہو کر اپنا کام چلائے۔ اس غرض کے لئے اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بغداد میں جن علویوں پر پہلے سخت نگرانی رکھی جاتی تھی اور انہیں بغداد سے باہر نکلنے نہیں دیا جاتا تھا۔ ان پر سے سوائے عباس بن حسن بن عبداللہ بن علی کے نقل و حرکت کی پابندی ہٹا لی۔ گو عباس بن حسن بن عبداللہ پر پابندی تھی تاہم ان کے والد حسن کو اس نے اجازت دے دی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

مگر علویوں پر ہارون کے اس حسن سلوک کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے اس عقیدے کا اظہار کرنے سے اب بھی باز نہ آئے کہ خلافت پر اصل حق ان کا ہے اور آل عباس نے ان کا یہ حق غصب کیا ہوا ہے۔ انہوں نے ہارون اور آل عباس کے خلاف پھر سازشیں شروع کر دیں۔ سب

سے پہلا شخص جس نے ہارون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا وہ یحییٰ بن عبداللہ بن حسن تھا۔ یہ شخص فخ کی لڑائی ☆ کے بعد جو ہادی کے عہد میں ہوئی تھی بھاگ کر دیلم کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں اس نے اپنی قوت بڑھانی شروع کی اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک زبردست جمیعت اکٹھی کر لی۔ ہارون الرشید نے اس کے مقابلہ کے لئے فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوج دے کر بھیجا۔ ساتھ ہی اسے جرجان۔ طبرستان اور رے کا والی بھی بنا دیا۔ فضل نے سوچا کہ اگر نرمی سے کام نکل سکتا ہے تو جنگ کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے وہاں پہنچ کر بجائے جنگ کرنے سے اس کو مطیع ہونے کا مشورہ دیا۔ سارے نشیب و فراز سمجھائے اور یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ مطیع ہو جائے گا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے گا تو اسے امان دے دی جائے گی اور اس سے ہرگز کوئی برا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ساتھ ہی اس نے والی دیلم کو دس لاکھ درہم بھیجے اور اسے لکھا کہ وہ یحییٰ کو مطیع ہونے پر آمادہ کرے۔

یحییٰ نے جواب میں لکھا کہ اگر خلیفہ اپنے ہاتھ سے مجھے امان لکھ کر بھیجے تو میں مطیع ہو جاؤں گا اور تمہارے ساتھ چلا چلوں گا۔ فضل نے یہ ماجرہ ہارون کو لکھ بھیجا۔ ہارون بڑا خوش ہوا اس نے اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھا اور اس پر فقہاء، قضاۃ اور بنی ہاشم کے بڑے بڑے لوگوں اور مشائخ کو گواہ بنایا اور یہ امان نامہ بیش قیمت تحفوں کے ساتھ فضل کو بھیج دیا۔ فضل نے یہ سب تحائف مع امان نامہ یحییٰ کو روانہ کر دیئے۔ چنانچہ یحییٰ نے اطاعت قبول کر لی اور فضل کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ فضل اس کو لے کر بغداد آیا۔ ہارون الرشید اس سے بڑی کشادہ روئی سے پیش آیا۔ پہلے اس کو یحییٰ بن خالد کے پاس رکھا کیونکہ یحییٰ اس کا ضامن بنا تھا اور اس کی رہائش کا نہایت اعلیٰ انتظام کر دیا۔ بہت سا سامان اس کو دیا اور بیش قرار وظیفہ مقرر کر دیا۔ غرض کہ اس کے اکرام اور تعظیم میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی مگر اس واقعہ کے کچھ عرصے کے بعد بعض چغل خوروں نے ہارون کے پاس جا کر یحییٰ کی شکایتیں کیں اور کہا کہ وہ بدستور خلافت کا باغی ہے اس پر ہارون نے اسے قید کر دیا اور فقہاء سے نقض امان کا فتویٰ طلب کیا۔ بعض فقہاء نے فتویٰ دیا کہ امان توڑی نہیں جا سکتی۔ البتہ بعض

☆ ۱۶۹ھ ۷۸۵ء میں علویوں کے ایک لیڈر حسین بن علی بن حسن المثلث نے ہادی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ سب سے پہلے حسین نے مدینہ پر قبضہ کر کے ہاں اپنی امامت کا اعلان کیا اس کے بعد وہ اپنی جماعت کو لے کر حج کے لئے نکلا۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو امیر الحج مقرر کر کے حسین کے مقابلہ کا حکم دیا۔ فخ کے مقام پر دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی جس میں حسین اور اس کے سارے ساتھی مارے گئے۔ صرف دو شخص بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ ایک ادریس بن عبداللہ جس نے افریقہ میں جا کر اپنی سلطنت قائم کی۔ دوسرا یحییٰ بن عبداللہ بن حسن جو بھاگ کر بلاد دیلم چلا گیا اور وہاں علم بغاوت بلند کیا۔

نے یہ فتویٰ دے دیا کہ امان باطل ہے۔ چنانچہ ہارون نے یحیٰی کی امان منسوخ قرار دے دی اور بعد میں اسے قتل کرا دیا۔

فخ کی لڑائی میں دوسرے شخص جو بچ نکلا تھا وہ ادریس بن عبداللہ بن حسن تھا۔ یہ یحیٰی کا بھائی تھا اور مصر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں سے اس نے مغرب الاقصیٰ میں پہنچ کر بربروں کو اپنے گرد جمع کیا اور وہاں علویین کی پہلی خلافت قائم کی۔ یہ خلافت دولت ادریسیہ کہلائی۔ ادریس ۱۷۲ھ ۷۸۸ء میں 'ولیلی' کے شہر میں آیا تھا اور اسی سال اس کی بیعت ہوئی۔

جب ہارون کو یہ خبر ملی کہ ادریس نے بلاد مغرب میں اپنی سلطنت قائم کر لی ہے، اپنے گرد زبردست لشکر جمع کر لیا ہے، بلاد تلمسان کو فتح کر لیا ہے اور افریقہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا لیکن یہ کام اسے بہت مشکل نظر آیا کیونکہ وہ علاقہ دارالخلافے سے بے حد دور تھا اور لشکر کو وہاں تک پہنچنے میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لئے اس نے ایک عقلمند اور چالاک آدمی سلیمان بن جریر المعروف بہ شماخ کو مقرر کیا کہ وہ وہاں جا کر کسی حیلے اور دھوکے سے ادریس کو قتل کر دے۔ چنانچہ شماخ ادریس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ "ہارون نے مجھے سخت تکالیف پہنچائی ہیں اور اب میں اس کا ساتھ چھوڑ کر آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں"۔ ادریس نے اس کی باتوں کا اعتبار کر کے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ چند ہی دنوں میں وہ ادریس کے مزاج میں بہت دخیل ہو گیا۔ ادریس نے اسے اپنا مصاحب بنا لیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے موقعہ پا کر اس کے منجن میں زہر ملا دیا اور خود بھاگ آیا۔

زہر کے اثر سے ادریس کا ۱۷۳ھ ۷۸۹ء میں انتقال ہو گیا۔ اس کے کوئی لڑکا تو تھا نہیں ہاں وفات کے وقت اس کی ایک لونڈی حاملہ تھی۔ بعد میں اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اپنے باپ کے نام پر ادریس ہی رکھا گیا۔ لوگوں نے اس کی بیعت کر لی اور رشید کی توقعات و خواہشات کے برعکس مغرب میں دولت ادریسیہ جڑ پکڑ گئی۔

اس طرح خلافت عباسیہ سے دو زبردست علاقے نکل گئے۔ ایک علاقہ تو اندلس، جس پر عبدالرحمٰن بن معاویہ اموی نے کامل تسلط کر لیا تھا اور دوسرا مغرب اقصیٰ مع تلمسان جس پر ادریس بن عبداللہ نے قبضہ کر لیا تھا۔

ان حوادث کے سبب ہارون الرشید علویین کی طرف سے بہت چوکنا ہو گیا تھا۔ جس شخص کے متعلق بھی اسے پتہ چلتا کہ اس کا میلان علویین کی طرف ہے وہ اسے سخت سزا دیتا۔

Marfat.com

لیکن اس اندرونی خلفشار کے باوجود اس نے عربوں اور تمام مسلمانوں کے مشترکہ دشمن یعنی رومیوں کی طرف سے قطعاً لاپروائی نہ برتی۔ ہارون الرشید سے پہلے ہر خلیفہ ان سے جنگ کرتا تھا اور ان پر فتح پا کر انہیں خراج دینے پر مجبور کرتا تھا۔ مہدی کے زمانے میں خود ہارون الرشید رومیوں کے مقابلے کے لئے جا چکا تھا اور رومیوں کی عہد شکنیوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اس نے خلیفہ ہوتے ہی اپنی سلطنت کی مشرقی حدود کی حفاظت کے انتظامات شروع کر دیئے تا کہ کہیں رومی مسلمانوں کو غافل پا کر ان پر بے خبری میں حملہ نہ کر دیں۔

اس مقصد کے لئے اس نے اپنے وزیر یحییٰ برمکی سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ رومی سلطنت کی سرحد پر جا بجا قلعے بنائے جائیں، جہاں اسلامی فوجیں تعینات رہیں۔ اس کے علاوہ رومی علاقے میں اپنے جاسوس بھی مقرر کئے جائیں۔ جو دشمنوں کے ارادوں اور نقل و حرکت سے برابر اطلاع دیتے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ 'منبج' کو ان تمام قلعوں کا مرکز قرار دیا گیا اور خلیفہ سلطنت کے مشرقی بازو سے مطمئن ہو گیا۔

ہارون الرشید نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے ان سپہ سالاروں کو جو رومی سرحد پر متعین تھے یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ موقعہ بموقعہ رومی علاقوں میں تاخت و تاراج بھی کرتے رہیں تا کہ رومیوں کو کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے اور وہ سال بسال مقررہ خراج سلطنت عباسیہ کو ادا کرتے رہیں۔

جب خلیفہ کو اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے حج کے مذہبی فریضہ کو بجا لانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ کے لئے یہ امر بہت ضروری تھا کہ وہ حج کے لئے جائے۔ ایسا کرنا خصوصاً اس لئے بھی ضروری تھا کہ عباسی اموی خلفاء پر یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ ان کی دینی حالت بہت کمزور ہے۔ اس صورت میں ان کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ خود رعایا کے سامنے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ ان میں دین کا احترام ہے، اور وہ اسلامی فرائض کو بجا لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

ہارون الرشید نے کئی حج کئے لیکن اس کا یہ حج خاص طور پر سیاسی مصالح کے لئے تھا۔ اس مرتبہ حج کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض حاسدوں نے ہارون کو آل علیؓ کے مشہور امام موسیٰ بن جعفرؒ کی طرف سے جو امام کاظمؒ کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور جو ان دنوں مدینہ میں مقیم تھے بھڑکانا شروع کیا۔ حاسدین کا کہنا تھا کہ امام کاظم کے معتقد اپنے اموال کا پانچواں حصہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ان کو اپنا امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں۔ عنقریب ہی وہ سلطنت عباسیہ کے

خلاف بغاوت کرنے اور خلافت کا دعویٰ کرنے والے ہیں۔

ہارون پہلے ہی علویین کی طرف سے بدظن ہو رہا تھا۔ اس شکایت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس نے مدینہ پہنچ کر امام موسیٰ بن جعفر کو قید کر لیا اور ان کو اپنے ساتھ بغداد لے آیا۔ بغداد لا کر اس نے انہیں سندی بن شاہک کی تحویل میں دے دیا کہ وہ انہیں قید رکھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں اس نے انہیں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ سندی بن شاہک نے خفیہ طور پر انہیں قتل کر دیا۔ ہارون نے ایک جماعت کو سندی کے گھر بھیجا۔ اس جماعت نے واپس آ کر گواہی دی کہ امام کاظم نے طبعی موت سے وفات پائی ہے۔

یہ تمام اضطراب، شور و غوغا، سازشیں اور بغاوتیں صرف علویین کی طرف سے ہی نہیں تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور فریق بھی تھا جو خلفاء کے استبداد اور ان کے احکام شرعیہ سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ان کو نابود کرنے کی فکر میں تھا۔ یہ فرقہ خارجیوں کا تھا۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور ساری مملکت اسلامیہ میں ایک انتشار برپا کر دیا تھا۔ جب بنو امیہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے ان کے خلاف بھی بغاوتیں کرنی شروع کیں جس پر اموی خلافت نے بڑی زبردست فوجوں کے ذریعہ جن کی کمان مہلب بن ابی صفرہ جیسے بہادر جرنیل کر رہے تھے خارجیوں کا بالکل قلع قمع کر دیا لیکن اموی حکومت ان کی روح کو فنا نہ کر سکی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کبھی خارجیوں کو موقعہ ملتا تھا وہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

ہارون الرشید کا زمانہ خوارج کے زور پکڑنے میں شہرت رکھتا ہے۔ انہوں نے بنی امیہ کے زمانے کے اسلاف کی تاریخ کو دہرایا۔ ان خوارج میں سب سے مشہور اور زبردست اثر رکھنے والا شخص ولید بن طریف شاری شیبانی تھا۔ یہ بہت بہادر اور جنگجو تھا۔ نصیبین کے نواح میں جزیرہ میں رہتا تھا۔ اس نے ہارون الرشید کے خلاف ۱۷۸ھ ۷۹۴ء میں علم بغاوت بلند کیا۔ نصیبین میں ابراہیم بن خازم پر حملہ کیا، وہاں سے آرمینیہ چلا گیا، ۱۷۹ھ ۷۹۵ء میں پھر جزیرہ واپس لوٹا۔ اب اس کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے پے در پے کئی دفعہ ہارون الرشید کی فوجوں کو شکست دی۔ اب تو خلیفہ برداشت نہ کر پایا اور اس نے اس کے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ اس کا خیال ہوا کہ وہ ربیعہ میں سے ہی کسی شخص کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجے تاکہ وہ کسی حیلہ سے اسے اس کے دربار میں حاضر کر دے۔ اس غرض کے لئے اس کی نظر انتخاب یزید بن مزید شیبانی پر پڑی جو معن بن زائدہ کا بھتیجا تھا۔ یزید اس کے مقابلے کے لئے گیا۔ اس نے چاہا کہ جس طرح مہلب بن ابی

صفرہ نے حیلہ اور مکر وفریب سے کام لے کر قطری بن فجادہ کو قابو میں کر لیا تھا۔ اسی طرح وہ بھی انہی حیلوں اور مکر وفریب کے طریقوں سے ولید کو اپنے قابو میں کر لے۔ ادھر برامکہ یزید کے خلاف تھے۔ انہوں نے خلیفہ کے کان بھرنے شروع کئے کہ یزید رشتہ داری اور خون کی بنا پر ولید سے رعایت کر رہا ہے، ورنہ ولید کی قوت وشوکت تو بہت معمولی ہے وہ تو کبھی کا زیر ہو جاتا۔ اس پر خلیفہ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے یزید کو خط لکھا کہ اگر میں کسی اور شخص کو بھیجتا تو وہ اب تک کبھی کا کامیاب ہو کر واپس آ جاتا مگر تم عصبیت کی وجہ سے معاملے کو خواہ مخواہ ڈھیل دے رہے ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے ولید سے جلدی نہ کی تو میں کسی آدمی کو بھیج کر تمہارا سر کٹوا دوں گا۔ چنانچہ یزید نے ولید کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ دونوں کے لشکر میدان جنگ میں آئے۔ جنگ شروع ہونے والی ہی تھی کہ یزید نے ولید کو پکار کر کہا کہ فوجوں کو لڑانے سے کیا فائدہ۔ آؤ ہم اور تم آپس میں مقابلہ کر لیں۔ دوسرے کو مارنے والا فاتح قرار پائے گا۔ ولید نے یہ منظور کر لیا اور رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا میدان میں نکل آیا۔

ادھر سے یزید بھی بڑھا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ کچھ دیر تک تو کوئی بھی غالب نہ آ سکا مگر آخر یزید نے ایک موقعہ پا کر ولید کے پاؤں پر تلوار ماری جس کی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ اب یزید کے سپاہی بڑھے اور ولید کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ واقعہ ۱۷۹ھ ۷۹۵ء میں انبار سے کچھ فرسخ کے فاصلہ پر ہوا۔ اس کے بعد یزید نے ولید کا سر فتح کی خوشخبری کے ساتھ ہارون الرشید کو بھیج دیا۔

۱۸۰ھ ۷۹۶ء میں شام میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی اور وہاں کے باشندے خلاف ہو گئے۔ ہارون نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جعفر برمکی کو مقرر کیا۔ جعفر چند مشہور سپہ سالاروں اور فوج کو لے کر شام گیا۔ بغاوت فرو کی۔ اہل فتنہ کو قتل کیا اور وہاں مکمل طور پر امن وامان بحال کر کے واپس آیا۔

جعفر کے اس کارنامے سے ہارون الرشید کے دل میں اس کی قدر ومنزلت اور بھی بڑھ گئی۔ جعفر نے ہارون الرشید کے سامنے ایک فصیح وبلیغ تقریر کی۔ جس میں اہل شام سے نرمی کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کی سفارش پر ہارون الرشید نے انہیں معاف کر دیا اور باغیوں سے پوچھ گچھ نہ کی۔

صفحات ماقبل میں ہم نے اس خطرے کا ذکر کیا تھا جو دولت عباسیہ کو مغرب کی طرف سے

اندلس اور بلاد مغرب کے خلافت عباسیہ سے قطع تعلق کر لینے سے پیدا ہوا تھا۔ اب ہم اس خطرے کا ذکر کرتے ہیں جو حکومت کے بعض عمال کی بے راہ روی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ خراسان کی بغاوت کا ہے۔

خراسان کی بغاوت کا علم رافع بن لیث بن نصر بن سیار نے بلند کیا تھا۔ اس علاقہ کا حاکم علی بن عیسیٰ تھا جو بہت جابر شخص تھا اور جس نے لوگوں پر ظلم وستم ڈھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اس کے مظالم اور سختیوں سے تنگ آکر خراسان کے ایک شخص رافع نے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ علی بن عیسیٰ نے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا لیکن رافع نے اسے شکست دی اور عیسیٰ میدان جنگ میں مارا گیا۔ علی بن عیسیٰ نے ہارون الرشید کو خط لکھا کہ رافع کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر روانہ کیجئے۔ ہارون کو اپنے اس عامل کے ان مظالم کی رپورٹ پہنچ چکی تھی جو اس نے اپنی رعایا پر توڑے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے اپنے مشہور سپہ سالار ہرثمہ کو علی کی جگہ خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا جس نے جا کر علی بن عیسیٰ کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں اس نے رافع کی طرف اپنی توجہ مبذول کی لیکن وہ اس کے قابو میں نہ آسکا۔ آخر اس کے استیصال کے لئے خود ہارون الرشید کو خراسان جانا پڑا۔ اسی بغاوت کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

رومیوں سے بھی ہارون کی برابر چپقلش رہتی تھی۔ کیونکہ وہ مسلسل عہد شکنی کرتے رہتے تھے۔ آخر ہارون نے پے در پے چڑھائیاں کر کے انہیں حد درجہ کمزور کر دیا اور بالآخر رومی سلطنت کو ہارون کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

رومیوں کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں بھی ایک علیحدہ باب میں بحث کی جائے گی۔

زوال برامکہ

مورخین اسلام نے زوال برامکہ کے اسباب وعلل معلوم کرنے میں بہت کاوش سے کام لیا ہے اور وہ عوامل معلوم کرنے کی کوشش کی ہے جن کی بنا پر ہارون الرشید نے اس عظیم المرتبت خاندان کو خاک میں ملا دیا۔

سعید بن سالم سے کسی نے زوال برامکہ کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا:

"بعض لوگ برامکہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ہارون الرشید کے خلاف خفیہ خفیہ بغاوت کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن یہ بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کو مسند اقتدار پر متمکن ہوئے بہت عرصہ ہو چکا تھا اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جو شخص بھی زیادہ عرصے تک صاحب اقتدار رہتا ہے لوگ اس سے اکتا جاتے ہیں۔ برامکہ پر ہی یہ بات موقوف نہیں بلکہ ان سے بدر جہا بہتر لوگوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جو ان سے ہوا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے سے بہتر زمانہ اور کونسا ہوگا جو عدل وانصاف امن وامان فتوحات اور کثرت اموال کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہی تھا، لیکن چونکہ ان کی حکومت کو ایک لمبا عرصہ گزر گیا تھا، اس لئے لوگوں نے آخر کار ان کو شہید کر دیا۔

ہارون الرشید نے دیکھا کہ سلطنت کا ہر شخص برامکہ کی تعریف کے گیت گاتا ہے اپنی ہر خواہش انہی کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنی حاجت روائی کے لئے انہیں کے دروازے پر پہنچتا ہے تو اسے سخت حسد پیدا ہوا کیونکہ مطلق العنان بادشاہ کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے وزراء اتنی زیادہ قدر ومنزلت حاصل کرلیں، جس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ بادشاہ سے ہٹ کر ان کے وزیروں اور امیروں کی طرف مبذول ہو جائے۔ برامکہ میں اور خصوصاً جعفر اور فضل میں اس وجہ سے کچھ غرور اور تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ البتہ یحییٰ ان باتوں سے پاک تھا وہ بہت جہاں دیدہ، عاقل اور صائب الرائے شخص تھا، وہ بادشاہوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے وزیر شان وشوکت میں ان سے بھی آگے نکل جائیں۔ آخر یہی ہوا۔ بعض حاسدوں نے ہارون الرشید سے برامکہ کی جھوٹی سچی شکایتیں کرنی شروع کر دیں۔ وہ پہلے ہی ان کی کارروائیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اسے فوراً ان شکایتوں پر یقین آ گیا۔ اور اس نے پوری قوت سے برامکہ کو تباہ کر دیا۔

جس روز ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا اس نے یحییٰ سے کہہ دیا تھا کہ میں آپ کو

وزارت کا عہدہ سپرد کرتا ہوں۔ آپ جو چاہیں کریں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات ہارون نے اس وقت کہی تھی، جب وہ بالکل نوجوان تھا اور امور مملکت کے متعلق اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ ملکی سیاست کے جھمیلوں اور حکومت کے بکھیڑوں میں وہ قطعاً نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے یہ بات بدر جہا پر کشش تھی، کہ وہ خلافت کی ظاہری شان وشوکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیش وآرام کی زندگی گزارے اور مہمات مملکت اور ملک کے نظم ونسق کا سارا کام اپنے وزراء کے سپرد کردے۔

وقت گزرتا چلا گیا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہارون میں پختگی اور شعور پیدا ہوتا چلا گیا۔ آخر جب وہ خلافت کے نشے سے ہوش میں آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی حیثیت نمائشی خلیفہ سے زیادہ نہیں۔ ملکی نظم ونسق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مملکت کا سارا انتظام برامکہ نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں کوئی انہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں۔

ہارون اس صورت حال سے بڑا متاثر ہوا۔ برامکہ کے حاسدین کی بھی ملک میں کمی نہ تھی۔ انہوں نے موقعہ بموقعہ ہارون کو برامکہ کی طرف سے بدظن کرنا شروع کیا۔ وہ یہ کہہ کر ہارون کو بھڑکاتے تھے کہ برامکہ کی وجہ سے آپ کی کوئی حیثیت ملک میں باقی نہیں رہی اور کسی چیز پر آپ کا اختیار نہیں رہا۔ اس کے دل میں پہلے ہی یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ یہی بات حاسدوں کی زبان سے بھی سن کر اس کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر اپنے آپ سے کہا کرتا تھا:

''کیا میں بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میں خلیفہ نہیں ہوں''؟

ہارون جب بھی اپنے محل کی کھڑکی سے برامکہ کے محلات کی طرف دیکھتا تھا تو ان کے دروازوں پر لوگوں کا جمگھٹا نظر آتا تھا۔ جو اپنی حاجتیں پوری کرانے یا انعام واکرام حاصل کرنے کی غرض سے ہاں آئے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اعیان مملکت بھی ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے تھے، یہ دیکھ کر ہارون کے دل میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ اس وقت بے اختیار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی تھی، کہ کاش وہ اپنی وسیع وعریض مملکت کا بلا شرکت غیرے مالک ہوتا۔

مورخین تحقیق وتدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ استبدادی اور شخصی بادشاہتوں میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے، کہ بادشاہ یہ چاہتے ہیں، کہ ساری شوکت، ہر طرح کی عزت اور پوری طاقت انہیں کے ہاتھوں میں رہے، اس وجہ سے وہ اپنے وزیروں اور امیروں کو زیادہ اختیارات دینا پسند نہیں کرتے، مبادہ ایسا ہو کہ وہ طاقت حاصل کر کے اس پر حاوی ہو جائیں۔ وزراء اور امور مملکت

میں بادشاہ کی مدد کرنے والے جو ترقی کرتے کرتے بام عروج پر پہنچ جاتے ہیں اور بادشاہوں کی اس خصلت سے واقف نہیں ہوتے، وہ بھی چاہتے ہیں کہ برابر ترقی کرتے چلے جائیں۔ لیکن زمانہ کسی پر بھی یکساں مہربان نہیں رہتا۔ جب وہ ترقی کرتے کرتے ایک منزل پر پہنچتے ہیں تو حاسدوں کا ایک گروہ جو اس بات پر جلتا بھنتا رہتا ہے کہ ہمیں یہ مرتبہ کیوں نصیب نہیں وہ اس تاک میں رہتا ہے کہ کب کوئی موقع ملے اور کب وہ بادشاہ سے ان کی جھوٹی سچی شکایت کرکے اور بادشاہ کو ان کی طرف سے بدگمان کرکے بام عروج سے قصر مذلت میں پھینک دے اور خود ان کی جگہ مسلط ہو جائے۔ چنانچہ جونہی اس قسم کے لوگوں کو ایسا ذرا سا بھی موقع میسر آتا ہے۔ وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بادشاہ چونکہ ہمیشہ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی شخص ان پر مسلط نہ ہو جائے یا اتنی طاقت حاصل نہ کرلے جو ان کے زوال کا باعث ہو۔ اس لئے وہ آسانی سے ان حاسدین کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ بدگمانیاں پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہوتی ہیں اور وہی چھوٹے چھوٹے عیوب بعد میں بڑے بڑے گناہ بن جاتے ہیں، معمولی تو ہمات آگے چل کر بڑے بھیانک خطرات کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور بادشاہ اس بات کے درپے ہو جاتا ہے کہ جس طرح بھی ہو اس خاندان کا اس طرح نام ونشان مٹا دے کہ دوبارہ اس میں پنپنے کی طاقت نہ رہے۔ وہ اس کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے اور اس کے لئے بدترین ظلم وستم کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ یہ بات ہارون الرشید اور برامکہ ہی سے خاص نہیں تھی۔ بلکہ مستبد بادشاہ اپنے وزراء اور مددگاروں کے ساتھ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہے۔ بیشک چند وزراء ایسے بھی ہوتے ہیں جو بادشاہوں کی اس طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں، اس لئے وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ کہ کہیں بادشاہ بدگمان ہو کر ان کو قتل نہ کر ڈالے لیکن ایسے دور اندیش وزراء وامراء کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ برامکہ اپنی شان وشوکت کی نمائش بہت کرتے تھے، ان کے پاس بے حد مال وزر تھا۔ ان کے عظیم الشان محلات خلیفہ کے محلات کا مقابلہ کرتے تھے ان کی مجلس میں وہی رعب وجلال ہوتا تھا، جو خلیفہ کے دربار میں ہوتا تھا۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ ان کی اس شان وشوکت کو دیکھ کر ہارون کا دل متغیر ہو گیا ہو۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہارون نے اپنے ایک رشتہ دار کو بلایا اور باتوں باتوں میں اس سے کہنے لگا۔

”میں نے اپنی اولاد کو غربت کی حالت میں رکھا اور برامکہ کو بے شمار مال ودولت سے نوازا۔ اس

Marfat.com

کا نتیجہ میرے سامنے ہے۔ اس کھڑکی میں کھڑے ہو جاؤ اور ان کے محلات کی طرف نظر اٹھا کر لوگوں کے اس اژدھام کو دیکھو جو ان کے دروازوں پر کھڑا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے“۔

اس شخص نے نرمی سے جواب دیا:

”آپ امیر المومنین ہیں۔ برامکہ محض آپ کے خادم ہیں اور جو کچھ ان کا ہے وہ درحقیقت سب آپ کا ہے، اس لئے آپ کو کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے“۔

جعفر کو بھی اس گفتگو کا حال معلوم ہو گیا۔ وہ ہارون کے پاس آیا اور کہنے لگا:

”امیر المومنین! جو محل میں نے بنایا ہے وہ آپ ہی کا ہے، میں نے اسے مامون کے لئے بنوایا تھا اور میری وفات کے بعد وہی اس کا مالک ہوگا“۔

یہ سن کر ہارون کا غصہ فرو ہو گیا اور جعفر اپنے محل کی طرف واپس چلا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ برامکہ کے زوال کا سبب کوئی فوری حادثہ نہیں بلکہ حادثہ اسباب کی ایک لمبی کڑی سے مربوط ہے۔

عباسیوں کے موالیوں میں سے ایک شخص فضل بن ربیع تھا۔ فضل کو ہارون کی خلافت کے اوائل میں سلطنت کا کوئی قابل ذکر عہدہ نہ مل سکا کیونکہ ہارون کی والدہ ملکہ خیزران نے اس کو سلطنت کا کوئی بھی منصب سپرد کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ۱۷۲ھ ۷۸۹ء میں جس دن خیزران کی وفات ہوئی اسی دن ہارون نے فضل کو بلا کر حکم دیا کہ وہ جعفر سے خاتم وزارت لے لے۔ اس زمانہ میں جس شخص کو بادشاہ کی طرف سے انگوٹھی مرحمت کی جاتی تھی اس کا مطلب یہ ہوتا تھا، کہ اسے سلطنت کا کوئی عہدہ تفویض کیا گیا ہے، فضل نے اسماعیل بن صبیح کاتب سے کہا کہ میری شان اس سے بہت بلند ہے کہ میں جعفر کو لکھ کر اس سے مہر لوں بلکہ اسے خود چاہیے کہ وہ مہر میرے حوالے کر دے۔

فضل برامکہ کا شدید دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ انہیں جو اختیارات حاصل ہیں وہ سارے اسے مل جائیں۔ اس لئے اس نے در پردہ ہارون کو برامکہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔

۱۷۶ھ ۷۹۳ء میں یحییٰ بن عبداللہ کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ فضل بن یحییٰ برمکی نے اس کو بہلا پھسلا کر اور ہارون سے امان لے کر اطاعت خلیفہ پر راضی کر لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر بغداد آیا وہاں اول اول تو ہارون نے اس کی بہت عزت کی لیکن زمانہ سدا ایک جیسا نہیں رہتا، چغل خوروں نے خلیفہ کے پاس جا جا کر مختلف قسم کی تہمتیں اور الزام اس پر لگانے شروع کئے کہ یحییٰ اپنی خلافت چاہتا ہے، اور اس کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں ہے، ان چغل خوروں میں سب سے پیش پیش بکار بن عبداللہ زبیدی تھا جو آل علی کا شدید دشمن تھا۔ ہارون چونکہ بہت ہی شکی واقع ہوا تھا۔

Marfat.com

اس نے یقین کر لیا کہ واقعی یحییٰ اس کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مشغول ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے یحییٰ کے لئے جو آسانیاں مہیا تھیں۔ انہیں چھین لیا گیا، پھر اسے قید کر کے اس پر سختی شروع کر دی گئی۔ کچھ دن بعد ہارون نے ارادہ کیا کہ اسے قتل کرا دے لیکن چونکہ اس نے اس کو امان دے رکھی تھی۔ اس لئے اس کے لئے یہ بہت مشکل تھا کہ علی الاعلان امان کو توڑ کر اسے قتل کرا دے کیونکہ لوگوں پر اس کا بہت برا اثر پڑتا تھا۔ اس نے علماء وفقہاء سے اس قسم کے فتویٰ لینے چاہے کہ جو امان اس نے یحییٰ کو دی تھی لغو ہے اور اب وہ مستوجب قتل ہے، امام ابو یوسفؒ نے ایسا فتویٰ دینے سے انکار کر دیا البتہ ابوالبختری نے فتویٰ دے دیا کہ امان منسوخ ہے اور ساتھ ہی اس کی چند وجوہات بھی لکھ دیں، جس سے خوش ہو کر ہارون نے اس کو قاضی القضاۃ بنا دیا اور امان منسوخ کر دی۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو فضل بن ربیع یحییٰ بن عبداللہ کے خلاف شکایات کا محرک تھا اور اسی کی انگیخت پر چغل خور خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایتیں کیا کرتے تھے۔ اس طرح فضل بن یحییٰ برمکی اور اس کے خاندان کو ذلیل کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ اس نے ہی یحییٰ کو مطیع کیا تھا اور ہارون سے اس کی جان بخشی کی درخواست کی تھی۔ فضل چاہتا تھا کہ برامکہ کا بالکل استیصال کر دے اور ان کی مسند پر خود قبضہ کرے۔ اس بات کا ثبوت کہ فضل بن ربیع ہی چغل خوروں کے ذریعے سے یحییٰ کے خلاف ہارون کو بھڑکاتا تھا، اس بات سے ملتا ہے کہ ایک دن جبکہ ہارون الرشید یحییٰ سے جھگڑ رہا تھا تو یحییٰ نے فضل کی طرف دیکھا اور کہا:۔

- ”خدا کی قسم! یہ ساری آفت تیری ہی ڈھائی ہوئی ہے“۔

برامکہ کوشش کرتے تھے کہ یحییٰ کو چھڑا لیں چنانچہ جعفر نے جس کی تحویل میں خلیفہ نے یحییٰ کو رکھا ہوا تھا۔ ایک روز چپکے سے اسے آزاد کر دیا۔

ابو محمد یزیدی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو ان واقعات کا سب سے زیادہ علم تھا کہتا ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ کی رہائی بھی جعفر بن یحییٰ کے قتل کی ایک وجہ بنی۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ہارون نے یحییٰ کو جعفر کے سپرد کیا تھا۔ اس نے اس کو قید کر دیا۔ ایک رات جعفر نے یحییٰ کو اپنے پاس بلایا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ یحییٰ نے کہا:

”تجھے میرے معاملہ میں خدا سے ڈرنا چاہئے۔ میں بے گناہ ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو اس طرح محمد رسول اللہ صلعم کو اپنا دشمن نہ بنا لے۔ میں نے کبھی کسی گناہ یا بری بات کا ارتکاب نہیں

کیا۔ اور نہ ہی کسی گناہ گار اور بدعتی کو پناہ دی ہے"۔

جعفر پر اس کی باتوں کا بہت اثر ہوا اور اس نے اس سے کہا کہ تم جہاں چاہو چلے جاؤ میں تمہیں ہرگز نہیں روکوں گا۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ میں کیسے جا سکتا ہوں اگر آج بھاگ بھی گیا تو مجھے پناہ کون دے گا۔ چند دن کے بعد پکڑ لیا جاؤں گا۔ اور دوبارہ قید کر لیا جاؤں گا۔

جعفر نے چند آدمیوں کو اس کے ساتھ کر دیا جو اسے کسی پناہ کی جگہ میں پہنچا آئے۔

فضل بن ربیع کو یہ خبر پہنچ گئی۔ اس نے اپنی ایک لونڈی کو مقرر کیا کہ وہ پتہ لگائے کہ خبر سچ ہے یا غلط۔ لونڈی نے پتہ لا کر دیا کہ خبر سچ ہے اور جعفر نے یحییٰ کو چھوڑ دیا ہے۔

اس پر فضل فوراً ہارون الرشید کی خدمت میں پہنچا اور اس کو ساری بات بتا دی۔ ہارون الرشید کو بڑا غصہ آیا مگر اس نے اپنے غصے کو فضل پر ظاہر نہ ہونے دیا اور لاپروائی سے اس سے کہنے لگا:

"تمہیں اس سے کیا۔ تمہیں کیا پتہ کہ جعفر نے اس کو میرے ہی حکم سے چھوڑا ہو" فضل شرمندہ ہو کر منہ لٹکائے ہوئے چلا گیا۔ ادھر ہارون نے جعفر کو کھانے پر بلایا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ آخر میں اس سے یحییٰ بن عبداللہ کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے۔ جعفر نے جواب دیا کہ وہ بدستور میری قید میں ہے۔ ہارون نے کہا "ذرا قسم تو کھاؤ"۔ جب ہارون نے یہ فقرہ کہا تو جعفر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ بڑا نظر شناس آدمی تھا۔ فوراً تاڑ گیا کہ ہارون کو اس معاملے کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اس نے کہا:

"امیر المومنین! سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا"۔

ہارون نے اپنے ارادے کو اس پر ظاہر ہونے نہ دیا اور کہنے لگا کہ "تم نے بہت اچھا کیا جو اس کو رہا کر دیا، خود میرا بھی یہی ارادہ تھا"۔

تھوڑی دیر کے بعد جعفر نے جانے کی اجازت مانگی اور جانے لگا۔ ہارون اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ جب وہ دور چلا گیا تو دانت پیس کر کہنے لگا۔

"خدا مجھے کبھی نیک کام کی توفیق نہ دے اگر میں نے تجھے قتل نہ کرا دیا۔

چنانچہ چند دن بعد ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا۔

ہارون کو اگرچہ جعفر کے متعلق اور بہت سی بدگمانیاں تھیں لیکن اس کے وہم میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ جعفر ایسا کام بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ یحییٰ کی رہائی اس کی مملکت کے لئے اور اس کے

جانشین کے لئے سخت خطرے کا باعث تھی۔

اس واقعے میں عجیب بات یہ ہے کہ جب فضل بن ربیع کو یہ پتہ چلا کہ جعفر نے یہ حرکت کی ہے تو اس نے اپنی ایک خاص الخاص کنیز کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ پتہ چلائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ فضل بن ربیع کس طرح جعفر کے حالات کی ٹوہ میں رہتا تھا۔

وزراء کی سب سے بڑی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ اس واقعہ سے چغل خوروں نے بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا کہ برامکہ آپ کے وفادار اور خیر خواہ نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ بات ہارون الرشید کے دل میں بیٹھ گئی۔ چغل خوروں اور حاسدوں نے بادشاہ سے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ برامکہ عباسیوں کی مصلحتوں سے زیادہ علویین کی مصلحتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ تہمت مہدی کے زمانے میں لوگوں پر زندیقیت کی تہمت لگانے سے بھی زیادہ سخت تھی۔ زندیقیت کی تہمت فضل کے والد ربیع بن یونس نے ابو عبداللہ کے خلاف (جو مہدی کا وزیر تھا) استعمال کی تھی۔ یہی تہمت لگا کر اس نے اس کے بیٹے کو قتل کروا دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ اب ہارون الرشید کے دل میں برامکہ کی طرف سے بدگمانیاں بڑھتی چلی گئیں اور اس کی طرف سے ان کے خلاف نفرت کا برملا اظہار ہونے لگا۔

بختیشوع طبیب نے واقعہ بیان کیا ہے کہ اس کا باپ جبریل ایک دن ہارون الرشید کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک یحییٰ بن خالد آ گیا۔ یحییٰ ہارون الرشید کے پاس بغیر اجازت چلا آتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ بغیر اجازت ہی چلا آیا اور خلیفہ کے قریب آ کر اس کو سلام کیا، ہارون نے بہت آہستہ سے سلام کا جواب دیا۔ یحییٰ فوراً سمجھ گیا کہ معاملہ بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے پھر ہارون جبریل کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

”جبریل! کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے مکان میں بیٹھے ہو اور کوئی شخص بغیر اجازت تمہارے پاس چلا آئے“۔

جبریل نے جواب دیا:

”امیرالمومنین! میں تو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص میرے پاس بغیر اجازت چلا آئے۔ میں کیا کوئی بھی ہی پسند نہیں کرے گا“۔

ہارون نے کہا:

"پھر پتہ نہیں لوگ ہمارے پاس بغیر اجازت کیوں چلے آتے ہیں"؟
یحییٰ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔
"امیر المومنین! یہ پہلی بار نہیں ہے کہ آپ کے پاس بغیر اجازت چلا آیا ہوں بلکہ شروع ہی سے امیر المومنین نے مجھے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اب اگر آپ پسند نہیں کرتے تو آئندہ میں اجازت لے کر آیا کروں گا"۔
ہارون نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا اور کہنے لگا:
"میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہیں یہ کہوں کہ آئندہ اجازت لے کر آیا کرو لیکن لوگ ایسا کہتے ہیں اور میں نے وہی بات دھرا دی ہے"۔
سلیمان بن جعفر کا غلام، محمد بن فضل بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ یحییٰ بن خالد ہارون کے پاس آیا۔ اس کے آنے پر دو خادم کھڑے ہو گئے۔ اس پر ہارون نے مسرور خادم کو کہا کہ ان دونوں خادموں کو کہہ دو کہ یحییٰ کے آنے پر کھڑے نہ ہوا کریں۔ چنانچہ جب یحییٰ دوبارہ دربار میں آیا تو وہ کھڑا نہ ہوئے۔ یحییٰ بھی یہ بات سمجھ گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔
بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ یحییٰ دربار میں پانی مانگتا تھا تو کوئی خادم اس کی بات پر کان بھی نہ دھرتا تھا اور اگر پانی ملتا بھی تھا تو کئی مرتبہ کہنے کے بعد۔
یعقوب بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ ابراہیم بن مہدی، جعفر کے پاس اس محل میں جو اس نے کثیر لاگت سے تیار کرایا تھا، گیا۔ جعفر اس سے کہنے لگا: "مجھے منصور بن زیاد پر بے حد تعجب آتا ہے میں نے اس سے پوچھا: "کیا تمہیں اس محل میں کوئی نقص نظر آتا ہے"؟ اس نے کہا: "اس میں عیب یہ ہے کہ ایک تو اس محل میں اینٹ نہیں ہے اور دوسرے صنوبر کا درخت نہیں ہے"۔ ابراہیم کہنے لگا: "یہ تو اس کی بے وقوفی ہے۔ ہاں مجھے ایک عیب نظر آتا ہے وہ یہ کہ آپ نے محل بنانے پر دو کروڑ درہم خرچ کیے ہیں، لوگ امیر المومنین کو جا کر بھڑکائیں گے کہ جعفر نے سلطنت کے خزانے میں دراز دستی شروع کر دی ہے۔ اس نے اپنے محل بنانے پر دو کروڑ درہم خرچ کیے ہیں اور انعام اور بخشش اس کے علاوہ، جن کا کچھ شمار نہیں، چنانچہ امیر المومنین پر اس شکایت کا ضرور اثر ہوگا"۔
جعفر بھی یہ بات سمجھ گیا اور اس نے بعض لوگوں کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ ہارون کے دربار میں اگر اس کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ اس کو آ کر بتا دیں۔
گو برامکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ خلیفہ کا دل ان کی طرف سے پھر چکا ہے اور وہ ان کی طرف

سے بدظن ہو گیا ہے تاہم کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس بدظنی کا انجام اس قدر الم ناک ہو گا۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح نفرت اور شک وشبہات کے بیج جانبین کے دلوں میں نشو ونما پا رہے تھے۔ آخر ہوتے ہوتے ایسا وقت بھی آ گیا کہ ہارون نے پوری طاقت سے برامکہ کی حیثیت خاک میں ملا ڈالنے کا ارادہ کر لیا، لیکن وہ اس خاندان کو تباہ کرنے اور جعفر کو قتل کرانے کے لئے کسی مناسب موقعہ کی تلاش میں تھا۔ ادھر یحییٰ بن عبداللہ کی رہائی کے واقعے کی وجہ سے اس کے دل میں جعفر کے خلاف نفرت کی آگ سلگ رہی تھی اور فضل بن ربیع جا و بے جا شکایتیں کر کے اس آگ کو ہوا دے رہا تھا۔ ادھر ہارون کی بیوی زبیدہ کی مخالفت نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا۔

زبیدہ جعفر سے بہت نفرت کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہارون اس کے بیٹے امین کو ولی عہد بنائے۔ لیکن جعفر اس کے سوتیلے بیٹے مامون کے حق میں تھا اور اس نے ہارون کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ امین کے بعد مامون کی ولی عہدی کا فرمان لکھ دے گا۔ زبیدہ کو خطرہ تھا کہ ہارون کی وفات کے بعد، جعفر کہیں امین اور مامون کی لڑائی کا باعث نہ بنے۔ ان سب باتوں نے مل ملا کر برامکہ کے خلاف فضا تیار کر دی۔

جعفر کا قتل

ہارون الرشید ۱۸۶ھ=۸۰۲ء میں حج کے لئے مکہ معظمہ گیا اور اوائل ۱۸۷ھ ۸۰۳ء میں وہاں سے واپس لوٹا۔ واپسی پر وہ انبار میں ٹھہرا۔ (یہ مقام اسے بہت پسند تھا اور اسی لئے یہاں اس نے ایک عالیشان محل بھی بنوایا تھا)۔ اس کے ساتھ باقی لوگوں نے بھی یہیں ڈیرے ڈال دیئے۔

محل میں خلیفہ اکیلا ہی مقیم تھا۔ اس کے دونوں بیٹے امین اور مامون دوسری جگہوں پر فروکش تھے۔ امین کے ساتھ فضل بن یحییٰ تھا اور مامون کے ساتھ جعفر، یحییٰ بن خالد امور مملکت کی دیکھ بھال کے لئے بغداد چلا گیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد فضل بھی بغداد میں اپنے والد کے پاس آ گیا کیونکہ اسے عیش وعشرت کی زندگی سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔

ایک عرصے تک قافلے کے لوگ انبار میں عیش وعشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ دن سیر و شکار میں گزارتے تھے اور راتیں ہنسی مذاق اور آرام میں۔ البتہ عیش و آرام کے ساتھ ساتھ سب کو ایک بے چینی بھی لاحق تھی وہ یہ کہ خلیفہ سب لوگوں سے الگ تھلک محل میں مقیم تھا۔ نہ وہ کسی مجلس میں بیٹھتا تھا اور نہ کسی کو اپنے حضور میں طلب کرتا تھا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ عنقریب کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ضرور رونما ہونے والا ہے۔

لشکر میں خلیفہ کے اس طرز عمل کے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ہر کوئی اپنا اپنا خیال ظاہر کرتا تھا لیکن اصل بات کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔ جعفر ہر روز صبح کو سلطنت کے امور کی انجام دہی اور اطراف سے آئی ہوئی ڈاک پیش کرنے کے لئے خلیفہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ خلیفہ سے اس کی اس پراسرار علیحدگی کے متعلق ہمیشہ پوچھتا تھا لیکن خلیفہ ٹال جاتا تھا۔ البتہ جب وہ اپنا کام سرانجام دے کر محل سے باہر آتا تھا، تو بہت شاداں وفرحاں ہوتا تھا۔ کیونکہ خلیفہ اس سے بہت مہربانی اور لطف وعنایت سے پیش آتا تھا۔

ایک روز صبح سویرے جعفر کے پاس خلیفہ کا حکم پہنچا کہ اس کے ایک کاتب 'اناس' کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس کام میں قطعاً تاخیر نہ کی جائے۔ یہ حکم سن کر جعفر کی گھبراہٹ اور بے چینی کی انتہا نہ رہی۔ وہ فوراً خلیفہ کے پاس محل میں گیا۔ خلیفہ اس سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اس نے اسی حالت اضطراب میں دریافت کیا "کیا اناس کے قتل کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور آپ ہی کی طرف سے دیا گیا"؟

خلیفہ نے جواب دیا:

Marfat.com

''ہاں وہ حکم صحیح ہے اور میری طرف سے دیا گیا ہے''۔

جعفر نے پوچھا:

''لیکن امیر المومنین! اس کا قصور کیا ہے''؟

خلیفہ نے جواب دیا:

''وہ زندیق اور کافر ہے''۔

جعفر نے کہا:

''امیر المومنین! تو کیا مجھ پر حضور کی مہربانیاں اور عنایات سب ختم ہو گئیں''؟

خلیفہ نے جواب دیا:

''یہ کیا سوال ہے؟ انا اس زندیق ہے۔ میری تم سے محبت اور مہربانی کا اس سے کیا تعلق''؟

خلیفہ نے اسی وقت جعفر کو بیش قرار انعام دینے کا حکم دیا اور جعفر واپس چلا آیا۔

اس حادثے کو چند روز گزر گئے۔ جعفر پر برابر خلیفہ کی نوازشات اور انعامات کی بارش ہوتی رہی۔ لیکن جعفر جیسا عقلمند اور جہاندیدہ شخص خوب سمجھتا تھا کہ یہ نوازشات اور انعامات خالی از علت نہیں۔

محرم کے آخری دن کی بات ہے۔ جعفر خلیفہ کے ساتھ شکار کو گیا۔ شام کو تھکا ماندہ واپس آیا۔ واپس آنے پر اس نے دیکھا کہ اس کے بعض ساتھی اور دوست محل میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے عیش و نشاط کی مجلس جمانے کا حکم دیا۔ اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا۔

ادھر ہارون الرشید اپنے محل میں اکیلا تھا۔ اس کے چہرے پر فکر مندی کے اثرات ہویدا تھے۔ وہ اپنے کمرے میں کبھی ادھر سے ادھر ٹہلنے لگتا اور کبھی کھڑکی میں کھڑا ہو جاتا۔ کھڑکی میں کھڑے ہو کر کبھی زمین کی طرف دیکھنے لگتا، کبھی آسمان کی طرف اپنی نظریں گاڑ دیتا۔ آخر اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ فجر کے قریب وہ ایک عزم صمیم کر چکا تھا۔ اس نے اپنے دربان مسرور کو آواز دی۔ وہ آیا اور خلیفہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

''مسرور! کیا تو اپنے میں اتنی طاقت پاتا ہے کہ امیر المومنین تجھے جو بھی حکم دیں وہ بلا چون و چرا بجا لائے''؟

مسرور نے جواب دیا:

''اگر امیر المومنین مجھے حکم دیں کہ میں اپنا سر کاٹ کر ان کے آگے پھینک دوں تو میں ایسا کرنے کے لئے بھی تیار ہوں''۔

خلیفہ نے کہا:

''ہاں مجھے تجھ سے یہی امید ہے۔تو جعفر کے پاس جا اور اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے حاضر کر''۔

مسرور نے خلیفہ کا یہ حکم قبول تو کر لیا، لیکن وہ حیرت اور دہشت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ خلیفہ کے سامنے کھڑا رہا۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا، تو اس کی تیوری پر غصے کی وجہ سے بل پڑ گئے اور اس نے کہا:۔

''جو شخص میرے احکام کی بجا آوری میں دیر کرے گا، وہ اسی وقت قتل کر دیا جائے گا''۔

اب مسرور کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ جعفر کی قیام گاہ پر آیا اور اس سے کہا کہ امیر المومنین انہیں طلب فرماتے ہیں۔ جعفر نے اپنے دوستوں سے معذرت طلب کی، اور مسرور کے ساتھ باہر نکلا لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اس نے دیکھا کہ مسرور اس کی مشکیں کس رہا ہے۔ جب جعفر کو یہ معلوم ہوا، کہ مسرور خلیفہ کے حکم سے ایسا کر رہا ہے، تو اس کے چہرے پر دہشت اور خوف کے اثرات نمودار ہوئے، لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پا کر مسرور سے کہا:۔

''مسرور! تم مجھ سے ہنسی کر رہے ہو۔ یقیناً امیر المومنین نے بھی مذاق ہی کیا ہے''۔

مسرور نے کہا:۔

''اگر میں مذاق کر رہا ہوں تو خدا مجھے معاف کرے۔ میں نے امیر المومنین کو آج کی رات سے زیادہ سنجیدہ کبھی نہیں دیکھا''۔

جعفر نے کہا:۔

''تب انہوں نے نبیذ کے نشے میں ایسا حکم دے دیا ہوگا''۔

مسرور نے جواب دیا ''نبیذ تو کئی روز سے امیر المومنین نے چکھی تک نہیں''۔

جعفر نے عالم بے چارگی میں کہا:۔

''اے مسرور! یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے''۔

جب مسرور نے اپنی بات پر اصرار کیا، تو جعفر زمین پر گر پڑا اور رونے لگا۔ اس نے مسرور سے کہا:۔

''مسرور! میں تجھ پر کتنا مہربان تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے''؟

مسرور نے جواب دیا۔

''اللہ ہی اصل حقیقت جانتا ہے''۔

جعفر نے کہا:۔

''میں ان مہربانیوں اور نوازشات کا، جو میں نے تجھ پر کیں، واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو مجھے امیر المومنین کے حضور لے چل۔ مجھے یقین ہے، کہ جب وہ مجھے دیکھیں گے، تو میری جان بخشی کر دیں گے''۔

مسرور نے جواب دیا:۔

''یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ بادشاہ آپ کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا''۔

جعفر نے کہا:۔

''اگر اور کچھ نہیں، تو کم از کم مجھ پر اتنی مہربانی تو کرو کہ امیر المومنین کے پاس جاؤ، اور ان سے کہو کہ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ وہ ضرور تم پر ناراض ہوں گے، اور کہیں گے کہ میں نے ایسا حکم ہرگز نہیں دیا۔ اس صورت میں میری جان بخشی ہو سکے گی۔ لیکن اگر امیر المومنین نے اپنے پہلے حکم پر ہی اصرار کیا، تو پھر تم بے شک ان کے حکم کی تعمیل کر دینا''۔

مسرور نے یہ بات مان لی اور جعفر کو یک کوٹھڑی میں بند کر کے خلیفہ کے پاس آیا۔ جب ہارون الرشید نے اسے دیکھا تو قبل اس کے کہ مسرور اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالتا، اس نے کہا:۔

''اے خائن! جعفر کا سر کہاں ہے''؟

مسرور نے جلدی سے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! محل ہی میں ہے''۔

خلیفہ نے کہا:۔

''میں جعفر کا سر یہاں، اپنے سامنے، دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ یاد رکھ، جعفر کی جگہ تیرا سر تن سے جدا کر دیا جائیگا''۔

مسرور یہ سن کر جعفر کے پاس آیا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے تمام ماجرے کی اس کو خبر دی اس پر جعفر نے خاموشی کے ساتھ جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر باندھ لیا، اور مسرور سے کہا:۔

''جو تجھے حکم دیا گیا ہے وہ بجالا''۔

مسرور نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر جعفر کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

جب خلیفہ کی نظر جعفر کے سر پر پڑی تو وہ خاموشی اور رنج کے ملے جلے جذبات سے مغلوب

ہو کر چلا اٹھا۔ پھر وہ مسرور کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

"اے جلاد! میرے پاس سے دور ہو۔ تو مجھے ڈراتا ہے"؟

مسرور چلا گیا اور خلیفہ، جعفر کے سر کے ساتھ کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ وہ دیر تک اسے دیکھتا رہا آخر بے قابو ہو کر رونے لگا۔

اسی رات اس نے بغداد، رقہ اور ملک کے تمام علاقوں میں قاصد روانہ کر دیئے۔ ہر قاصد کے پاس علاقے کے حاکم کے نام ایک پروانہ تھا۔ جس میں برامکہ، ان کے ساتھیوں اور مددگاروں کو گرفتار کرنے اور ان کی تمام املاک ضبط کرنے کا حکم درج تھا۔ چنانچہ اس حکم پر بہت شدت سے عمل کیا گیا۔ برامکہ کے کل مال واسباب، نقدی اور جاگیروں کی ضبطی سے تین کروڑ چھ لاکھ چھہتر ہزار درہم وصول ہوئے۔ منجملہ اس کے ایک کروڑ بیس لاکھ درہم کی رقم صرف خراج کی آمدنی تھی، جو برامکہ کی جاگیروں سے وصول ہو کر داخل خزانہ ہوئی تھی۔

یحییٰ اور اس کے بیٹوں (فضل اور محمد) کو سوائے موسیٰ بن یحییٰ کے قید کر لیا گیا۔ انہیں 'دیر قائم' میں رکھا گیا اور ان کی حفاظت کے لئے پہرے دار مقرر کر دیئے گئے۔ شروع میں انہیں قید میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا تھیں۔ ان کے بیشتر خادم اور لونڈیاں ان کی خدمت کے لئے ان کے پاس ہی رہنے دی گئی تھیں لیکن بعد میں ہارون نے یہ سہولتیں چھین لیں اور انہیں قید بامشقت میں ڈال کر ہر قسم کی سختیاں ان پر کرنے لگا۔

فخری، جعفر کے قتل کی تفصیل اس طرح بیان کرتا تھا:

"ہارون ۱۸۶ھ/۸۰۲ء میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ واپسی میں اس نے جعفر کے ساتھ حیرہ سے انبار تک کشتی میں سفر کیا۔ انبار میں عیش وعشرت کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ روزانہ جعفر کو ہارون کی طرف سے تحفے تحائف موصول ہوتے تھے۔ محرم کے اواخر میں ایک دن شام کو ہارون نے اپنے خادم مسرور کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ جائے اور جعفر کا سر کاٹ کر اس کے سامنے حاضر کرے۔ چنانچہ وہ گیا۔ جعفر کے ہاں راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی تھی۔ مسرور بغیر اجازت جعفر کے پاس چلا گیا۔ اس وقت ابوزکار یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

فلا تبعد فکل فتی سیأتی

علیه الموت یطرق اویغادی

"تو بے پرواہ ہو، ہر جوان کو موت آئے گی، رات کو آئے یا صبح کو۔"

جب جعفر نے مسرور کو دیکھا، تو اس نے کہا:۔

''مسرور! تمہارے آنے سے خوشی ہوئی لیکن بلا اجازت چلے آنے کا افسوس ہے''۔

مسرور نے کہا:

''میں جس کام کے لئے آیا ہوں، وہ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس ہے۔ امیر المومنین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔۔ آپ تیار ہو جایئے۔''

یہ سن کر جعفر، مسرور کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا:

''امیر المومنین نے نبیذ کی ترنگ میں مذاقاً حکم دے دیا ہوگا۔ تم لوٹ جاؤ''۔

لیکن مسرور نے اپنی بات پر اصرار کیا۔ اس پر جعفر نے اس سے التجا کی کہ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ میں گھر میں جا کر جو وصیت کرنا ہے کر آؤں۔ لیکن مسرور نے یہ درخواست نامنظور کر دی اور کہا: ''جو وصیت کرنی ہے یہیں کر لیجئے یہاں سے کہیں جانے کی اجازت نہیں مل سکتی''۔

''چنانچہ جعفر نے وہیں وصیت کی اور اس کے ساتھ ہارون کے محل میں آیا۔ وہاں جا کر مسرور اسے ایک خیمے میں لے گیا اور اس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد وہ ایک ڈھال میں اس کا سر لے کر، اور ایک چمڑے میں اس کا باقی جسم ڈال کر، خلیفہ کے پاس لے آیا۔ ہارون نے اس کے والد، بھائیوں، رشتے داروں اور ساتھوں کو رقہ میں قید کر دیا اور ان کا تمام مال واسباب ضبط کر لیا''۔

مسعودیؒ نے مروج الذہب میں اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی ہے:۔

''جعفر کو وزیر بنے ایک مدت گزر گئی تھی، اس کا باپ اور اس کے بھائی، مملکت پر پورے طور پر حاوی ہو گئے تھے۔ زبیدہ، ہارون کی نہایت ہی محبوب بیوی تھی۔ ہارون اس کے کہنے کو کسی صورت میں بھی ٹالتا نہیں تھا۔ وہ برابر ہارون کو جعفر کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ آخر جب ہارون نے اس کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا تو اس نے اپنے خاص الخاص خادم یاسر کو بلایا، اور اس سے کہا:۔

''یاسر! جس کام کے لئے میں نے تجھے اس وقت طلب کیا ہے میرے نزدیک اس کے انجام دینے کی قابلیت نہ محمد (امین) میں ہے نہ عبداللہ (مامون) میں اور نہ قاسم (موتمن) میں۔ اچھی طرح یاد رکھ، میں جو حکم دیتا ہوں، اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کرو، ورنہ تیرے مرتبے اور اعزاز میں فرق آ جائے گا''۔

یاسر نے جواب دیا:۔

''امیر المومنین! اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں تلوار اپنے سینے میں پشت سے پار کر دوں تو میں

یہ بھی کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے جو حکم دینا چاہتے ہیں دیجئے۔ میں انشاء اللہ فوراً اس کی تعمیل کروں گا۔

ہارون الرشید نے کہا:۔

''کیا تو جعفر بن خالد برمکی کو جانتا ہے''؟

یاسر نے جواب دیا:۔

''جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ ایسا کون ہے جو اسے نہ جانتا ہو''۔

ہارون الرشید نے کہا:۔

''اچھا اسی وقت جا اور جس حالت میں بھی جعفر تجھے ملے، اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے حاضر کر''۔

یہ سن کر یاسر پر گویا بجلی گر پڑی۔ وہ حیران، پریشان خاموش کھڑا رہا۔

ہارون الرشید نے کہا:

''تجھے معلوم نہیں کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کا کیا نتیجہ ہوگا''؟

یاسر نے جواب دیا:

''امیر المومنین! یقیناً مجھے پتہ ہے۔ لیکن یہ سخت مشکل کام ہے۔ میں اس کام کی بہ نسبت مر جانا بہتر سمجھتا ہوں''۔

ہارون الرشید نے غصے میں کہا ''تجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔ اب اگر کوئی عذر کیا تو تیرا سر قلم کر دیا جائے گا''۔

مجبوراً یاسر ارکان سلطنت اور فوجی سپاہیوں کے ایک دستے کو لے کر جعفر کی رہائش گاہ کی طرف چلا۔ جعفر کے ہاں محفل جمی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر یاسر نے جعفر سے کہا: ''مجھے امیر المومنین نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے''۔

جعفر نے کہا:۔

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ انہوں نے نبیذ کی ترنگ میں مذاقاً ایسا حکم دیا ہوگا۔ یہ ان کا اصلی حکم نہیں ہے۔

یاسر نے جواب دیا:۔

''آپ کا خیال غلط ہے۔ نہ امیر المومنین نے مذاق میں ایسا حکم دیا ہے، نہ نبیذ کی ترنگ میں۔ انہوں نے کئی روز سے نبیذ کی شکل تک نہیں دیکھی''۔

اب جعفر نے التجا آمیز لہجہ میں یاسر سے کہا:۔

""تجھ پر میرے ان گنت حقوق ہیں۔ جن کا تو نے آج تک کبھی بدلہ نہیں اتارا۔ ان احسانات کا بدلہ اتارنے کا یہی وقت ہے"۔

یاسر نے جواب دیا:۔

""میں ضرور اپنا بدلہ اتار دیتا۔ لیکن امیر المومنین کا حکم کسی طرح ٹال نہیں سکتا"۔

جعفر نے کہا:

""تب یوں کرو کہ اس وقت واپس جاؤ اگر صبح کو امیر المومنین کو پشیمان پاؤ تو کہہ دینا کہ جعفر زندہ ہے اور اگر وہ اپنے حکم پر قائم رہیں، تب مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ رات بھر کی اس مہلت کا صلہ میں تمہیں اس قدر دوں گا، جس کا حساب نہیں"۔

یاسر نے جواب دیا:۔

""یہ تو ناممکن ہے"۔

جعفر نے کہا:۔

""اگر تمہارے لئے ایسا کرنا ناممکن ہے تو میرے قتل میں تھوڑا سا توقف اور کرو اور مجھے ایسی جگہ لے چلو جہاں سے میں امیر المومنین کا حکم اپنے کانوں سے سن سکوں۔ اگر تمہارا عذر کام نہ آیا اور انہوں نے میرے قتل پر ہی اصرار کیا، تو پھر تم بے شک ان کے حکم کی تعمیل کر دینا"۔

یاسر نے یہ بات مان لی اور جعفر کو لے کر ہارون الرشید کے محل میں آیا۔ جعفر کو باہر ہی چھوڑا اور خود اندر کمرے میں جا کر خلیفہ سے کہا:۔

""امیر المومنین! میں جعفر کا سر لے آیا ہوں"۔

خلیفہ نے کہا:۔

""اسی وقت حاضر کرو ورنہ میں تجھے قتل کرا دوں گا"۔

یاسر باہر نکلا اور جعفر سے کہا:۔

""اب آپ نے خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سن لیا""؟

جعفر نے کہا:

""ہاں۔ اب تم بے شک اپنا کام سر انجام دو"۔

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا رومال نکالا اور اپنی آنکھوں پر باندھ لیا۔ یاسر نے

تلوار چلائی اور اس کا سر تن سے جدا کر کے ہارون کے پاس لے آیا۔ جب ہارون نے جعفر کا سر اپنے سامنے دیکھا تو اپنی گردن اس پر جھکا لی اور اس کے گناہوں کا ذکر کرنے لگا۔ اس کے بعد یاسر سے کہا کہ فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ۔ جب یاسر ان لوگوں کو لے کر آیا تو ہارون نے ان سے کہا کہ یاسر کی گردن اڑا دو۔ کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ جعفر کے قاتل کو اپنے سامنے زندہ دیکھوں۔

جعفر کی شان وشوکت

علامہ فخری اپنی کتاب "آداب السطانیہ والذول الاسلامیہ" میں زوال برامکہ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اپنے زمانہ اقتدار میں جعفر اور فضل نے بے حد شان وشوکت، بے پناہ اقتدار اور خود مختاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ بادشاہ کبھی یہ نہیں چاہتے کہ ان کے وزیروں، امیروں کی طرف سے اس قدر شان وشوکت، اقتدار اور خود مختاری کا مظاہرہ ہو کہ اس کے سامنے ان کی اپنی شان وشوکت اور اقتدار بھی ماند پڑ جائے۔ اسی لئے ہارون الرشید کا غیض وغضب برامکہ پر نازل ہوا۔

جہاں تک فضل کی شان وشوکت اور خود مختاری کا سوال ہے یہ محض اتہام ہے۔ البتہ جعفر کی شان وشوکت، بے پناہ اقتدار اور خود مختاری کے متعلق کتب سیر وتاریخ میں لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے یہاں صرف دو واقعات درج کرتے ہیں، جن سے جعفر کی اس خصلت کا پتہ چلانے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ علامہ فخری کا یہ تجربہ بالکل درست ہے کہ یہ شان وشکوہ خلیفہ کی برامکہ سے ناراضی اور بالآخر ان کی تباہی اور ان کا مال واسباب ضبط کئے جانے کا موجب بنی، کیونکہ اس کے عہد میں کوئی شخص خواہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہوتا اور اس کا غلبہ واقتدار کتنا ہی کیوں نہ ہوتا اس کو اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنی دولت وثروت کا مظاہرہ اس شان وشکوہ سے کرتے جیسا جعفر نے کیا۔

جعفر نے ایک روز راگ رنگ کی محفل کا انتظام کیا۔ اس کے تمام ندیم اور ہم جلیس دستور کے مطابق سرخ، زرد اور سبز کپڑے پہن کر بیٹھ گئے۔ جعفر نے اپنے دربان کو حکم دے دیا کہ اس کے ایک ندیم عبدالملک بن صالح کے علاوہ، جو کسی وجہ سے اس وقت تک نہ پہنچا تھا، کسی دوسرے شخص کو محل میں داخل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد شراب کا دور چلنے لگا اور کنیزوں نے گانا بجانا شروع کر دیا۔

ان دنوں بغداد میں بنو ہاشم کا ایک بہت معزز شخص رہتا تھا جس کا نام بھی عبدالملک بن صالح تھا۔ وہ بہت متقی، پرہیز گار اور باوقار انسان تھا۔ ہارون رشید نے ایک مرتبہ اس سے درخواست کی تھی کہ وہ بھی اس کے ندیموں میں شامل ہو کر اس کی مجالس میں شریک ہوا کرے، اس غرض کے لئے اس نے اس کو کثیر انعام واکرام سے بھی نوازا تھا۔ لیکن اس نے ایسا کرنا منظور نہ کیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس روز یہی عبدالملک بن صالح اپنی بعض ضرورتیں لے کر جعفر سے ملنے آیا۔ جب دروازے پر پہنچا تو دربان نے خیال کیا کہ یہ وہی عبدالملک بن صالح ہے، جس کے متعلق جعفر نے حکم دیا تھا کہ اسے اندر آجانے دیا جائے۔ چنانچہ اس نے عبدالملک کو اندر جانے کی

اجازت دے دی۔

جب عبدالملک بن صالح عباسی، جعفر کی مجلس میں پہنچا اور جعفر نے اسے دیکھا، تو حیا اور شرم کی وجہ سے وہ پانی پانی ہو گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ نام کے اشتراک کی وجہ سے دربان کو دھوکا ہو گیا، اور اس نے عبدالملک عباسی کو اس کا ندیم سمجھ کر اندر آنے کی اجازت دیدی، حالانکہ اس جیسے پرہیز گار اور متقی انسان کا ایسے وقت میں اس کے پاس آنا جبکہ شراب اور راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی ہو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

محفل کا یہ رنگ دیکھ کر اور جعفر کے شرم آلود چہرے پر نظر کر کے، عبدالملک جیسے سنجیدہ انسان نے فوراً اپنی حالت بدل لی اور مسکرا کر کہنے لگا:

''کوئی حرج نہیں، ہمارے لئے بھی اس محفل کے مناسب کوئی سبز رنگ کا کپڑا لایا جائے تا کہ ہم اسے پہن کر محفل میں شامل ہو سکیں''۔

چنانچہ فوراً کپڑا لایا گیا جو اس نے پہن لیا۔ مجلس کا لباس پہن کر وہ جعفر کے ساتھ بیٹھ گیا اور کہا: ''ہمیں بھی پلاؤ''۔ چنانچہ اس کے آگے بھی جام رکھ دیا گیا۔ تھوڑی سی پی کر اس نے جام رکھ دیا اور کہا: ''ہمیں اس کی عادت نہیں''۔ اس کے بعد وہ کھل کر باقی ندیموں کی طرح باتیں کرنے لگا۔ یہ ماجرا دیکھ کر جعفر کے چہرے پر رونق آ گئی اور شرمندگی کا اثر جاتا رہا۔ وہ بہت خوش ہوا اور عبدالملک سے کہا:

''آپ کیسے تشریف لائے''؟

عبدالملک نے کہا:

''میں اپنی تین ضرورتیں لے کر آپ کے پاس آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ ان کے متعلق امیر المومنین سے عرض کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھ پر دس لاکھ درہم قرضہ ہے اور مجھے اس کی ادائیگی کی بڑی فکر ہے۔ یہ قرضہ شاہی خزانے سے ادا کر دیا جائے۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ میں اپنے بیٹے کے لئے کسی علاقے کی ولایت چاہتا ہوں جو اس کے شایان شان ہو۔ امیر المومنین اس کو کہیں کا والی بنا کر بھیج دیں۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ امیر المومنین میرے لڑکے کو اپنی فرزندی میں لینا قبول فرمائیں اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دیں''۔

جعفر نے جواب دیا:

''خدا تعالیٰ نے آپ کی یہ تینوں خواہشات پوری کر دیں۔ مال تو ابھی آپ کے گھر پہنچا دیا

جائے گا۔ ولایت کے متعلق یہ عرض ہے کہ میں نے آپ کے بیٹے کو مصر کا والی بنا دیا۔ رہی شادی تو امیر المومنین کو اپنی بیٹی کی شادی آپ کے لڑکے کے ساتھ منظور ہے"۔

جعفر کی زبان سے یہ امید افزا جواب سن کر عبدالملک خوش خوش اپنے گھر چلا گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا جس رقم کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ پہنچ چکی ہے۔

جعفر کے ندیم جو اس وقت حاضر تھے۔ جعفر کی اس جرأت پر متعجب ہوئے کہ خلیفہ کے خاص الخاص اندرونی اور گھریلو معاملات کے متعلق بھی اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ لیکن اس وقت تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اگلے روز دیکھا کہ جعفر دربار میں گیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا اور اس وقت تک دربار سے باہر نہ نکلا جب تک ہارون نے عبدالملک کے بیٹے کو مصر کی حکومت کا پروانہ نہ دے دیا اور قاضی کو بلا کر اپنی بیٹی کا اس کے بیٹے سے نکاح نہ پڑھوا دیا۔

ہارون الرشید کے حضور میں جعفر کی اتنی جرأت اور دلیری کے واقعات پڑھ کر، آج بھی انسان حیرت اور تعجب کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یقین نہیں آتا کہ ایسے واقعات رونما ہوئے ہونگے۔ لیکن تاریخ بہرحال ان کی تائید کرتی ہے۔ جعفر کا مرتبہ اور مقام ہارون الرشید کے نزدیک اتنا بلند تھا کہ اس کے زمانے میں اور کوئی شخص اس حد تک نہیں پہنچ سکا۔ ہارون الرشید کو جعفر سے اس کی ظرافت، بذلہ سنجی، ادب، حسن خلق اور حسن بیان کی وجہ سے اتنی محبت تھی جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

جعفر اخلاق کی بلندی، وسیع القلبی اور نازک اور اعلیٰ جذبات کے لحاظ سے فرد یگانہ تھا۔ ذیل میں جو قصہ درج کیا جا رہا ہے اس سے اس کی سیرت کا یہ پہلو بھی نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔

جعفر اور والی مصر کے درمیان عداوت اور رنجش تھی جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے کھنچتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جعفر کی طرف سے والی مصر کو ایک جعلی خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ حامل رقعہ ھذا ہمارے خاص آدمیوں میں سے ہے اور اپنی خاص ضرورت سے آپ کے پاس آ رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کی ہر ممکن مدد کریں گے اور اس کی ساری ضروریات پوری کر دیں گے۔ جو سلوک آپ اس کے ساتھ کریں گے اس کا احسان مجھ پر ہو گا۔

یہ خط لے کر وہ شخص مصر پہنچ گیا۔ اور والی مصر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب والی مصر نے وہ خط پڑھا تو اسے سخت تعجب ہوا کہ جعفر کس طرح اسے ایسا خط لکھ سکتا ہے۔ اس کے دل میں شک گزرا کہ کہیں یہ خط جعلی نہ ہو۔ وہ خط لانے والے سے تو بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور اس کی

رہائش کا بڑا اچھا انتظام کرا دیا لیکن بغداد میں اپنے ایک خاص آدمی کو لکھا کہ "ہمارے پاس ایک شخص جو اپنے آپ کو جعفر کا آدمی بیان کرتا ہے ایک خط لایا ہے جو اس خط کے ساتھ ہی بھیجا جا رہا ہے۔ مجھے شک ہے کہ کہیں یہ خط جعلی نہ ہو۔ میں حقیقت حال جاننا چاہتا ہوں۔ تم مجھے تحقیق کر کے جواب دو کہ آیا یہ خط واقعی جعفر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے"۔

جب بغداد میں والی مصر کے آدمی کے پاس یہ خط پہنچا تو وہ اسے لے کر جعفر کے کاتب کے پاس گیا اور اسے سارا قصہ سنا کر وہ خط دکھایا۔ کاتب وہ خط لے کر جعفر کے حضور میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا سنایا۔ جب جعفر نے وہ خط دیکھا تو ایک ہی نظر میں بھانپ گیا کہ خط جعلی ہے۔ اس کے پاس کئی امراء و اعیان سلطنت بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے خط ان کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا:

"کیا یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے"؟

سب کو جعفر کی طرز تحریر کا علم تھا۔ ہر ایک نے انکار کیا اور کہا کہ یہ خط سراسر جعلی ہے۔

جعفر نے انہیں سارا قصہ سنایا اور کہا "خط گھڑنے والا والی مصر کے پاس موجود ہے اور والی مصر صحیح صورت حال سے آگاہ ہونے کے لئے جواب کا منتظر ہے۔ اب بتاؤ میں اسے کیا جواب دوں اور اس آدمی کے ساتھ کیا سلوک کروں"؟

اس پر ایک مصاحب کہنے لگا:

"اس آدمی کو قتل کر دینا چاہیے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کام کرنے کی جرأت نہ ہو سکے"۔

دوسرا بولا:

"مناسب یہ ہے کہ اس کا داہنا ہاتھ، جس سے اس نے یہ خط لکھا ہے کاٹ ڈالا جائے"۔

تیسرے نے یہ رائے دی کہ اسے سخت سزا دی جائے۔

چوتھے نے بڑی نرمی سے کام لیتے ہوئے یہ کہا:

"اس آدمی کی سزا یہ ہے کہ جو مقصد یہ شخص حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اس سے محروم کر دیا جائے اور تمام حال والی مصر کو لکھ دیا جائے تاکہ وہ اسے ناکام واپس لوٹا دے۔

جب سب اپنی اپنی کہہ چکے تو جعفر بولا:

"سبحان اللہ! کیا تم سب کے سب عقل سے بالکل ہی کورے ہو؟ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ میرے اور والی مصر کے درمیان کتنی عداوت اور بیگانگت ہے؟ ہم دونوں میں سے ہر ایک کی عزت نفس اسے اس بات سے روکتی ہے کہ وہ صلح کا دروازہ کھولے۔ خدا تعالیٰ نے ہم دونوں کے درمیان

Marfat.com

صلح صفائی کرانے، خط و کتابت کا دروازہ کھولنے اور عداوت کو دور کرنے کے لئے اس آدمی کو مقرر کیا ہے۔ کیا ایسے شخص کا یہی بدلہ ہے جو تم نے تجویز کیا ہے"؟

یہ کہہ کر جعفر نے ہاتھ میں قلم پکڑا اور والی مصر کے خط کی پشت پر لکھ دیا:

"سبحان اللہ! آپ کو میرے مرسلہ خط کے بارے میں کسی طرح شک گزار۔ کہ وہ جعلی ہے؟ یقیناً وہ خط میری ہی طرف سے تھا اور وہ آدمی جو یہ خط آپ کے پاس لے کر گیا تھا میرا خاص آدمی ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ آپ اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آئیں گے اور اسے جلدی میرے پاس واپس بھیج دیں گے کیونکہ مجھے اس کی جدائی گوارا نہیں"۔

جب جعفر کا یہ خط والی مصر کے پاس پہنچا تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس شخص سے پہلے سے بھی زیادہ تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور اسے بہت سا مال اور کئی نادر تحفے دے کر بغداد روانہ کر دیا۔

جب یہ شخص مال و اسباب اور تحفے تحائف سے لدا پھندا بغداد پہنچا تو سیدھا جعفر کے پاس آیا اور اس کے پاؤں پر گر کر رونے لگا۔ جعفر نے حیرت سے پوچھا:

"تم کون ہو"؟

اس نے جواب دیا:

"میں آپ کا غلام ہوں اور وہی شخص ہوں جو آپ کی طرف سے جعلی خط گھڑ کر والی مصر کے پاس لے گیا تھا"۔

جعفر نے پوچھا:

"والی مصر نے تمہیں کتنی رقم دی"؟

اس نے جواب دیا:

"حضور! ایک لاکھ درہم"۔

جعفر نے کہا:

"اچھا ہم اس رقم میں اتنی رقم کا اضافہ کر دیتے ہیں"۔

چنانچہ اس نے جعفر کے ہاں سے بھی ایک لاکھ درہم پائے اور اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا۔

Marfat.com

برامکہ پر مظالم

ہارون الرشید کی خلافت سے لے کر جعفر کے قتل تک کا عرصہ، سترہ سال سات ماہ پندرہ دن بنتا ہے۔ یہ آل برامکہ کے عروج کا زمانہ تھا۔ لیکن جعفر کے قتل کے بعد اس تمام خاندان پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اس پر اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

جعفر کے قتل کے بعد، ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹوں فضل اور موسیٰ اور دیگر افراد خاندان کو گرفتار کر کے، قید خانے میں ڈلوا دیا تھا۔ البتہ ان کے نوکروں کو انہی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ قید میں بھی ان پر سختی نہ کی جاتی تھی۔ لیکن کچھ عرصے بعد یہ تمام آسانیاں چھین لی گئیں اور دوسرے عام قیدیوں کی طرح ان پر بھی سختیاں کی جانے لگیں۔ اس کا سبب بعض مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ ہارون الرشید کا یہ خیال تھا کہ برامکہ کے پاس ابھی تک وافر مال ہے جو انہوں نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ اس نے چاہا کہ یہ مال حاصل کر لے۔ لیکن جب برامکہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ انہوں نے ہرگز کوئی مال نہیں چھپایا۔ اس پر ہارون الرشید نے حکم دے دیا کہ برامکہ سے راحت و آرام کے تمام اسباب چھین کر، ان کی قید کو بامشقت کر دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ قید کی سختیوں کو برداشت نہ کر سکیں گے اور چھپائے ہوئے مال کا پتہ بتا دیں گے۔

خلیل بن ہیثم جسے ہارون الرشید نے قید خانے میں یحییٰ اور فضل کی نگرانی پر مامور کیا تھا کہتا ہے:۔

"میرے پاس خلیفہ کا خاص خادم مسرور آیا۔ اس کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے۔ ان میں سے ایک شخص کے پاس ایک لپٹا ہوا رومال تھا۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ خلیفہ نے ان لوگوں پر کچھ مہربانی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ مسرور نے آ کر مجھ سے کہا:

"فضل بن یحییٰ کو حاضر کرو"۔

جب فضل آیا تو مسرور نے اس سے کہا:

امیر المومنین نے میرے ہاتھ تمہیں یہ پیغام بھیجا ہے "میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم اپنا سارا مال و اسباب میرے حوالے کر دو میرا خیال تھا کہ تم نے میرے اس حکم کی تعمیل کر دی ہے لیکن معلوم ہوا ہے کہ ابھی تک تم نے کچھ مال چھپا رکھا ہے۔ میں اب مسرور کو بھیجتا ہوں۔ میں نے اسے حکم دے دیا ہے کہ اگر تم نے اپنے باقی مال کا پتہ نہ بتایا، تو تمہیں سو کوڑے لگائے جائیں"۔

فضل نے جواب دیا "مسرور! خدا کی قسم میں نے اپنا تمام مال امیر المومنین کے حوالے کر دیا ہے"۔

مسرور نے کہا:

"اے ابوالعباس! میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اپنی جان پر اپنے مال کو ترجیح نہ دو۔ لیکن اگر تم نے مال کا پتہ نہ بتایا تو پھر مجھے مجبوراً وہ ناگوار فرض بجالانا پڑے گا، جس کا مجھے خلیفہ کی بارگاہ سے حکم دیا گیا ہے"۔

یہ سن کر فضل نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگا:

"اے ابوہاشم! (کنیت مسرور) میں نے امیر المومنین سے ہرگز جھوٹ نہیں بولا۔ اگر ساری دنیا میرے قبضے میں ہوتی اور مجھ سے کہا جاتا کہ یا تو میں ایک کوڑا کھا کر دنیا کو اپنے قبضے میں رکھوں، یا کوڑا نہ کھاؤں اور دنیا کو چھوڑ دوں، تو میں دنیا کے تمام مال و منال چھوڑ دینے کو ترجیح دیتا۔ امیر المومنین بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ ہم ہمیشہ اپنی دولت کے بجائے اپنی عزت بچاتے رہے ہیں۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی جانوں کے بدلے اپنے اموال بچائیں۔ البتہ اگر مجھے کوڑے ہی مارنے ہیں تو جو تمہارا جی چاہے کرو"۔

مسرور نے فضل کی باتیں سن کر رومال لانے کا حکم دیا۔ جب وہ رومال لایا گیا اور اسے کھولا گیا تو اس کے اندر سے کوڑے نکلے۔ اس نے اپنے ساتھ آئے ہوئے غلاموں کو حکم دیا کہ پوری شدت سے یہ کوڑے فضل کے جسم پر برساؤ۔ چنانچہ غلاموں نے بے دردی سے فضل کو کوڑے مارنے شروع کیے یہاں تک کہ وہ درد کی شدت سے بیہوش ہو کر گر پڑا۔

جب مسرور چلا گیا تو میں (خلیل بن ہیثم نگران قید خانہ) نے ایک شخص سے جس کا نام ابو یحییٰ تھا کہا کہ ایک آدمی جو پہلے قید خانے میں ہوتا تھا وہ کوڑے کے زخموں کے علاج کا بڑا ماہر ہے تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ آیا وہ فضل کا علاج کر دے گا؟ چنانچہ ابو یحییٰ اس شخص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ فضل بن یحییٰ کا علاج کر دے گا۔ اسے کوڑوں کی سزا دی گئی ہے۔

اس نے بڑی خوشی سے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ چنانچہ ابو یحییٰ اسے لے کر قید خانے میں آیا، اس نے بڑی توجہ سے فضل کا علاج کیا جس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

ٹھیک ہونے کے بعد فضل نے ابو یحییٰ سے کہا "مجھے دس ہزار درہم کی ضرورت ہے تم 'سنانی' کے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر اس سے اتنی رقم قرض لے آؤ"۔

چنانچہ ابو یحییٰ فضل کا رقعہ لے کر سنانی کے پاس آیا۔ اس نے فوراً دس ہزار درہم گن دیئے۔ وہ یہ رقم لے کر فضل کے پاس پہنچا۔ فضل نے اس سے کہا:

''اے ابو یحییٰ! تم یہ رقم لے کر اس آدمی کے پاس جاؤ جس نے میرا علاج کیا تھا۔ اس سے معذرت کرنا اور درخواست کرنا کہ ''وہ یہ حقیر رقم میری طرف سے قبول کر لے''۔

ابو یحییٰ اس شخص کے پاس گیا۔ وہ بڑا مفلس اور قلاش تھا۔ چٹائی پر سوتا تھا۔ اس کے گھر کا سامان بھی بہت معمولی تھا۔ ابو یحییٰ کو دیکھ کر اس نے کہا:

''ابو یحییٰ! اب کے میرے پاس کیوں آئے ہو''؟

ابو یحییٰ نے فضل کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے دس ہزار درہم کی رقم اس کی خدمت میں پیش کی اور کہا ''چونکہ قید میں ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہی تنگ دست ہے اس لئے اس نے یہ حقیر رقم آپ کی خدمت میں بھیجی ہے''۔

جراح نے حیرت سے ابو یحییٰ کی طرف دیکھا اور کہا:

''دس ہزار درہم''۔

ابو یحییٰ! ''ہاں یہ درہم اپنے علاج کے معاوضے میں فضل نے تمہیں بھجوائے ہیں''۔

جراح ''مگر میں تو ان میں سے ایک درہم بھی لینے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے معاوضے کے لالچ میں فضل کا علاج نہیں کیا''۔

ابو یحییٰ نے بہت کوشش کی کہ وہ یہ رقم لے لے لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر ابو یحییٰ نے فضل کے پاس جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ فضل نے کہا ''شاید اس نے یہ رقم اس وجہ سے نہیں لی کہ وہ اسے اپنے علاج کا صحیح معاوضہ نہیں سمجھتا ہوگا۔ تم سنانی کے پاس دوبارہ جاؤ اور اس سے دس ہزار درہم کی اور درخواست کرو۔ اگر وہ دے دے تو بیس ہزار درہم کی رقم جراح کے پاس لے جاؤ امید ہے وہ اسے قبول کر لے گا''۔

''ابو یحییٰ پھر سنانی کے پاس گیا اور مزید دس ہزار درہم لے کر جراح کے پاس پہنچا لیکن اس نے ایک حبہ بھی لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ''اگر ان بیس ہزار درہم کی جگہ بیس ہزار دینار بھی ہوتے تب بھی میں انہیں قبول نہ کرتا''۔

مجبور ہو کر ابو یحییٰ فضل کے پاس پہنچا اور جو بیتا تھا کہہ سنایا۔ فضل نے اس سے پوچھا:

تمہارے نزدیک ہمارے زمانہ اقتدار میں ہمارا سب سے شاندار کارنامہ کونسا ہے''؟

ابو یحییٰ نے کوئی واقعہ اسے سنایا۔ اس پر فضل نے کہا:

''اسے چھوڑو۔ خدا کی قسم! اس جراح نے جو کارنامہ کیا ہے وہ ہمارے زمانہ اقتدار کے سب

بڑے بڑے کارناموں سے بڑھ کر ہے۔

سہل بن ہارون جو برامکہ کا خاص آدمی تھا۔ بیان کرتا ہے کہ ہارون الرشید رقہ میں مقیم تھا۔ میں یحییٰ برمکی کے ہم رکاب تھا۔ یکا یک یحییٰ کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور کہا:

"سہل! یہ کیا ہوا؟ خدا کی قسم! میری حکومت اور عزت جاتی رہی اور میرے اقبال کا زمانہ ختم ہوا"۔

میں نے پوچھا:

"آپ کیا فرماتے ہیں"؟

اس نے کہا:

میں نے ابھی خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھے یہ شعر سنا رہا ہے۔

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا

انیس ولم یسمر بمکة سامر

(میں اب اس درجے کو پہنچ گیا ہوں گویا کبھی حجون سے لے کر صفا تک میرا کوئی دوست ہی نہیں تھا اور گویا مکہ میں کبھی کسی قصہ گو نے مجھ سے کوئی قصہ کہا ہی نہیں)

(یعنی میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہوں)

میں (یحییٰ) نے اس شعر سنانے والے کو فی البدیہہ یہ جواب دیا۔

بنیٰ نحن کنا اھلھا فابادنا

صروف اللیالی والجدود العواثر

(ہاں بے شک ہم وہاں کے رہنے والے تھے، لیکن ہمیں انقلابات زمانہ اور تقدیر نے تباہ و برباد کر دیا)

سہل بن ہارون بیان کرتا ہے "میں چپ ہو رہا لیکن برابر منتظر رہا کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اس واقعے کے تیسرے روز میں یحییٰ کے پاس بیٹھا ہوا لوگوں کی عرضیوں پر حکم لکھ رہا تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور یحییٰ پر گر پڑا، یحییٰ نے اپنا سر اٹھایا اور کہا "کمبخت تجھے کیا ہو گیا ہے"؟

اس نے کہا:

"امیر المومنین نے جعفر کو قتل کرا دیا ہے"۔

یحییٰ نے پوچھا: "کیا واقعی"؟

اس نے جواب دیا "ہاں"

یہ سن کر یحییٰ نے اپنی ہاتھ سے قلم پھینک دیا اور کہا: "قیامت بھی اسی طرح یکا یک آئے گی"۔

جعفر کے قتل کے بعد، جہاں ہارون الرشید نے تمام برامکہ کو قید کرنے اور ان کا مال واسباب اور جاگیریں ضبط کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہاں یہ حکم بھی دیا تھا کہ جعفر کی نعش کے تین ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا بغداد کے پلوں پر لٹکا دیا جائے اور سر علیحدہ جسر اوسط (درمیانی پل) پر آویزاں کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عرصہ دراز تک سر اور نعش کے ٹکڑے بغداد کے پلوں پر لٹکتے رہے اور گزرنے والوں کے لئے عبرت کا سامان بہم پہنچاتے رہے۔

صفر ۱۸۹ھ (جنوری ۸۰۵ء) میں ہارون الرشید نے علی بن عیسیٰ والی خراسان کی سرکوبی کے لئے رے کا سفر کیا۔ ذی الحج کے مہینے میں وہ بغداد واپس آیا۔ جعفر کا سر اس وقت تک بغداد کے پل پر لٹکا ہوا تھا۔ سہل بن ہارون کا بیان ہے کہ جب ہم بغداد کے قریب پہنچے تو جعفر کا سر پل پر دکھائی دیا اس وقت سورج کی سیدھی کرنیں جعفر کے منہ پر پڑ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا سورج جعفر کی پلکوں میں سے نکل رہا ہے۔ اس وقت میں ہارون الرشید کے دائیں جانب تھا اور عبدالملک بن فضل دربان بائیں طرف۔ جب ہارون نے جعفر کا سر دیکھا تو اس کے قریب گیا۔ بکھرے ہوئے بالوں کو جمع کر کے چہرے کو گرد وغبار سے صاف کیا اور آنکھوں کو جو کھلی ہوئی تھیں بند کر دیا۔ عبدالملک بن فضل نے اس وقت خلیفہ کے حضور عرض کیا کہ افسوس جعفر کا گناہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس کو امیر المومنین کا عفو بھی معاف نہ کر سکا۔

ہارون نے جواب دیا "جو شخص حد سے بڑھ جاتا ہے اس کی سزا یہی ہے" پھر حکم دیا کہ جعفر کا سر اور نعش کے بقیہ ٹکڑے جلا دیئے جائیں۔ جس وقت جعفر کا سر جلایا جا رہا تھا تو ہارون یہ کہتا جاتا تھا:

"خدا کی قسم! اگر چہ تیرا اثر زائل ہو گیا ہے لیکن تیرے حالات باقی رہیں گے۔ اگر چہ تیرا رتبہ گھٹ گیا ہے لیکن تیرا ذکر بلند رہے گا"۔

جب یحییٰ اور دیگر آل برامکہ کو قید ہوئے سالوں گزر گئے اور ہارون کو ان پر رحم نہ آیا تو یحییٰ کی بیوی اور جعفر کی والدہ فاطمہ نے یحییٰ کی رہائی کی کوشش کرنی چاہی۔ ہارون الرشید نے فاطمہ کا دودھ پیا تھا اور اسی کی گود میں پلا تھا۔ وہ اپنی رضاعی ماں کی بہت عزت کرتا تھا۔ اکثر معاملات میں اس سے مشورہ لیتا تھا اور اس کے مشوروں کو بہت وقعت دیتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ فاطمہ کو محل میں آنے کی کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ اور وہ جب چاہیں میرے پاس آسکتی ہیں اور جس کی

چاہیں سفارش کر سکتی ہیں جو فوراً قبول کر لی جائے گی۔

ہارون نے برامکہ کے مردوں کو 'حبس زنادقہ' میں اور عورتوں کو 'دارالبانوقہ' میں (بانوقہ ہارون کی بہن کا نام تھا) قید کر رکھا تھا۔ فاطمہ بھی دارالبانوقہ میں تھی۔ اس نے وہاں سے ہارون کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ لیکن اجازت ملنے میں دیر ہو گئی۔ اس پر وہ ننگے پاؤں ننگے سر، ننگے منہ نکل کھڑی ہوئی اور شاہی محل تک آ پہنچی۔ عبدالملک بن فضل دربان ہارون کے پاس آیا اور کہنے لگا ''حضور! امیر المومنین کی دایہ اس حالت میں دروازے پر حاضر ہوئی ہے کہ اگر اسے دشمن بھی دیکھ لیں تو ان کے جگر شق ہو جائیں''۔ ہارون نے گھبرا کر فوراً اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ محل میں داخل ہوئی جب ہارون نے دیکھا کہ ننگے پاؤں اور ننگے سر چلی آ رہی ہے تو وہ ننگے پاؤں اٹھا اور چند قدم آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ اس نے ہارون الرشید سے کہا:

''امیر المومنین! کیا زمانہ ہم پر اسی طرح سختی کیے جائے گا اور آپ کی ناراضی کے باعث لوگ ہم کو یونہی ستائے جائیں گے اور ہم پر ایسی ہی جھوٹی تہمتیں لگائی جائیں گی؟ میں نے تو اس واسطے آپ کو دودھ پلایا تھا اور آپ کی خدمت کی تھی کہ زمانہ اور دشمنوں کے ہاتھوں سے امان ملے گی''۔

ہارون نے پوچھا:

''اے ام رشید! (وہ اسے ام جعفر کی جگہ ام رشید ہی کہتا تھا) کیا ہوا''؟ اس نے جواب دیا:

''مہدی کے بعد یحییٰ کا درجہ ہے۔ وہ آپ کے لئے آپ کے والد کی جگہ ہے۔ جس رتبہ کا وہ شخص ہے اس سے آپ خوب واقف ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس نے آپ کے ساتھ کیسی کیسی مہربانیاں کی ہیں اور خصوصاً ہادی کے مقابلے میں اس نے جو کوشش کی وہ تو ہر شخص کو معلوم ہے''۔

ہارون الرشید نے کہا:

''اے ام رشید! یہ سب ٹھیک ہے، لیکن جو حکم الٰہی تھا وہ جاری ہو چکا ہے اور یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک غضب تھا''۔

فاطمہ نے جواب دیا:

''امیر المومنین! خدا تعالیٰ میں تو بہت قدرت ہے۔ جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ جس کا قصور چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے''۔

ہارون الرشید نے کہا:

''یہ تو سچ ہے کہ خدا تعالیٰ جس کا چاہتا ہے قصور معاف کر دیتا ہے، لیکن یہ قصور ایسا نہیں ہے جس کو خدا معاف کر دے''۔

فاطمہ نے جواب دیا:

''غیب کی خبر تو نبیوں کو بھی نہیں تھی، امیر المومنین کو کیسے معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ یہ قصور معاف نہیں کرے گا''۔

ہارون الرشید نے یہ فقرہ سن کر اپنا سر جھکا لیا پھر یہ شعر پڑھا:

و اذا المنية انشبت اظفارہا

الفيت كل تميمة لا تنفع

(جب موت اپنے ناخن چبھوتی ہے تو پھر کوئی تعویز فائدہ نہیں دیتا)۔

لیکن فاطمہ نے فی البدیہہ یہ جواب دیا:

''امیر المومنین! میں یحییٰ کے حق میں تعویز نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعویٰ ہے، البتہ آپ اسی شاعر کا یہ شعر بھی پڑھیے:

واذا افتقرت الى الذخائر لم تجد

ذخرا يكون كصالح الاعمال

(جب تجھے سرمائے کی ضرورت پیش آئے تو کوئی سرمایہ نیک اعمال سے بڑھ کر نہیں ملے گا)

''خدا تعالیٰ نے بھی مومنوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے غصہ کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں''۔

ہارون نے یہ سن کر دوبارہ اپنا سر تھوڑی دیر کے لئے جھکا لیا پھر یہ شعر پڑھا:

اذا نظرفت نفسي عن الشي لم تكن

اليه بوجه آخر الدهر تقبل

(جب میرا نفس کسی سے منہ موڑ لیتا ہے تو آخر دم تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا)

فاطمہ نے فوراً جواب دیا:

ستقطع فى الدنيا اذا ما قطعتنى

يمينك فانظر اى كف تبدل

(اگر تو مجھ سے قطع تعلق کرلے گا تو ایسا کرنا اپنے ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دینے کے مترادف ہوگا۔ مجھے بتا تو سہی اگر تو نے اپنا داہنا ہاتھ کاٹ کر پھینک دیا تو اس کے بدلے کونسا ہاتھ لے گا)؟

رشید نے کہا "میں اس بات پر راضی ہوں"۔

دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی لیکن ہارون کا دل نہ پسیجا اور وہ یحییٰ کو چھوڑنے پر کسی طرح بھی رضامند نہ ہوا، آخر مجبور ہو کر فاطمہ نے سبز زمرد کا ایک ڈبہ پیش کیا، جس میں سونے کا قفل لگا ہوا تھا۔ ہارون نے اسے کھولا تو اس میں سے اس کے بال اور بچپن کے ٹوٹے ہوئے دانت نکلے، جو مشک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ فاطمہ نے کہا:

"امیر المومنین! میں ان چیزوں کو اپنا شفیع بناتی ہوں اور عاجزانہ التجا کرتی ہوں کہ یحییٰ کو چھوڑ دیجئے"۔

ہارون نے جب ان چیزوں کو دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور وہ رونے لگا، اس کے ساتھ سارے درباری بھی رونے لگے۔ جب رونا دھونا کم ہوا تو ہارون نے تمام چیزوں کو اسی ڈبیا میں بند کر دیا اور کہا:

"آپ نے امانت کا حق خوب ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کیا کہ امانتیں ان کے حقداروں کو لوٹا دو"۔

فاطمہ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ یہ بھی تو حکم دیتا ہے کہ ہم جو بھی فیصلہ کریں وہ عدل وانصاف کے ساتھ کریں اور یہ بھی تو حکم دیتا ہے کہ ہم جو بھی عہد کریں اسے پورا کریں۔

ہارون نے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ ڈبیا کو آپ سے خرید لوں۔ بتلایئے اس کی کیا قیمت آپ کو پیش کروں"۔

فاطمہ نے جواب دیا: "اس کی قیمت یہ ہے کہ ان لوگوں کو رہا کر دیجئے جن پر ناراض ہو کر آپ نے انہیں قید کر رکھا ہے"۔

ہارون نے کہا:

"یہ تو نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے علاوہ اور جو آپ کہیں گی میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا"۔

فاطمہ نے کہا: اس صورت میں یہ ڈبیا میں آپ کو بطور تحفہ پیش کرتی ہوں۔ یہ آپ ہی کو

مبارک رہے''۔

چنانچہ ڈبیا ہارون کے ہاتھ میں چھوڑ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہارون مبہوت رہ گیا اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکل سکا۔ اس کے بعد فاطمہ کبھی ہارون کے پاس نہیں آئی۔

محمد بن عبدالرحمان ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ ''برامکہ کے زوال کے بعد، میں ایک دفعہ عید کے روز اپنی والدہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان سے ایک بوڑھی خاتون بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ میری والدہ نے مجھ سے کہا ''اپنی خالہ کو سلام کرو''۔ میں نے پوچھا ''یہ کون ہیں''؟ انہوں نے کہا ''تم نہیں جانتے؟ یہ جعفر بن یحییٰ کی والدہ ہیں''۔ میں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ مجھے شدید رنج ہوا۔ میں نے انہیں سلام کیا اور کہا:

''اس وقت مجھے آپ کو دیکھ کر انتہائی رنج اور افسوس ہوا''۔

انہوں نے کہا ''بیٹے! دنیا اسی کو کہتے ہیں۔ کبھی وہ بھی زمانہ تھا کہ عید کے دن میرے سرہانے چار سو کنیزیں ہوتی تھی اور ایک یہ عید ہے کہ میرے پاس صرف دو پوستینیں ہیں۔ ایک کو بچھا لیتی ہوں اور ایک کو اوڑھ لیتی ہوں''۔

میں نے ان کی خدمت میں پانچ سو درہم پیش کئے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ اپنی وفات تک ہمارے یہاں آتی رہیں۔

☆☆☆

برامکہ کے ساتھ عموماً اور جعفر کے ساتھ خصوصاً جو کچھ ہوا اس کی وجوہات محض سیاسی تھیں۔ جب خلیفہ نے دیکھا کہ ان کی قوت و شوکت بڑھتی جا رہی ہے اور ان کا نفوذ و اقتدار نہایت تیزی سے مملکت کے ہر شعبے میں پھیلتا جا رہا ہیں تو اسے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کا نتیجہ اس کی خلافت سے علیحدگی یا برامکہ کی جانب سے بغاوت کی صورت میں نہ نکلے۔ پس ہارون کا دل اس خطرے کے پیدا ہوتے ہی برامکہ کے خلاف غیض و غضب سے بھر گیا اور اس نے ان کو مٹا کر ہی دم لیا۔

بعض مورخین نے جعفر کے قتل کا سبب جعفر اور ہارون کی بہن عباسہ کی شادی کو قرار دیا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں قطعاً کوئی حقیقت نہیں۔ یہ قصہ اختراع کرنے والے اس بات کو قطعاً بھول جاتے ہیں کہ ہارون کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں جو خصوصیات ملی تھیں وہ ان پر کس شدت سے کاربند تھا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ ابو مسلم کا دولت عباسیہ کے قیام اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن منصور نے اس کو اس کے جن گناہوں کی پاداش میں قتل کرایا تھا،

ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس نے اپنے لئے منصور کو امینہ بنت علی بن عبداللہ بن عباس کی شادی کا پیغام بھیجا تھا۔ بنو عباس اپنی لڑکیوں کی شادیاں عجمیوں سے کرنا سخت عار سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے ضعف کے زمانے میں بھی، جب کہ آل سلجوق نے ان پر کامل تسلط جمالیا تھا اور خلفاء کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی تھی، وہ اپنے اس دستور کو چھوڑنے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھے۔ ان واقعات کی موجودگی میں ہارون جیسے انسان کے متعلق یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ اپنی بہن عباسہ کی شادی جعفر سے کر دیتا، جو اگرچہ اس کا وزیر تھا لیکن تھا بہر حال عجمی۔

اصل بات یہ ہے کہ ہارون کی طبیعت ملکی معاملات میں وہم بلکہ وسواس کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ ہر چغل خور اور حاسد کی بات نہ صرف سن لیتا تھا بلکہ اس پر یقین بھی کر لیتا تھا۔ اس طرح اس نے اس عظیم الشان خاندان کو، جو اپنے جود و کرم، داد و دہش، ملکی امور کے انتظام اور سلطنت کے ہر حصے کی دشمنوں سے حفاظت کرنے کی وجہ سے عہد ہارونی بلکہ دولت عباسیہ کی زینت اور نور تھا محض حاسدوں کی باتوں میں آن کر تباہ و برباد کر دیا۔

مطلق العنان بادشاہوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اراکین سلطنت کو کبھی بھی امن وچین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم کب بادشاہ کی طرف سے ہماری معزولی اور گرفتاری کا حکم آجائے۔ جب بھی بادشاہ کے پاس ان کے خلاف کوئی شکایت کی جاتی ہے وہ فوراً اس پر یقین کر لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں اپنے ان مخلص خادموں کو شدید ترین سزائیں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اسے اس وقت قطعاً اس بات کا خیال نہیں آتا کہ ان کی سابقہ خدمات کتنی شاندار ہیں اور انہوں نے ملک کے انتظام اور سرحدوں کی حفاظت کی خاطر کتنی شاندار قربانیاں سرانجام دی ہیں۔

یہاں بھی یہی ہوا۔ فضل بن ربیع ان کی تباہی کے درپے تھا۔ وہ بڑا مفسد، بدطینت اور فتنہ پرداز شخص تھا۔ ہارون الرشید کے بعد اس کے دونوں بیٹوں امین اور مامون میں جو نفرت اور دشمنی پیدا ہوئی اور ملک کو جن سخت خوں ریز جنگوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کا واحد سبب بھی یہی شخص تھا۔ اگرچہ برامکہ کے بعد فضل کو وزارت مل گئی، لیکن وہ اس خلا کو کسی طرح بھی پر نہ کر سکا جو برامکہ کی تباہی کے بعد پیدا ہو گیا تھا۔ اور نہ ہی اس میں ان کاموں کے کرنے کی اہلیت تھی جو برامکہ نے سرانجام دیئے تھے۔

بے شک ہارون الرشید برامکہ کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے ساتھیوں اور دوستوں کو سخت سزائیں دینے میں کامیاب ہو گیا، لیکن وہ تاریخ کے صفحات سے ان کا نام اور ان کے عظیم الشان

کارنامے مٹانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ برامکہ قید خانوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ جعفر کا سر مدت دراز تک بغداد کے ایک پل پر لٹکا رہا لیکن برامکہ کے نام اب بھی تاریخ کے صفحات، شعروں کے دواوین اور ادب کی کتابوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

گو وہ کسی حد تک اپنی قوت و شوکت اور خودمختاری کے اظہار میں مقرر حدود سے آگے نکل گئے تھے اور بعض باتیں ان سے ایسی سرزد ہوئی تھی۔ جن کا ملکی سیاست تقاضا نہیں کرتی تھی۔ لیکن ان واقعات کے باوجود ان کی خدمات، ایسی نہیں ہیں جو بھلائی جاسکیں۔ ان کے کارنامے، جو سلطنت کے استحکام کا باعث ہوئے، ایسے نہیں ہیں کہ ان کی طرف سے آنکھیں بند کی جاسکیں۔ اور اپنے زمانے میں علوم وفنون کی ترویج میں انہوں نے جو گرانقدر کوششیں کیں، وہ اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں فراموش کیا جاسکے۔

ہارون الرشید کا رقہ میں قیام

ہارون نے برامکہ کو تباہ کرنے کے بعد فضل بن ربیع کو وزارت سونپ دی تھی اور خود بغداد چھوڑ کر رقہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ مورخین اس انقلاب کا حقیقی سبب معلوم کرنے میں ناکام رہے ہیں، جس نے اسے دارالخلافہ چھوڑ کر ایک دور دراز شہر میں مقیم ہونے پر مجبور کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ ہارون یہ چاہتا تھا کہ اپنی سلطنت کی سرحدوں کے قریب رہے۔ ہو سکتا ہے یہ سبب بھی ہو، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس نقل مکانی کے کچھ اور اسباب بھی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ہارون یہ چاہتا ہو کہ وہ بغداد اور برامکہ کے محلات سے دور رہے اور اس طرح اس پریشانی اور اضطراب سے نجات پا سکے جو بغداد میں رہتے ہوئے ہر وقت برامکہ کا خیال آتے رہنے کی وجہ سے اس کے دل میں موجزن رہتا تھا۔

یہ امر واقعہ ہے، کہ برامکہ کے استیصال کے بعد ہارون کو ایک دن بھی اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ وہ ہر وقت متفکر اور پریشان رہتا تھا۔ کیونکہ اس کی سلطنت کا سارا رنظام برامکہ کی وجہ سے قائم تھا۔ وہ انتہائی اخلاص کے ساتھ سلطنت کے ہر شعبے کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ یہ برامکہ ہی تھے جنہوں نے ہارون کو خلافت دلائی تھی، اور اس کی راہ سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کیا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ہارون کی حیثیت ملک کے دوسرے عباسی امراء سے کسی طرح بہتر نہ ہوتی اور خلافت اس کے بھائی ہادی کے بیٹوں کی طرف منتقل ہو جاتی۔ ہارون بہت ہی رقیق القلب اور حیادار انسان تھا۔ اس نے برامکہ کو تباہ تو کر دیا لیکن وہ انہیں بھول کس طرح سکتا تھا؟ اور ایسے شہر میں کس طرح رہ سکتا تھا۔ جہاں ہر وقت برامکہ کی یاد اسے تڑپاتی رہتی اور ان کی صورتیں اس کی آنکھوں کے آگے گردش کرتی رہتیں۔

برامکہ کی تباہی کے بعد اس نے شعراء کو حکم دے دیا تھا کہ کوئی ان کا مرثیہ لکھنے نہ پائے ورنہ اسے سخت سزا دی جائے گی۔ ایک دن ہارون کے بعض سپاہی برامکہ کے محلات کے کھنڈرات کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ان کھنڈرات میں کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے، اور وہ بڑے سوز و گداز سے برامکہ کا مرثیہ پڑھ رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ کر ہارون کے سامنے پیش کر کے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ ہارون نے پوچھا کہ جب میں نے حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص برامکہ کا مرثیہ کہے، نہ پڑھے تو تمہیں میری حکم عدولی کی جرأت کس طرح ہوئی؟

اس شخص نے جواب دیا:

''امیر المومنین! آپ مجھے اپنا ایک قصہ بیان کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں مجھے سزا دیں''۔

ہارون نے کہا ''اچھا کہو''۔

اس نے قصہ سنانا شروع کیا:

''میں یحییٰ بن خالد برمکی کا معمولی محرر تھا، اور بہت تنگ دستی سے گزارہ کرتا تھا۔ ایک دن یحییٰ نے مجھ سے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ تم کسی روز اپنے گھر میں میری دعوت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں اس لائق کہاں؟ اور میرا گھر اس قابل کہاں؟ جو کچھ میری حالت ہے وہ حضور پر عیاں ہے''۔ یحییٰ نے کہا ''نہیں تم میری دعوت ضرور''۔ میں نے جواب دیا ''اگر حضور کا یہی منشا ہے تو پھر مجھے کچھ عرصے کی مہلت دیجئے، تاکہ میں اپنی اور اپنے گھر کی حالت کچھ درست کر سکوں''۔ یحییٰ نے پوچھا ''کتنے عرصے کی مہلت چاہتے ہو''؟ میں نے عرض کیا ''حضور ایک سال کی''۔ اس نے کہا ''یہ تو بہت زیادہ ہے'' میں نے عرض کیا ''تو پھر چند ماہ کی مہلت دے دیں''۔ یحییٰ نے مہلت دے دی۔ میں گھر گیا۔ گھر کی حالت درست کی۔ دعوت کا سامان تیار کیا۔ جب سب سامان تیار ہو گیا تو میں نے یحییٰ کو اطلاع کر دی۔ اس نے کہا ''اچھا ہم کل تمہارے ہاں کھانا کھائیں گے''۔

اپنے وعدے کے مطابق اگلے روز یحییٰ اپنے بیٹوں جعفر اور فضل اور چند خادموں کے ہمراہ میرے مکان پر پہنچ گیا۔ پہلے وہ اپنے گھوڑے پر سے اترا۔ اس کے بعد جعفر اور فضل اترے یحییٰ نے مجھ سے کہا:

''ہمیں بہت بھوک لگی ہے۔ اس لئے کھانا دسترخوان پر جلدی چنوا دو'' چنانچہ تمام سامان دسترخوان پر چنا گیا اور تمام حاضرین نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد سب مکان میں ٹہلنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد یحییٰ نے کہا ''ہمیں اس مکان کے دوسرے حصے میں لے چلو''۔ میں نے عرض کیا ''حضور! میرا گھر جو کچھ ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے علاوہ میرے گھر کا اور کوئی حصہ نہیں''۔ یحییٰ نے کہا ''یہ غلط ہے۔ اس مکان کے متصل جو زمین ہے وہ بھی تمہاری ہی ہے''۔ میں نے عرض کیا ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں صرف اپنے اس گھر کا مالک ہوں، اس کے علاوہ اور کسی چیز کا نہیں''۔ یحییٰ نے یہ سن کر حکم دیا کہ معمار کو بلایا جائے چنانچہ فوراً ایک معمار حاضر کر دیا

گیا۔ یحییٰ نے اسے کہا کہ اس گھر کی دیوار میں ایک دروازہ کھولو۔ میں نے پھر جرأت کر کے عرض کیا "حضور! میں اپنے پڑوسیوں کے گھروں میں اپنا دروازہ کس طرح کھول سکتا ہوں؟ خدا تعالیٰ نے بھی پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے"۔ یحییٰ نے کہا کوئی حرج نہیں اور دوبارہ معمار کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

معمار نے حکم کی تعمیل میں دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد وزیر اور اس کے بیٹے اٹھے اور دروازے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم سب ایک خوبصورت باغ میں جا نکلے۔ جہاں بے شمار پھول تھے، فوارے چل رہے تھے، بلند و بالا محلات بنے ہوئے تھے، جن میں ہر قسم کا آرائش کا سامان موجود تھا۔ یحییٰ نے مجھ سے کہا:

"یہ مکان اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب تمہارا ہے"۔

میں یہ سن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ جس روز میری یحییٰ سے دعوت کے متعلق بات چیت ہوئی اسی روز یحییٰ نے یہ زمین خرید کر اس میں باغات لگوانے اور محل بنوانے شروع کر دیئے تھے، اور آرام و آسائش کی ہر چیز ان میں مہیا کر دی تھی۔ میں اس سے بالکل بے خبر تھا اور خیال کرتا تھا کہ کسی اور شخص نے یہ زمین خرید کر اس میں عمارت اور باغات بنوائے ہیں۔

یحییٰ نے اپنے بیٹے جعفر سے کہا:

"یہ محل اور یہ باغات تو اس کے ہیں، لیکن ان کے رکھ رکھاؤ کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے"۔

جعفر نے جواب دیا:

"میں اسے فلاں جاگیر لکھ دیتا ہوں اس کی آمدنی اسے کافی ہو گی"۔

یہ سن کر یحییٰ اپنے دوسرے بیٹے فضل کی جانب متوجہ ہوا، اور کہنے لگا:

"جب تک اس جاگیر کی آمدنی اسے وصول نہ ہو، اس وقت تک یہ کہاں سے خرچ کرے گا"؟

فضل نے جواب دیا "گھر میں میرے پاس دس ہزار دینار ہیں وہ میں ابھی بھجوا دیتا ہوں"۔

یحییٰ نے کہا "بہت اچھا، تم دونوں نے جو وعدے کئے ہیں، انہیں فوراً پورا کرو"۔

چنانچہ جعفر نے موعودہ جاگیر میرے نام لکھ دی۔ فضل نے گھر جا کر فوراً مقررہ رقم میرے پاس بھجوا دی۔ میں مالدار ہو گیا اور میری حالت سدھر گئی۔ اس کے بعد میں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت مال و دولت کمائی اور اب تک اشرفیوں میں کھیلتا ہوں۔ اسی لئے اے امیر المومنین! جب

بھی مجھے موقعہ ملتا ہے میں ان کے اس عظیم الشان احسان کے بدلے میں چند الفاظ ان کی تعریف میں کہہ لیتا ہوں۔ اور ان کی بخشش کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں۔ اگر میرا یہ جرم آپ کی نظر میں قابل گرفت ہے اور میں اس وجہ سے قتل کے لائق ٹھہرتا ہوں تو میری یہ گردن حاضر ہے''۔

ہارون الرشید پر اس داستان کے سننے سے اتنا اثر ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے اس آدمی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ اور اس کے بعد لوگوں کو برامکہ کے مرثیے پڑھنے کی اجازت دے دی۔

دولتِ عباسیہ اور بیزنطینی سلطنت

سلطنت کے اندرونی جھگڑوں کے ساتھ، خارجی سیاست بھی اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ رومی ہمسایہ مملکت، ہارون کے لئے زبردست خطرہ تھی۔ رومیوں کے حملوں کے خطرے کے پیش نظر ہارون نے سرحدی علاقوں کو جزیرہ اور قنسرین سے الگ کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا تھا، جس کا نام عواصم رکھا تھا اور اس کا دارالحکومت منبج قرار دیا تھا۔ ۱۷۳ھ ۷۸۹ء میں ہارون نے عبدالملک بن صالح کو سرحدی افواج کا سپہ سالار بنا کر عواصم بھیجا، نزدلوک، رعبان، قورس، انطاکیہ اور تیزین میں چھاؤنیاں بنوائیں تا کہ اسلامی فوجیں رومیوں سے جنگ کر کے آئیں، تو ان مقامات پر قیام کریں۔ ان چھاؤنیوں کے مابین کئی مضبوط قلعے بھی بنوائے۔

اس زمانے میں رومیوں کی فرمانروا ایک عورت، ملکہ ایرینی تھی جو ۱۶۴ھ ۷۸۰ء میں اپنے بیٹے قسطنطین کی جگہ تخت پر بیٹھی تھی، کیونکہ قسطنطین ابھی نابالغ تھا اور تخت سنبھالنے کے قابل نہیں تھا۔ ۱۷۴ھ ۷۹۰ء میں قسطنطین نے زبردستی اپنی والدہ کو تخت سے اتار دیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ تخت پر بیٹھ کر اس نے فوجیں اکٹھی کیں اور اسلامی سرحدوں پر حملے شروع کر دیئے۔ پہلے تو اس علاقے میں مقیم فوجیں رومیوں کے حملوں کو پسپا کرتی رہیں لیکن جب حملوں کا زور ختم نہ ہوا تو ہارون نے خود سرحد پر جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۱۸۱ھ ۷۹۷ء میں صائفہ فوج کو لے کر، رومیوں پر حملہ آور ہوا اور قلعہ صفصاف کو فتح کر لیا۔ عبدالملک بن صالح رومیوں کے تعاقب میں انگورہ تک پہنچ گیا۔

اسی سال قسطنطین کو اس کی والدہ ملکہ ایرینی نے تخت سے اتار دیا اور دوبارہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ایرینی نے دیکھا کہ اس کی سلطنت اس وقت دو زبردست مخالف طاقتوں سے گھری ہوئی ہے۔ ایک جانب ہارون الرشید کی عباسی سلطنت تھی، دوسری جانب فرانس کے بادشاہ شارلمین کی سلطنت۔ ادھر سے ہارون چاہتا تھا کہ رومی سلطنت کو زبردست زک پہنچائے، دوسری طرف شارلمین کی خواہش تھی کہ وہ مغربی اور مشرقی رومی ممالک کو ملا کر پھر ایک بڑی سلطنت قائم کرے جسے دیکھ کر پرانی عظیم الشان رومی سلطنت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔

ملکہ مذکورہ نے یہ دیکھ کر، کہ وہ شارلمین اور ہارون الرشید دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، خوشامد کر کے ہارون کو صلح پر راضی کر لیا اور سالانہ جزیے کے طور پر ایک رقم دینی منظور کر لی۔

۱۸۷ھ ۸۰۲ء میں ملکہ کے خلاف بغاوت ہوئی اور ارا کین سلطنت نے ایرینی کو تخت سے اتار کر نقفور (نائسفورس) کو اس کی جگہ بادشاہ بنا دیا۔ اس نے پہلے تو شارلمین سے صلح کر کے اپنی

سلطنت کی حدود قائم کرالیں پھر ہارون کو یہ خط لکھا:

''ملکہ ایرینی نے تجھ کو 'رخ' کا مرتبہ دے دیا تھا اور خود 'پیادہ' بن گئی تھی۔ وہ تجھے اپنی دولت بھیجتی رہتی تھی، حالانکہ تجھے اپنی دولت اسے بھیجنی چاہیے تھی لیکن ایک عورت کی کمزوری اور حماقت سے تو نے فائدہ اٹھایا۔ اب تیری اسی میں خیریت ہے کہ جو دولت تو نے اس سے وصول کی ہے، وہ واپس کر دے اور ساتھ ہی جزیہ بھی ادا کر۔ ورنہ تلوار میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کرے گی''۔

جب یہ خط ہارون کے پاس پہنچا تو وہ اسے پڑھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ امراء و وزراء میں سے کسی کو گفتگو کرنا تو درکنار، اس کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی جرأت نہ تھی۔ کچھ دیر کے بعد خلیفہ نے قلم اور دوات منگائی اور اپنے ہاتھ سے نقفور کے خط کی پشت پر یہ جواب لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے

رومی کتے نقفور کے نام!

میں نے تیرا خط پڑھا۔ اس کا جواب تو کانوں سے سننے کے بجائے آنکھوں سے دیکھے گا''۔

اس کے بعد اسی روز فوج لے کر ملک روم کی طرف کوچ کر دیا اور رومی حدود میں رومیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ کشت و خون سے عاجز آ کر رومی مغلوب ہو گئے۔ نقفور نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور کی گئی کہ وہ ہر سال اس سے دگنا خراج ادا کیا کرے گا، جتنا ملکہ ایرینی کرتی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا نقفور نے یہ شرط قبول کر لی اور ہارون نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہارون الرشید کے لئے سنہری موقعہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ غالباً اس نے فتوحات کے بجائے قصاص لینا ہی کافی سمجھا ہوگا اور اسی لئے صلح کے بعد وہ واپس چلا آیا۔ اگر وہ قسطنطنیہ کی تسخیر کا ارادہ کرتا تو کوئی طاقت اسے اس شہر کو فتح کرنے سے روک نہ سکتی۔

ہارون نے صلح پر عمل درآمد کرنے کا کام اپنے تیسرے بیٹے قاسم کے سپرد کر دیا تھا اور خود اپنی سلطنت کی حدود میں آ کر مع لشکر کے ''مرج دابق'' میں مقیم ہو گیا تھا، جو حلب کے علاقے میں واقع ہے۔ قاسم نے رومیوں سے جزیہ وصول کیا، اپنے قیدی واپس لئے اور ہارون کے پاس پہنچ گیا۔

ہارون نے پھر کوچ شروع کر دیا۔ ابھی وہ رقہ بھی نہ پہنچا تھا کہ نقفور نے تمام عہد و پیمان توڑ

دیئے۔ اس کا خیال تھا کہ خلیفہ اب فوراً واپس نہیں لوٹ سکتا اور اس عرصے میں وہ اپنی حالت اس قدر مضبوط بنا لے گا کہ اگر ہارون نے دوبارہ اس پر چڑھائی کی بھی تو وہ اسے با آسانی شکست دے سکے گا۔

جب فوج میں نقفور کے عہد توڑنے کی خبر آئی تو ہارون کے غصے کے خیال سے کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس کو اس عہد شکنی کی اطلاع دے۔ انہیں یہ خیال بھی تھا کہ اگر خلیفہ کو اطلاع مل گئی تو وہ ہمیں دوبارہ روم چلنے کا حکم دے گا اور اس سخت سردی میں روم واپس جانا بہت کٹھن کام ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ خلیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس غرض کے لئے ابومحمد عبداللہ بن یوسف، ایک شاعر کو تیار کیا، جس نے جا کر ہارون کو مندرجہ ذیل نظم سنائی جس میں نقفور کی عہد شکنی کا لطیف پیرائے میں ذکر تھا۔

نقض الذي اعطيته نقفور وعليه دائرة البوار تدور

ابشر امير المومنين فانه فتح اتاک به الاله كبير

عطاک جزيتة و طاطأ خده حذر الصوارم والروی محذور

فا جرته من وقعها و کانها باکفنا شعل الضرام تطير

نقفور انک حين تغدران نأی عنک الامام لجاهل مغرور

اظننت حسين غدرت انک مفلت

هبلتک امک ماظننت غرور

(نقفور نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اب اس پر ہلاکت کی چکی گھومے گی۔ اے امیر المومنین! آپ اس بات سے خوش ہوں کیونکہ درحقیقت آپ کو عظیم الشان فتح حاصل ہونے والی ہے۔ نقفور نے تلواروں کے ڈر اور ہلاکت کے خوف سے آپ کو جزیہ ادا کیا اور ذلت سے اپنا سر جھکا لیا۔ آپ نے اس کا سر تلوار سے محفوظ رکھا حالانکہ ہماری ہتھیلیوں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اے نقفور! تو نے اس وقت جب ہمارا امام تجھ سے دور ہو گیا، عہد شکنی کر کے کوئی اچھا کام نہیں کیا، بلکہ نہایت جہالت کی حرکت کی۔ جس وقت تو نے اپنا عہد توڑا، تو خیال کرتا تھا کہ تو بچ جائے گا۔ لیکن یہ تیرا خیال خام ہے اب تو بچ کر نہیں جا سکتا)۔

جب شاعر یہ شعر پڑھ چکا تو ہارون نے پوچھا "کیا واقعی نقفور نے عہد شکنی کی"؟ تب اسے لوگوں نے بتایا کہ آپ کے غیض و غضب سے بچنے کے لئے اس تدبیر سے آپ کو مطلع کیا گیا

ہے۔ چنانچہ ہارون نے فوراً اپنی فوج کو روم کی طرف دوبارہ کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ مورخین روما کے نزدیک اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار تھی۔ سخت سردی پڑ رہی تھی اور راستہ بہت دشوار گزار تھا لیکن ہارون نے قطعاً پروانہ کی اور اپنے لشکر کو ہرقلہ کے دروازے پر لا بٹھایا، جو روم کا بہت بڑا اور مضبوط شہر تھا۔ ہارون نے اپنے لشکر کے سرداروں کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ آیا شہر کا محاصرہ کیا جائے یا یکدم اس پر حملہ کر دیا جائے؟ اکثر نے یہ رائے دی کہ ہرقلہ کا محاصرہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ ایک عظیم الشان رومی شہر ہے اور اس کے مطیع ہونے سے رومیوں کی تمام شان و شوکت کافور ہو جائے گی۔ ہارون نے بھی اسی رائے کو قبول کر لیا اور تمام لشکر میں منادی کرادی کہ امیر المومنین نے شہر کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ لشکر کو چاہیے کہ وہ فوراً محاصرے کی تیاری کر لے اور چاروں طرف پھیل کر، پوری طرح شہر کو اپنے گھیرے میں لے لے۔

جب اہل شہر نے دیکھا کہ عباسی لشکر نے شہر کا پوری قوت سے محاصرہ کر لیا ہے تو انہیں زبردست پریشانی لاحق ہوئی۔ ان میں سے بعض نے قلعوں سے باہر نکلنے اور عرب شہ سواروں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک بہادر قلعے سے نکل کر میدان میں پہنچا اور مبارزت کے لئے پکارا۔ مسلمانوں کی طرف سے ابن جوزی نکلا جو حملہ کرنے اور اپنے دشمن کو سختی سے قابو کرنے میں بے حد مشہور تھا۔ تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد ابن جوزی نے اپنے مدمقابل پر قابو پا لیا اور اس کا سر کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے شہر پر عام حملہ کر دیا۔ رومی لشکر مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اسے بری طرح شکست ہوئی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ فتح کے بعد مسلمانوں نے تمام قلعے مسمار کر دیئے۔ تاکہ آئندہ رومی ان میں محصور ہو کر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس واقعہ کو ابو العتاہیہ ذیل کے اشعار میں بیان کرتا ہے:۔

الا بادت هر قلة بالخراب من الملک الموفق بالصواب
غدا هارون یرعد بالمنایا ویرقب بالمذکرة القضاب
ورایات یحل النصر فیها تمر کانها القطع السحاب
امیر المومنین ظفرت فاسلم وابشر بالغنیمة والایاب

(ہرقلہ کا شہر ہمارے بادشاہ کے ہاتھوں، جسے نیک کاموں کی توفیق دی گئی ہے، تباہ و برباد ہو گیا۔ ہارون دشمنوں کو موت سے ڈراتا اور شمشیر براں کو چمکاتا ہے۔ اس کے بہت سے ایسے جھنڈے ہیں، جن سے فتح ٹپکتی ہے اور وہ اس فتح تیزی سے گزرتے ہیں جیسے بادل۔ اے امیر المومنین! آپ نے فتح پالی ہے۔ آپ کو مال غنیمت حاصل کرنا اور صحیح و سالم واپس آنا مبارک ہو)۔

ہرقلہ کی فتح کے بعد ہارون الرشید کے سپہ سالار تمام سرزمین روم میں پھیل گئے اور دھڑا دھڑ شہروں اور قصبوں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ امیر آل عباسی حمید 'قبرص' چلا گیا اور فتوحات کے بعد وہاں کے سترہ ہزار باشندوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ لے آیا۔

بعد ازاں ہارون الرشید نے 'طوانہ' کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کیا۔ کچھ عرصے بعد خود تو کسی دوسری جگہ چلا گیا، البتہ اپنے پیچھے عقبہ بن جعفر کو چھوڑ گیا۔ آخر جب ہر طرف سے مسلمانوں کی پیش قدمی، اور رومیوں کی تباہی و بربادی کی خبریں آنے لگیں تو مجبور ہو کر نقفور نے دوبارہ صلح کی درخواست کی۔ ہارون نے یہ درخواست قبول کر لی اور اسے جزیہ ادا کرنے کا حکم دیا، جس میں خود اس کا جزیہ چار ہزار دینار اور اس کے بیٹے استیر اق کا دو ہزار دینار شامل تھا۔ ان جنگوں میں نقفور کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے بے شمار جنگی کشتیاں غرق ہو گئیں اور ایشیائے کوچک کے اکثر شہر پیوند خاک ہو گئے۔

ان جنگوں میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے، جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

ہرقلہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے یہاں سے جو قیدی پکڑے ان میں شہر کے بطریق اعظم کی حسین وجمیل بیٹی بھی تھی جو نقفور کے بیٹے سے منسوب تھی۔ نقفور کو جب اس کے قید ہونے کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے دو بڑے بطریقوں کے ہاتھ ہارون کو یہ خط بھیجا۔

عبداللہ ہارون امیر المومنین کے نام

شہنشاہ روم نقفور کی طرف سے

"اے بادشاہ! میری ایک حاجت ہے جو اگر تو پوری کر دے تو نہ تیرے دین کو نقصان پہنچے گا اور نہ دنیا کو، وہ یہ کہ ہرقلہ کے بطریق کی لڑکی، جو میرے بیٹے سے منسوب تھی، اسلامی فوج کے مال غنیمت میں آ گئی ہے۔ اگر تو از راہ عنایت میری درخواست کو قبول کر کے، وہ لڑکی مجھے دے دے تو میں تیرا بے حد شکر گزار رہوں گا"۔

ہارون نے اس لڑکی کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے گئی تو اسے آراستہ کر کے ہر قسم کے عروسانہ ساز سامان کے ساتھ نقفور کے پاس بھجوا دیا اور اپنے قاصد کے ہاتھ عطریات اور تحفے بھی بھیجے۔ نقفور نے قاصد کو پچاس ہزار درہم دیئے اور انواع واقسام کے تحفے و دیباج کے کپڑے، گھوڑے، شکاری کتے اور باز ہارون کے لئے بھیجے۔ فریقین میں یہ عہد نامہ ہوا کہ مسلمان صحلہ اور سنان کے قلعوں کو نہ توڑیں گے اور رومی ہرقلہ کے برباد شہر کو آباد نہیں کریں گے اور ہر سال تین لاکھ دینار جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔

مغربی رومی سلطنت

جس طرح ہارون الرشید کے عہد میں سلطنت اسلامیہ دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک سلطنت عباسیہ اور دوسری سلطنت بنو امیہ، جس نے سپین پر اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا، اسی طرح رومی سلطنت بھی دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک مشرقی اور دوسری مغربی، مشرقی رومی سلطنت کے ہارون الرشید سے جو تعلقات تھے ان کا ذکر صفحات ماقبل میں گزر چکا ہے یہاں مغربی رومی سلطنت کے ہارون الرشید سے تعلقات کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

اس سلطنت کا حاکم، شارلمین، شاہ فرانس تھا۔ شارلمین نے لمبارڈیا پر قبضہ کر کے سکیسن قوم کو، جو جرمنی میں رہتی تھی اور بت پرست تھی، عیسائی بنالیا تھا۔ پھر اس نے جرمنی اور اٹلی کو بھی فتح کرلیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مشرقی رومی ممالک کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لاکر، ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے اور خلافت اسلامیہ میں وہ دین عیسوی کا علم بردار اور زائرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کیا جائے۔ اس غرض کے لئے اس نے دولت عباسیہ سے اپنا تعلق پیدا کرنا چاہا اور ہارون کے پاس سفیر بھیجے۔ ہارون نے بھی دوستی کا جواب دوستی سے دیا، اور اس طرح دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شارلمین اور ہارون الرشید کے درمیان دوستانہ تعلقات اور سفیروں کا تبادلہ محض ایک افسانہ ہے اور اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ نہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے اور نہ ان کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ لیکن یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں۔

عربوں اور رومیوں میں اقتصادی تعلقات عرصے سے قائم تھے۔ عرب اور فرانسیسی تاجر ایک دوسرے کی سرزمین میں تجارت کا مال لے کر جاتے تھے اور کثیر منافع اٹھا کر واپس آتے تھے۔ ان کے علاوہ مارسیلز اور یورپ کے یہودی تاجر بھی اکثر تجارت کی غرض سے بلاد اسلامیہ میں آتے رہتے تھے۔

اقتصادی ضروریات کے علاوہ، روحانی کشش بھی اہل مغرب کو بلاد اسلامیہ کی طرف کھینچتی تھی۔ بیت المقدس مسیحیوں کے نزدیک بھی ارض مقدس ہے۔ اور بلاد مغرب سے سینکڑوں ہزاروں لوگ اس کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس طرح مشرق و مغرب میں دینی اور تجارتی رشتے قائم تھے۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں ان تعلقات کے بارے میں

جو شارلمین اور ہارون کے درمیان تھے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ فرانسیسی مورخین نے ان واقعات کو کسی قدر تفصیل اور ایضاح سے بیان کیا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تعلقات زیادہ اہم سیاسی رنگ کے نہیں تھے۔ اسی لئے مسلمان مورخین نے ان کا اس اہتمام سے ذکر نہیں کیا۔ شارلمین کی سلطنت دولت عباسیہ سے بہت فاصلے پر واقع تھی۔ شارلمین نے خود ہی پہل کر کے ہارون الرشید کے دربار میں وفود اور سفراء بھیجے، اور سرزمین مقدس میں مسیحی زائرین کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے اور انہیں سہولتیں پہنچانے کی درخواست کی۔ ہارون الرشید اور مسلمانوں کو شارلمین کا یا اس کی مملکت کا دھیان بھی نہیں آ سکتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی شان و شوکت سے واقف تھے۔ ان تعلقات اور روابط کا فائدہ بھی ہارون سے زیادہ شارلمین کو پہنچا۔ کیونکہ موخر الذکر چاہتا تھا کہ خلافت اسلامیہ کے نزدیک اس کا رتبہ شاہ قسطنطنیہ نقفور سے برتر ہو جائے۔ اور اسے خلافت اسلامیہ میں دین عیسوی کا علم بردار اور زائرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کر لیا جائے۔ اسی خیال کے زیر اثر اس نے ہارون الرشید کے پاس اپنے وفود بھیجے، جن کے ساتھ اس نے بیش بہا تحفے بھی روانہ کئے۔

یہ امر بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ جہاں مشرقی رومی سلطنت سے ہارون کے تعلقات خراب تھے، وہاں اندلس کی سلطنت، بنی امیہ، اور ہارون کے باہمی تعلقات نہایت برے اور افسوس ناک تھے۔ ہارون بنی امیہ کو باغی اور دشمن سمجھتا تھا، اسی وجہ سے ان کو مٹانے اور فنا کرنے کا خواہشمند تھا۔ شارلمین کا ہارون کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اندلس میں بنی امیہ کی سلطنت اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن مضبوط بنا سکے اور دونوں سلطنتوں کو کمزور کر کے ان علاقوں میں اپنا اقتدار قائم کر سکے۔

شارلمین کا جو وفد سب سے پہلے ہارون کے پاس آیا وہ ایک یہودی طبیب اسحاق کی زیر سرکردگی تھا۔ ایک ماہ تک ہارون نے اس وفد کو شرف باریابی نہیں بخشا۔ آخر ایک روز انہیں دربار میں بلایا۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو وہاں کی شان و شوکت دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ہارون دربار کے بیچ میں سونے کے ایک تخت پر بیٹھا ہے۔ جس پر لاتعداد جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ تخت کے دونوں طرف جو ستون ہیں ان پر سونے کے پانی سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کے قریب غلام کھڑے ہیں جو پنکھے ہاتھوں میں لئے خلیفہ کو جھل رہے ہیں۔ تخت کے پیچھے دو غلام ننگی تلواریں لئے کھڑے ہیں۔ تخت کے اوپر ایک چھوٹا سا شامیانہ ہے جو آبنوس کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ یہ شامیانہ سیاہ دیباج کا ہے جس پر سنہری نقش و نگار

اور بیل بوٹے بنے ہیں۔ شامیانے کے کناروں پر سونے کے ہلال بنے ہیں۔ جن پر موتی ٹکے ہیں اور ہر ہلال کے بیچ میں سرخ، زرد اور نیلے یاقوت لگے ہیں۔ ہارون الرشید تخت پر بیش قیمت بھڑک دار لباس پہنے بیٹھا تھا۔ یہ لباس خاص اسی غرض کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ بیرونی ملکوں کے وفود آنے پر اسے استعمال کیا جائے۔ اس نے وفد کے ارکان کا ان کے شایان شان استقبال کیا۔ وہ دربار کی شان و شوکت دیکھ کر بے حد مرعوب ہوئے۔ اور ہارون کی عظمت کا جو نقشہ ان کے دلوں میں بنا ہوا تھا اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا یہ پہلا وفد ۱۸۵ھ ۸۰۰ء میں بغداد پہنچا تھا۔

اس وفد کے جواب میں ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد شارلمین کے دربار میں بھیجا اور اس کے ساتھ کئی قیمتی تحفے بھی روانہ کئے۔ ان میں ایک گھڑی بھی تھی۔ فرانس کے شاہی دربار کے بہت سے لوگوں نے اس گھڑی کو جادو کا کوئی طلسم سمجھا اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس میں کوئی جن ہے جو گھنٹی بجاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ اسے توڑ ڈالو لیکن شارلمین نے انہیں روکا۔

اس موقع پر ایک معاہدہ بھی عمل میں آیا جس کے تحت سلطنت عباسیہ نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ ارض مقدس فلسطین کی زیارت کرنے والے مسیحیوں کی حفاظت کا پورا انتظام کرے گی۔ اس سے پہلے مسیحی زائرین کی حالت بہت قابل رحم تھی اور انہیں رہزنوں اور ڈاکوؤں سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔

کچھ عرصے بعد شارلمین نے ہارون الرشید کے پاس ایک اور وفد روانہ کیا اور اس کے ساتھ اپنے ملک کی بعض نفیس چیزیں بھی بطور تحفہ ہارون کے پاس بھیجیں۔ یہ وفد چار سال یہاں مقیم رہا۔ اس دوران میں دونوں مملکتوں کے درمیان اندلس کی سلطنت بنی امیہ اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے بارے میں کئی معاہدے بھی عمل میں آئے۔

ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد دوبارہ شارلمین کے پاس بھیجا، جس میں بعض مسیحی بھی شامل تھے۔ وفد کا لیڈر ایک شخص عبداللہ تھا۔ وفد کے ساتھ کئی مشرقی تحفے اور بہت خوبصورت پشمینے کا ایک خیمہ بھی تھا۔ جب یہ وفد یورپ کے میدانوں اور شہروں سے گزرتا تھا تو فضا اس عطر کی خوشبو سے مہک اٹھتی تھی جو شارلمین کو تحفے میں پیش کرنے کے لئے لے جایا جا رہا تھا اور جس سے یورپ والے اس وقت تک بالکل ناواقف تھے۔

امین و مامون کی ولی عہدی

رومی سلطنت کو شکست دینے اور ایک عظیم خطرہ سے نجات پانے کے بعد بھی ہارون الرشید کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اس کی باقی زندگی اندرونی بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کرنے میں گزری۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ اب اس کا آخری وقت نزدیک ہے اور اگر اس کے بیٹوں نے اس کی زندگی میں ہی امور مملکت سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ کی تو بعد میں یہ عظیم الشان سلطنت جس کی حفاظت اس نے انتہائی جانکاہی کے ساتھ کی ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور ہر حاکم اپنے اپنے علاقے میں خود مختاری کا اعلان کر دے گا۔ اسی لئے وہ ہر وقت اپنے بیٹوں کو اپنے ساتھ رکھتا تھا اور انہیں ملکی نظم و نسق چلانے کی تربیت دیتا رہتا تھا۔

اس نے ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کی۔ ملک کے بہترین عالموں اور ادیبوں کو نہایت گرانقدر مشاہروں پر ان کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کیا۔ جن اصولوں پر وہ اپنے بیٹوں کو تعلیم دلانا چاہتا تھا، معلمین کو ان طریقوں سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا تھا تاکہ ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی نقص نہ رہ جائے۔ ذیل میں وہ ہدایات درج کی جاتی ہیں جو ہارون نے امین کے معلم، احمر نحوی، کو امین کی تعلیم کے متعلق دی تھی۔

احمر نحوی بیان کرتا ہے کہ ہارون نے مجھے اپنے لڑکے محمد الامین کی تعلیم و تربیت کے لئے بلایا۔ جب میں ہارون کے پاس پہنچا تو اس نے مجھ سے کہا:

''اے احمر! میں نے اپنے جگر کا ٹکڑا تمہارے سپرد کیا ہے، تم اسے انتہائی محنت اور قابلیت کے ساتھ تعلیم دو۔ تعلیم کے دوران میں جو سزا تم اسے دینا چاہو تمہیں اس کا اختیار ہے۔ اس پر تمہاری اطاعت اسی طرح واجب ہے، جس طرح میری اطاعت۔ اس کو قرآن پڑھاؤ۔ بزرگان سلف کے کارناموں سے روشناس کراؤ۔ شعر ادب کی تعلیم دو۔ مخصوص اوقات کے علاوہ ہنسنے اور مذاق کرنے سے روکو۔ اسے بنو ہاشم کے بزرگوں کی تعظیم کرنی سکھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ اگر لشکر کے سپہ سالاروں کی مجلس بھی لگی ہو اور بنو ہاشم کے بزرگ اس کے پاس آجائیں تو اسے مجلس برخاست کر کے ان کی تعظیم و تکریم کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ ہر وقت اسے نیک کاموں کی نصیحت کرتے رہو۔ اسے گستاخ نہ بننے دو۔ کبھی اس کی رورعایت نہ کرو، جہاں تک ممکن ہو سکے اسے اپنے قریب رکھا کرو تاکہ اس میں بری عادتیں پیدا نہ ہونے پائیں۔ اگر وہ تمہارے احکام کی اطاعت نہ کرے تو بے شک اس سے سختی اور درشتی سے پیش آؤ''۔

مشہور عالم کسائی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ہارون کے پاس گیا۔ معمولی سلام و آداب کے بعد میں گھر جانے لگا تو ہارون نے مجھے حکم دیا کہ ذرا بیٹھے رہو۔ تعمیل ارشاد میں میں بیٹھ گیا۔ جب تمام درباری رخصت ہو گئے اور مجلس میں خلیفہ کے صرف خاص آدمی ہی رہ گئے تو اس نے مجھ سے کہا:

''اے علی! کیا تم محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) سے ملاقات کرنا چاہتے ہو''؟

میں نے عرض کیا ''امیر المومنین! مجھے تو ان کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا اور امیر المومنین کے گھر انہیں پیدا کیا''۔

یہ سن کر ہارون الرشید نے دونوں بیٹوں کو بلوایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نہایت آہستگی اور وقار سے آنکھیں نیچی کئے ہوئے آئے۔ انہوں نے اپنے والد کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ہارون الرشید نے محمد الامین کو اپنے دائیں طرف اور عبداللہ المامون کو اپنے بائیں طرف بٹھالیا۔ پھر مجھے کہا کہ قرآن مجید اور دیگر علوم میں ان کا امتحان لوں۔ چنانچہ میں نے مختلف سوالات کئے۔ انہوں نے میرے سوالات کا اتنی جلدی جلدی اور اتنی تہذیب کے ساتھ جواب دیا کہ میں عش عش کر اٹھا۔ میں نے خلیفہ کے سامنے ان کی بے حد تعریف کی۔ خلیفہ نے ان دونوں کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا اور پھر رخصت کر دیا جب وہ چلے گئے۔ تو میں نے دیکھا کہ ہارون کے رخساروں پر آنسو بہ رہے ہیں، میں نے وجہ دریافت کی تو خلیفہ نے کہا: ''آئندہ ان دونوں بھائیوں میں بڑے بڑے جھگڑے اور لڑائیاں ہونگی۔ خون بہے گا۔ قتل و غارت کا سلسلہ قائم ہوگا۔ عورتوں کی بے حرمتی ہوگی۔ زندہ مردوں سے بھی بدتر ہونگے اور اس بات کی تمنا ظاہر کریں گے کہ کاش وہ یہ ہولناک نظارہ دیکھنے سے پہلے مر گئے ہوتے''۔

ولی عہدی کے مسئلے نے ہارون الرشید کو بہت پریشان کر رکھا تھا، اسے ہر وقت یہ بے چینی لاحق رہتی تھی کہ اس کی وفات کے بعد سلطنت کا کیا بنے گا اور نہ معلوم اس کے بیٹے سلطنت کا انتظام ٹھیک طور پر کر بھی سکیں گے یا نہیں۔

اصمعی کہتے ہیں کہ ایک روزہ رات کے وقت میں ہارون الرشید کے پاس گیا، میں نے اسے نہایت بے چینی اور اضطراب کی حالت میں پایا۔ کبھی وہ بیٹھ جاتا تھا کبھی لیٹ جاتا تھا۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ رو رہا تھا اور یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

قد امور عباد اللہ دائقة

موحد الرأى لانكس ولا برم

واترك مقالة اقوام ذوى خطل

لا يفهمون اذا ما معشر فهموا

(اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کاموں پر اسی شخص کو مقرر کرو جو قابل اعتماد اور مستقل مزاج ہو۔ اس شخص کو کبھی کام سپرد نہ کرو جو متلون مزاج اور بے وقوف۔ ایسے لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کرو جو بے ہودہ گفتگو کرتے ہیں اور انہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہوتی)۔

جب میں نے یہ اشعار سنے تو اپنے دل میں خیال کیا کہ خلیفہ ضرور کسی اہم امر کے متعلق سوچنے میں مشغول ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ یحییٰ بن خالد کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ گیا اور اسے بلا کر لے آیا۔ خلیفہ نے اس سے کہا:

''اے ابوالفضل! رسول اللہ صلعم نے بغیر وصیت کیے ایسے وقت میں وفات پائی جب کہ اسلام اپنے زمانہ طفولیت میں سے گزر رہا تھا۔ رسول خدا صلعم کی وجہ سے سارا عرب متحد اور متفق ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں پر رحمت فرما کر انہیں خوف و خطر سے امن دیا اور ذلت کے بعد عزت سے نوازا۔ جونہی آپ کی وفات ہوئی عرب کے اکثر لوگ مرتد ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد جو ہوا وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا۔ تمام امت آپ کے اس فیصلے پر راضی ہو گئی اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے آخری وقت میں خلافت کا فیصلہ کرنے کے لئے مجلس شوریٰ قائم کر دی۔ اس کے بعد خلافت کے متعلق جو جھگڑے اٹھے اور مسلمانوں کو جس دور میں سے گزرنا پڑا، اس سے بھی تم اچھی طرح واقف ہو۔ اب میرا یہ ارادہ ہے کہ اپنے جانشینوں کے لئے کوئی بہتر انتظام کر جاؤں اور خلافت کا بار اس کے کندھوں پر ڈالوں، جو چال چلن اور عادات و اطوار کے لحاظ سے بہترین شخص ہو، جو سیاسی امور کو اچھی طرح سمجھ سکے اور کمزوری اور ضعف اس کے پاس پھٹکنے بھی نہ پائے۔ (اس وقت ہارون اپنے بیٹے امین کے لئے ولی عہد کا فرمان لکھ چکا تھا لیکن مامون کے لئے کوئی فرمان نہ لکھا تھا) میں عبداللہ المامون کو ان صفات کا پوری طرح حامل سمجھتا ہوں۔ لیکن بنو ہاشم اپنے بعض فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے امین کی خلافت کے خواہشمند ہیں۔ گو انہیں اچھی طرح علم ہے کہ امین متلون مزاج، فضول خرچ اور عیاش ہے اور عورتوں کے کہنے پر چلتا ہے۔ اب اگر میں عبداللہ

المامون کو امین پر ترجیح دوں تو بنی ہاشم مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور اگر امین کو ولی عہد مقرر کروں تو مجھے اس بات کا خوف ہے کہ سلطنت کے انتظام میں بڑی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس لئے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہئے، کیونکہ ان امور میں تمہاری نگاہ بڑی دور رس ہے"۔

یحییٰ نے کہا: "میں خلوت میں اس کے متعلق کچھ عرض کر سکوں گا"۔ اصمعی کہتا ہے کہ اس پر خلیفہ نے مجھے چلے جانے کو کہا۔ میں وہاں سے اٹھ کر ایسی جگہ پر آ کھڑا ہوا جہاں سے میں ان دونوں کی ساری باتیں سن سکتا تھا۔ چنانچہ دیر تک ان میں اس معاملے پر گفتگو ہوتی رہی آخر دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ امین کے بعد مامون کی خلافت کا فرمان لکھا جائے۔

لیکن ہارون نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہ فرمان بھی لکھ دیا کہ اس کی وفات کے بعد مامون کو خراسان کی حکومت ملے گی اور امین عراق، افریقہ اور عرب پر قابض رہے گا۔ اس پر امین کی والدہ زبیدہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے ہارون سے شکایت کی کہ آپ نے اپنے بیٹے محمد الامین سے انصاف نہیں کیا۔ ایک تو تمام سلطنت اس کے حوالے کرنے کے بجائے صرف عراق، افریقہ اور عرب کے علاقے اسے دیئے۔ خراسان اور مشرقی علاقے مامون کے حوالے کر دیئے۔ دوسرے مامون کو فوج کا اکثر حصہ اور فوجی مصارف کے لئے زر نقد دینے کا حکم بھی صادر کر دیا اور امین کو اس سے محروم رکھا۔

ہارون نے جواب دیا:

"تمہیں امور سلطنت کی پیچیدگیوں کی کیا خبر؟ میں نے تمہارے بیٹے کو جو علاقہ دیا ہے، اس میں ہمیشہ امن وامان رہتا ہے لیکن مامون کے حصے میں جو علاقہ آیا ہے وہ بغاوت اور شر انگیزی کا مرکز ہے۔ اس لئے اسے فوج اور روپے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ مامون سے تمہارے بیٹے امین کو کسی قسم کا خطرہ ہوگا، البتہ اس بات کا خوف ضرور ہے کہ تمہارا بیٹا، مامون کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے"۔

۱۸۶ھ ۸۰۲ء میں ہارون الرشید حج کے لئے گیا اور اپنے ساتھ امین اور مامون کو بھی لے گیا۔ مکہ معظمہ میں اس نے ان دونوں کی ولی عہدی کا فرمان لکھا اور اسے کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا۔

ابراہیم حجی بیان کرتے ہیں کہ جب وہ فرمان کعبے کے دروازے پر آویزاں کیا جانے لگا تو وہ لٹکانے والے کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا "یہ تو بری فال ہوئی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معاہدے پر عمل درآمد ہونے سے پہلے ہی اس کے ٹوٹنے کی نوبت

آجائے"۔ یہ وہم بعد میں واقعہ بن گیا۔ ہارون الرشید نے خانہ کعبہ میں ولی عہد امین سے اس بات کا حلف لیا کہ وہ ان شرائط پر، جو فرمان میں لکھی ہیں پوری طرح کاربند رہے گا، یعنی اس کی وفات کے بعد مامون کو خراسان کی ولایت سپرد کرے گا۔ جب حلف اٹھانے کی رسم کے بعد امین خانہ کعبہ سے باہر جانے لگا تو جعفر بن یحیٰی نے اس سے کہا:

"اگر تم نے عہد شکنی کی تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے گا"۔

اس نے امین کو اپنے عہد پر قائم رہنے کے لئے تین بار حلف اٹھانے پر بھی مجبور کیا اور امین کو مجبوراً تین بار حلف اٹھانا پڑا۔ اس واقعے سے ہارون الرشید کی بیوی اور امین کی والدہ، زبیدہ، کے دل میں جعفر کی طرف سے کینہ اور بغض پیدا ہو گیا اور اس نے پورے زور شور سے ہارون کو جعفر کی طرف سے بھڑکانا شروع کیا جس کا نتیجہ جعفر کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

خراسان میں بغاوت

خراسان کی بغاوت کا مختصر سا حال پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اسے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

خراسان کا والی علی بن عیسیٰ تھا۔ ہارون الرشید نے جس وقت علی بن عیسیٰ کو خراسان کا والی بنایا تھا اس وقت اپنے وزیر یحییٰ بن خالدؒ سے مشورہ کیا تھا (یہ زوال برامکہ سے پہلے کی بات ہے) یحییٰ نے اس کی ولایت کی مخالفت کی۔ مگر ہارون نے اس کے مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور علی ہی کو والی بنا کر بھیج دیا۔ جب علی وہاں پہنچا تو اس نے لوگوں پر ظلم وستم ڈھانا اور امراء ورؤساء کا مال و اسباب چھیننا شروع کر دیا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں اس نے بے حد مال جمع کر لیا۔ اس میں سے اس نے ہارون کے لئے بھی قسم قسم کا عمدہ سامان، کپڑے اور گھوڑے بھیجے۔

جس وقت یہ مال واسباب ہارون کے پاس پہنچا، وہ ایک چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اپنے ساتھ اس نے یحییٰ بن خالد کو بٹھا لیا اور اس سے ہنس کر مذاقاً کہنے لگا ”تم نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہم علی بن عیسیٰ کو خراسان کا والی نہ بنائیں، لیکن ہم نے تمہارا مشورہ قبول نہ کیا۔ دیکھو! ہمیں تمہارا مشورہ قبول نہ کر کے کتنی برکت حاصل ہوئی اور ہم کتنے فائدہ میں رہے“۔

یحییٰ نے جواب دیا۔ ”امیر المومنین! اگرچہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری رائے درست نکلے اور جو مشورہ میں دوں اسے قبول کیا جائے، لیکن اس سے بھی زیادہ میں یہ چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کی رائے، درست، صائب اور بہتر ہو۔ کیونکہ آپ کی فراست، میری فراست سے، آپ کا علم، میرے علم سے اور آپ کی معرفت، میری معرفت سے کہیں زیادہ ہے۔ خدا کرے کہ علی کی ولایت مبارک ثابت ہو، لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ مال علی بن عیسیٰ نے لوگوں پر ظلم وتشدد کر کے حاصل نہ کیا ہو۔ امیر المومنین اسی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں تو کرخ کے تاجروں سے ابھی ابھی اس سے کئی گنا زیادہ مال جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں“۔

خلیفہ نے پوچھا ”وہ کیسے“؟

یحییٰ نے کہا ”میں نے ایک تاجر سے بیش قیمت ہیرے کا سودا کرنا چاہا تھا اور اس ہیرے کے بدلے اسے سات لاکھ درہم پیش کئے تھے، مگر اس نے اس قیمت پر اسے بیچنے سے انکار کر دیا۔ ابھی میں اپنے غلام کو بھیج کر دوبارہ قیمت مقرر کرنے کے بہانے وہ ہیرا منگوا لیتا ہوں اور ہیرا ملنے پر اس کے واپس کرنے سے انکار کر دیتا ہوں۔ اس سے مجھے سات لاکھ روپیہ کا فائدہ ہو جائے گا۔

اسی طرح میں کرخ کے باقی تاجروں کے ساتھ کر سکتا ہوں اور تین گھنٹوں میں بس ذرا سی کد و کاوش کے ساتھ میں اس سے بھی زیادہ قیمتی مال جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں، جتنا علی بن عیسیٰ نے تین سال میں جمع کیا ہے"۔

ہارون کے دل میں بھی یہ بات بیٹھ گئی لیکن اس نے فی الحال کوئی کارروائی کرنی مناسب نہ سمجھی اور بات کو ٹال گیا۔ لیکن جب علی بن عیسیٰ نے خراسان میں رعایا پر سخت مظالم ڈھانے شروع کیے تو وہاں کے سر برآوردہ لوگوں نے ہارون کو سارا حال لکھا اور درخواست کی کہ خدا کے واسطے اس عذاب کو ہمارے سروں سے دور کیجیے اور علی کی بجائے کسی اور کو والی بنا کر بھیجیے۔ اس پر ہارون نے یحییٰ بن خالد کو بلایا اور اس سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ یزید بن مزید کو والی بنا کر بھیج دیجیے۔ اس دفعہ بھی خلیفہ نے اس کا مشورہ قبول نہ کیا۔

اب خلیفہ کے پاس خبریں آنی شروع ہوئیں کہ علی بن عیسیٰ خلیفہ کے خلاف فوجیں جمع کر رہا ہے۔ اس پر جمادی الاول ۱۸۹ھ ۸۰۴ء میں خلیفہ اپنے لشکر کے ساتھ رے پہنچا اور وہاں چار ماہ ٹھہرا۔ اسی دوران میں علی بن عیسیٰ خراسان سے کثیر اموال اور ہدایا لے کر خلیفہ کے حضور میں آیا۔ پہلے تو خلیفہ کی خدمت میں تحفے پیش کیے۔ پھر خلیفہ کے سارے بیٹوں، خاندان اور خادموں کو جو اس کے ساتھ تھے۔ مراتب کے مطابق تحفے دیئے۔ چونکہ خلیفہ نے کوئی آثار بغاوت کے نہ پائے، اس لئے اس نے اسے دوبارہ خراسان کا والی بنا کر بھیج دیا۔

علی بن عیسیٰ واپس پہنچا اور جس شخص کے متعلق بھی اسے پتہ چلا کہ اس نے اس کی مخالفت میں کسی قسم کا کوئی حصہ لیا تھا اس کو سخت ترین تکلیفیں پہنچانی شروع کیں اور ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔

یہ لوٹ کھسوٹ جاری ہی تھی کہ رافع بن لیث بن نصر بن سیار نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا (نصر بن سیار بنی امیہ کے وقت میں خراسان کا والی تھا)۔ اس بغاوت کا سبب یہ تھا کہ ایک شخص یحییٰ بن اشعث طائی نے اپنی چچا زاد بہن سے جو، نہایت مالدار، حسین و جمیل اور ادیبہ تھی، شادی کی۔ خود تو مدینۃ السلام (بغداد) چلا گیا اور اس کو سمرقند میں چھوڑ گیا۔ جب اسے بغداد میں گئے بہت دن ہو گئے اور اس نے پلٹ کر بیوی کی خبر نہ لی تو مجبور ہو کر بیوی نے اس سے طلاق لینی چاہی۔ رافع بن لیث کو یہ خبر پہنچ گئی۔ وہ پہلے ہی اس کے حسن و جمال اور دولت مندی کی وجہ سے اس پر فریفتہ ہو رہا تھا۔ جھٹ اس کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا کہ تمہارا خاوند تو تمہیں چھوڑ

بیٹھا ہے۔ میں ایک معزز خاندان کا فرد ہوں۔ تم مجھ سے شادی کر لو۔ وہ راضی ہو گئی۔ رافع نے اسے یہ حیلہ بتایا کے موجودہ حالت میں تو میں تم سے شادی کر نہیں سکتا کیونکہ تمہارا شوہر زندہ ہے اور اس نے تمہیں طلاق نہیں دی۔ تم یہ کام کرو کہ اسلام سے بیزاری کا اظہار کر کے مرتد ہو جاؤ اور کچھ لوگوں کو اس پر گواہ بنالو۔ یہ کام کرنے کے بعد تم توبہ کر لینا۔ اب تمہاری شادی مجھ سے جائز ہو جائے گی۔ اس نے ایسا ہی کیا اور رافع نے جھٹ اس سے نکاح کر لیا۔

جب یحییٰ بن اشعث کو یہ خبر پہنچی تو وہ روتا پیٹتا ہارون کے پاس پہنچا اور اسے سارا ماجرا سنایا۔ ہارون ناراض ہوا اور علی بن عیسیٰ کو حکم بھیجا کہ دونوں کو جدا کر دو اور رافع کو پہلے تو بے حد مارو اور پھر ایک گدھے پر سوار کر کے سارے سمرقند میں پھراؤ تا کہ دوسرے کی عبرت کا سامان بنے۔ اس کے بعد اسے قید کر دو۔

سمرقند کے عامل سلیمان بن حمید نے مار تو معاف کر دی لیکن باقی سزائیں جن کا خلیفہ نے حکم دیا تھا دے دیں پھر اسے قید کر دیا۔ وہ قید سے بھاگ نکلا اور وہاں سے سیدھا علی بن عیسیٰ کے پاس پہنچا اور امان کا طالب ہوا۔ علی نے اسے تو کچھ جواب نہ دیا لیکن جلاد کو اس کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔ اب اس کا بیٹا عیسیٰ بن علی آڑے آیا اور اس نے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرا دی۔ اس عورت کو دوبارہ طلاق دلوائی اور رافع کو سمرقند واپس جانے کی اجازت دلوا دی۔ چنانچہ وہ سمرقند چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سمرقند کے عامل سلیمان بن حمید کو قتل کر دیا اور خود طاقت حاصل کرنی شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے ماوراء النہر تک اپنا اثر قائم کر لیا اور لوگوں نے جوق در جوق آ کر اس کے بیعت کرنی شروع کر دی۔

جب یہ خبریں علی بن عیسیٰ کو پہنچیں تو اس نے اپنے لڑکے کو اس کے مقابلے کے لئے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر رافع نے زبردست طاقت حاصل کر لی تھی۔ اہل نسف نے اس کو لکھا کہ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ آپ کچھ آدمیوں کو بھیجئے، تا کہ کسی طرح عیسیٰ بن علی کو قتل کیا جاسکے۔ چنانچہ اس نے شاس اور فرغانہ کے ترکوں کی ایک جماعت بھیجی، جس نے جا کر عیسیٰ بن علی کو قتل کر ڈالا لیکن اس کے ساتھیوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔

علی بن عیسیٰ اس وقت بلخ میں تھا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کا حال سنا تو وہ وہاں سے بھاگا اور مرو پہنچا، کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ کہیں رافع یہاں تک نہ پہنچ جائے اور اس کا بھی وہی حشر ہو جو اس کے بیٹے کا ہوا۔

اس کے بیٹے عیسیٰ نے بلخ میں اپنے گھر کے باغ میں ایک بیش بہا خزانہ، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تیس لاکھ دینار کی مالیت کا تھا، چھپا رکھا تھا۔ اس بھید کو سوائے اس کی ایک لونڈی کے اور کوئی نہ جانتا تھا، حتیٰ کہ علی بن عیسیٰ کو بھی اس کی خبر نہ تھی۔ جب علی بن عیسیٰ بلخ سے بھاگ نکلا تو اس لونڈی نے بعض غلاموں کو یہ بات بتا دی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر شہر میں بھی پہنچ گئی اور لوگوں نے آ کر وہ خزانہ لوٹ لیا۔

جب ہارون کو یہ خبریں ملیں کہ علی بن عیسیٰ بغیر اس کی اجازت کے بلخ سے نکل کر بھاگ گیا اور اتنا زبردست خزانہ جو لوٹ مار کے ذریعے اور خراج میں سے خیانت کر کے جمع کیا گیا تھا اس کے پائیں باغ میں سے نکلا ہے، ادھر وہ رافع کا مقابلہ کرنے سے بالکل عاجز ہو گیا ہے، جس سے اس کی خیانت، بزدلی اور سیاست سے نا اہلی پوری طرح ظاہر ہو گئی ہے تو اسے سخت طیش آیا اور اس نے اسے معزول کرنے اور سخت باز پرس کرنے کا ارادہ کیا۔

اس نے اس غرض سے ہرثمہ بن اعین کو، جو بہت بہادر جرنیل تھا، بلایا اور اس سے رازدارانہ کہا کہ سرحد مشرق پر گڑبڑ ہو رہی ہے۔ اہل خراسان نے علی بن عیسیٰ کی ولایت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ خود بھی میرے احکامات کو پس پشت ڈال کر اپنی من مانی کرتا رہا ہے، اور اب اس نے مجھے مدد بھیجنے کے لئے لکھا ہے۔ میں اسے لکھتا ہوں کہ تمہاری درخواست پر مدد بھیجی جا رہی ہے، اور میں تمہیں مال و اسباب، ہتھیار اور فوج دے کر وہاں بھیج رہا ہوں۔ یہ سن کر وہ مطمئن ہو جائے گا کہ واقعی اس کے لئے خلیفہ نے کمک بھیجی ہے۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے ایک دستاویز لکھ دوں گا، جس کے متعلق کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ جب تم نیشاپور پہنچ جاؤ تو پھر جو کچھ اس اعلان میں لکھا ہو گا اس کے مطابق عمل کرنا۔ ادھر میں تمہارے ساتھ ہی ایک خادم کے ہاتھ علی بن عیسیٰ کو بھی ایک خط بھیجوں گا۔ اس خادم کو بھی یہ پتہ نہ ہونے پائے کہ تم کس مقصد کے لئے خراسان جا رہے ہو، بلکہ یہ بات بالکل مخفی رہے۔ اپنے لشکر میں بھی اس بات کا اظہار کر دینا کہ تم علی بن عیسیٰ کی مدد کے لئے جا رہے ہو۔ اس کا یہ فائدہ ہو گا کہ علی بن عیسیٰ بالکل مطمئن رہے گا اور اس کے دل میں بغاوت یا بھاگنے کا خیال تک پیدا نہ ہو گا۔

علی بن عیسیٰ کو جو خط ہارون نے لکھا، اس میں اس کی ساری کرتوتوں کو طشت از بام کرتے ہوئے، وہ مقصد بھی بتایا گیا تھا جس کے لئے اس نے ہرثمہ کو بھیجا تھا۔ ہرثمہ کو جو دستاویز لکھ کر دی، وہ مندرجہ ذیل تھی۔

"یہ وہ عہد ہے جو ہارون الرشید امیر المومنین نے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کا والی اور نگران خراج بناتے ہوئے کیا ہے۔ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔ خدا اور رسول کی پوری اطاعت کرے اور خدا کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرے۔ ہر بات میں کتاب اللہ کے احکامات کے مطابق عمل کرے۔ خدا تعالیٰ نے جن باتوں کو حلال قرار دیا ہے انہیں حلال سمجھے اور جنہیں حرام قرار دیا ہے، انہیں حرام سمجھے، اور جو متشابہات ہوں ان پر بطور خود عمل نہ کرے بلکہ ان کے متعلق فقہا اور علماء سے پوچھے یا اپنے امام کو اس کی خبر دے تاکہ وہ اسے خدا تعالیٰ کے احکام کی صحیح حقیقت بتا سکے۔ اسے اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ فاسق علی بن عیسیٰ اس کے بیٹوں اور اس کے عمال کو گرفتار کرلے۔ ان کے ذمے امیر المومنین کا جو خراج اور مسلمانوں کی جو غنیمتیں نکلتی ہیں وہ ان سے اگلوائے۔ جب یہ معاملہ صاف ہو جائے، تو پھر مسلمانوں اور معاھدین کے حقوق کی جانچ پڑتال کرے اور جس کا کوئی حق کسی کے ذمے نکلتا ہو وہ اس کو دلوائے۔ اگر امیر المومنین یا مسلمانوں کے حقوق میں سے کسی نے کچھ غصب کیا ہو اور وہ اس کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہو تو پھر ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دے کر مجبور کرے کہ وہ سب حقوق ادا کر دیں۔ اس کے بعد ان کو پابہ جولاں ذلت کے ساتھ امیر المومنین کے دربار میں بھیج دے۔ وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی اور حسن کا سلوک کرے، ان کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آئے، انہیں ان کی توقعات سے بڑھ کر صلہ دے، انہیں ہر حملے سے بچائے، وہ کام کرے جن سے خدا تعالیٰ اور اس کا خلیفہ خوش ہو۔ یہ میرا عہد نامہ ہے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور میں اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں، حاملین عرش اور آسمان کے ساکنین کو گواہ بناتا ہوں۔ و کفیٰ باللہ شہیدا"۔

ہرثمہ خراسان روانہ ہوا اور ہارون کے احکامات پر پوری طرح عمل کیا۔ جب وہ مرو پہنچا تو علی بن عیسیٰ اس کے استقبال کے لئے نکلا۔ اسے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہرثمہ دربار خلافت سے اس کی گرفتاری کے لئے مقرر ہو کر آیا ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ محل میں لے گیا۔ محل میں جا کر ہرثمہ نے ہارون کا فرمان، جو اس نے علی بن عیسیٰ کے لئے لکھا تھا، اسے سنانا شروع کیا۔ اس کے منہ سے پہلا فقرہ نکلتے ہی علی بن عیسیٰ کے چھکے چھوٹ گئے اور شروع ہی میں اسے اپنے انجام کی خبر ہوگئی۔ فرمان سنانے کے بعد ہرثمہ نے اسے اور اس کے بیٹوں کو عمال سمیت قید کرلیا۔ اس کے بعد وہ جامع مسجد گیا اور وہاں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بتایا کہ امیر المومنین نے علی بن عیسیٰ کی سرکشیوں، ظلموں اور فسق و فجور کی وجہ سے اسے قید کر لینے کا حکم دیا ہے اور مجھے اس کی جگہ والی بنا کر

بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے بلا رورعایت کے انصاف کروں۔ انہیں ان کے حقوق دلاؤں۔ اوران پر جو کچھ ظلم ہو چکے ہیں، ان کا ازالہ کروں۔ پھر اس نے وہ فرمان جو ہارون نے اسے لکھ کر دیا تھا ایک آدمی کو پڑھ کر سنانے کا حکم دیا۔ اس پر لوگ بے حد خوش ہوئے۔ ہر طرف شادمانی کی لہر دوڑ گئی اور لوگ بے اختیار امیر المومنین کو دعائیں دینے لگے۔

اس کے بعد ہرثمہ نے علی بن عیسیٰ اور اس کے خاندان اور غلاموں کے پاس جو کچھ مال و اسباب تھا، اسے جمع کیا اور پندرہ سو اونٹوں پر لدوا کر بغداد روانہ کر دیا۔ خراسان پہنچ کر اس نے جو کچھ کیا تھا، اس کی مفصل کیفیت بھی ہارون کو لکھ بھیجی۔ جب یہ سب کچھ ہو لیا تو اس نے علی بن عیسیٰ کو مع اس کے بیٹوں کے، پا بہ زنجیر بغداد روانہ کر دیا۔

اب ہرثمہ نے رافع کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ لیکن وہ اس کے قابو میں نہ آسکا۔ آخر کار اس کے استیصال کے لئے خود ہارون ماہ ربیع الثانی ۱۹۳ھ ۸۰۸ء میں خراسان روانہ ہوا۔ یہ اس کا آخری سفر تھا۔ اسی سفر میں اس کا طوس پہنچ کر انتقال ہو گیا۔ رافع کا اس وقت تو استیصال نہ ہو سکا لیکن مامون کے زمانہ میں اس نے بغیر لڑے بھڑے خلیفہ وقت کی اطاعت قبول کر لی۔

ہارون کی وفات

رافع کی بغاوت کو جب ہرثمہ بھی فرو نہ کر سکا تو ہارون نے اس کے استیصال کے لئے خود خراسان جانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ اس سفر کے لئے روانہ ہوا تو اس کی طبیعت خراب تھی۔ راستے کی دشوار گزاری اور طوالت نے اس کی صحت پر اور بھی برا اثر ڈالا۔ اسی حالت میں اسے فضل بن یحیٰ کی وفات کی خبر پہنچی۔ ہارون اور فضل ہم عمر تھے۔ چونکہ ہارون کو علم نجوم پر بہت اعتقاد تھا۔ اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ ستاروں کی گردش کا اس پر اور فضل پر یکساں اثر ہوتا ہے۔ اس لئے جونہی اس نے سنا کہ فضل کی قید خانے میں وفات ہو گئی۔ اسی وقت سے اسے اپنی موت کا بھی یقین ہو گیا۔ اس نے خراسان کی جانب ابھی دو چار ہی منزلیں طے کی ہونگی کہ اس نے اپنے ایک ندیم سے کہا "مجھے یقین ہے کہ میرا آخری وقت قریب ہے اور میں تم لوگوں میں زیادہ عرصہ نہ رہوں گا، کیونکہ مجھے جو تکلیف ہے تم اس سے واقف نہیں ہو"۔

ہارون اگرچہ بیمار تھا لیکن وہ اپنے مرض پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ انتہائی درد و کرب کی حالت میں اپنا سفر طے کر رہا تھا لیکن سوائے اپنے خاص ندیموں کے اور کسی سے اپنا حال کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کے تمام ساتھی اس کی موت کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں اور بعض لوگ اس کے دونوں بیٹوں کی طرف سے جاسوسی کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ مسرور، مامون کا جاسوس تھا اور جبریل بن بختیشوع طبیب، امین کی جانب سے اس کا نگران تھا۔

دونوں ولی عہد، دوسرے لوگوں سے بھی زیادہ بے صبری سے اپنے والد کی موت کی گھڑیاں گن رہے تھے، تاکہ اس کی وفات کے بعد وہ خلافت اور حکومت سے اپنا حصہ پا سکیں اور سلطنت کے خزانوں کو اپنے قبضے میں لا کر اپنے لئے عیش و آرام کے سامان بہم پہنچا سکیں۔ امین تو روزانہ ایک سوار بغداد سے ہارون کے لشکر میں بھیجا کرتا تھا کہ وہ ہارون کی صحت کے متعلق معلوم کر کے اسے بتایا کرے۔

آہستہ آہستہ ہارون کی کمزوری بڑھتی گئی اور وہ مزید سفر کرنے کے بالکل قابل نہ رہا۔ مجبوراً اس کو خراسان کے شہر طوس میں پڑاؤ کرنا پڑا۔

خلیفہ شہر کے نواح میں ایک پر فضا جگہ منتقل ہو گیا۔ اور اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ طبیب کو حاضر کیا جائے۔ طبیب آیا اور اس نے ہارون کا اچھی طرح معائنہ کیا، لیکن اس کی حالت دیکھ کر مایوسی کا

اظہار کیا اور اس کے ندیموں سے کہہ دیا کہ امیر المومنین اب جانبر نہیں ہو سکتے۔ ان سے کہہ دو کہ اگر وہ کوئی وصیت کرنا چاہتے ہیں تو کر دیں۔

ہارون کو جب طبیب کا یہ جواب سنایا گیا تو وہ بے اختیار رو پڑا۔ اس وقت اس کی زبان سے یہ دو شعر نکلے۔

ان الطبیب بطبہ و دواۂ لا یستطیع دفاع محذوراتی
ماللطبیب یموت بالداء الذی قد کان یبریء مثلہ فیما مضٰی

(طبیب، اپنے تمام علم طب اور دوا کے باوجود میری بیماریوں کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ طبیب کا علم کس کام کا، کہ وہ اسی دوا کے استعمال سے مر جاتا ہے جس کے استعمال سے پچھلے لوگ اچھے ہو گئے ہوں)۔

آخر اس کی طاقت نے جواب دینا شروع کر دیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر تمام فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی۔ جب اسے یہ بات معلوم ہوئی، تو اس نے ایک گھوڑا حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب گھوڑا آیا تو اس نے گھوڑے پر سوار ہونے کی بڑی کوشش کی، تا کہ فوج اس کو بچشم خود دیکھ لے اور اس کی گھبراہٹ جاتی رہے، لیکن اپنی کوشش کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور مجبوراً اسے واپس اپنے بستر پر جانا پڑا۔

اب ہارون کو چارپائی سے اٹھنے کا بھی یارا نہ رہا۔ ہر وقت موت اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کرتی رہتی تھی اور موت ہی کے خواب نظر آتے رہتے تھے۔

جبریل بن بختیشوع کا بیان ہے کہ ایک روز میں رقہ میں ہارون کے پاس حاضر ہوا۔ وہ اس وقت بالکل چپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ میں نے طبیعت دریافت کی تو اس نے کہا، آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص کا ہاتھ میرے بستر کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے کچھ سرخ مٹی دکھائی۔ اسی وقت ایک آواز آئی کہ یہ اس زمین کی مٹی ہے جہاں تم دفن کئے جاؤ گے۔ میں نے دریافت کیا کہ اس علاقے کا نام کیا ہے۔ جواب ملا "اس علاقے کا نام طوس ہے"۔

جبریل کہتا ہے میں نے خلیفہ کو تسلی تشفی دی اور کہا کہ خراسان کی بغاوت کی وجہ سے آپ کے خیال پریشان ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے ایسے خواب نظر آ رہے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ لیکن جب طوس میں خلیفہ کی طبیعت بگڑ گئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ رقہ میں میں نے تم سے جو خواب بیان کیا تھا وہ تمہیں یاد ہے؟ اس کے بعد مسرور کو حکم دیا اس باغ کی مٹی جہاں میں مقیم ہوں، ہتھیلی پر اٹھا

لاؤ۔ مسرور فوراً اس باغ کی مٹی اپنی ہتھیلی پر اٹھا لایا اور خلیفہ کو دکھائی۔ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی کہا ''یہ وہی سرخ مٹی ہے اور یہ وہی ہاتھ اور بازو ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا''۔

اس کے بعد اس نے کفن تیار کرنے اور قبر کھودنے کا حکم دیا۔ جب قبر کھد کر تیار ہو گئی اور خلیفہ نے اسے دیکھا تو اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

ماأغنی عنی مالیہ ۔ هلك عنی سلطانیہ

(میرے مال نے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ میرا تمام غلبہ واقتدار جاتا رہا)۔

اصمعی ذکر کرتا ہے کہ میں ہارون کے پاس اس کے مرض الموت کے حالت میں گیا۔ میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے وہ اسے پڑھ رہا ہے اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ جب ہارون نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا اور وہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کاغذ پر ابوالعتاہیہ کے چند اشعار لکھے تھے۔

هل انت معتبر بمن خلت منذ غداة مضٰی د سا کره
و بمن اذل الموت مصرعہ فتبرأت منه عشائره
وبمن خلت منه اسرته وبمن خلت منه منابره
ابن الملوک و ابن غیر هم صاروا مصیراً انت صائره
یا مؤثر الدینا بلذته والمستعد لمن یفاخره

نل مـا بـدالك ان تـنـال من الـدنيـا فـان الـموت آخـره

(کیا تو ان لوگوں سے عبرت نہیں پکڑتا جو تجھ سے پہلے گزر گئے۔ جنہیں موت نے پچھاڑ کر خاک میں ملا دیا، ان کے محلات اور جاہ وحشم کے سامان ان کے کچھ کام نہ آئے۔ ان کے دوست احباب اور رشتہ داران کی کچھ مدد نہ کر سکے اور ان کی سب شان وشوکت خاک میں مل گئی۔ موت کے آگے نہ بادشاہوں کا کچھ زور چل سکا اور نہ دوسرے لوگوں کا۔ وہ سب اسی منزل کی طرف روانہ ہو گئے جہاں کا سفر اب تجھے درپیش ہے۔ اے وہ شخص جو دنیا کو اس کی لذتوں کی وجہ سے ترجیح دیتا ہے اور دنیوی فخر ومباہات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے! جتنا ہو سکے دنیا سے فائدہ اٹھا لے کیونکہ بالآخر موت کے ذریعے سے آرام وآسائش کے سب اسباب چھن جانے والے ہیں)۔

اصمعی کہتا ہے کہ جب میں یہ اشعار پڑھ چکا تو ہارون نے کہا ''ان اشعار کا مخاطب اس وقت میں ہی ہوں''۔

۳ جمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۲ مارچ ۸۰۹ء کو ہارون کی طبیعت پچھلے دنوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ خراب تھی، اسی حالت میں اس کے حاجب نے اسے آ کر بتایا کہ رافع کا بھائی بشیر جو باغیوں کا سرغنہ ہے، قید کر کے لایا گیا ہے۔ ہارون نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ اس کے سامنے لایا گیا تو ہارون نے کہا:۔

''تو نے مجھے انتہائی شدید تکلیف دی ہے، مجھے باوجود سخت بیماری اور ضعف کے یہ سفر اختیار کرنا پڑا۔ خدا کی قسم میں تجھے اس طرح قتل کراؤں گا کہ اس سے پہلے آج تک کسی نے کسی کو نہ کرایا ہوگا''۔

چنانچہ اس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کے سامنے اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب ہارون نے دیکھا کہ اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے تو اس نے تمام بنی ہاشم کو، جو لشکر میں موجود تھے، بلایا اور انہیں یہ وصیت کی:۔

''ہر مخلوق کو بالآخر موت کا شکار ہونا ہے۔ اس وقت جو کچھ میری حالت ہے وہ تم پر عیاں ہے۔ میں تمہیں تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ پہلی یہ کہ اپنی امانتوں کی حفاظت کرنا دوسری یہ کہ اپنے حاکموں کی ہر وقت خیر خواہی کرنا تیسرے یہ کہ ہمیشہ متحد رہنا۔ تم لوگ محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) پر ہمیشہ نظر رکھنا۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے بھائی کے خلاف بغاوت کرنا چاہے تو اسے اس بغاوت سے باز رکھنا''۔

''ہم یہاں فتنے کا قلع قمع کرنے اور باغیوں سے جنگ کرنے آئے تھے۔ تم اپنا کام ختم مت سمجھنا بلکہ لشکر کے ساتھ خراسان جانا اور فتنے کی جڑ کاٹنے اور باغیوں کو عبرت ناک سزائیں دینے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ میری وفات سے تم دلگیر نہ ہونا کیونکہ میرے اجداد میں سے کسی نے بھی راحت و آرام سے جان نہیں دی''۔

اس کے بعد اس نے بہت سا مال و اسباب اپنے خاص ساتھیوں اور خادموں میں ان کی گزشتہ خدمات کے صلے میں تقسیم کیا۔ اسی روز رات کو یہ جلیل القدر خلیفہ دنیاوی تکالیف اور رنج و کرب سے نجات پا کر اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ **کل من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والا کرام۔**

وفات کے بعد اس کے تین غلاموں، مسرور، حسین اور راشد نے اسے غسل دیا اور کفن پہنایا اور شہر طوس میں اسی قبر میں، جس کے بنوانے کا ہارون نے اپنی زندگی میں ہی حکم دیا تھا۔ دفنا دیا۔

جنازے کی نماز اس کے بیٹے صالح نے پڑھائی۔ مامون اس وقت حاضر نہیں تھا، وہ کچھ عرصہ پہلے خراسان کے دارالحکومت مرو چلا گیا تھا تاکہ وہاں لشکر کی رہائش اور اس کی رسد اور سامان خوراک وغیرہ کا انتظام کر سکے۔

امین کی خلافت

تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس فصل میں امین کی خلافت اور اس کی عبرت ناک انجام کے متعلق مختصراً عرض کیا جائے گا تاکہ قارئین ان حوادث سے بھی باخبر ہوسکیں جو ہارون کی وفات کے بعد پیش آئے اور اس اندرونی فساد اور خانگی فتنے کے اسباب معلوم کرسکیں جس نے امین کی خلافت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

ہارون نے لوگوں سے امین کی اور اس کے بعد مامون کی ولی عہدی کی بیعت لی تھی۔ اور باقاعدہ فرمان بھی لکھا تھا۔ جس پر متعدد افسران فوج اور سلطنت کے معزز عہدہ داروں کے دستخط بھی بطور گواہ کرائے تھے۔ بعدازاں اس معاہدے کی نقلیں سلطنت کے تمام حصوں میں بھیج دی تھیں اور ایک نقل خانہ کعبہ میں بھی لٹکا دی تھی۔ غرضیکہ ہارون نے اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی تھی کہ اس کے بعد اس کے فرمان پر پوری طرح عمل ہو۔ جب ہارون نے طوس میں وفات پائی اس وقت مامون خراسان میں تھا۔ اس کے ساتھ فوج کے بڑے بڑے افسر تھے۔ اور اس کا زبردست مددگار فضل بن سہل بھی اسی کے ساتھ تھا۔ امین بغداد میں تھا اور اس کا پرجوش حامی فضل بن ربیع جو رشید کا وزیر تھا، ہارون کے ساتھ طوس میں تھا۔

ہارون کی وفات کے بعد فضل بن ربیع نے تمام لشکر کو اکٹھا کیا اور اسے لے کر بغداد کی طرف چل پڑا۔ حالانکہ ہارون نے وصیت کر دی تھی کہ لشکر خراسان کی حفاظت کے لئے مامون کے حوالے کر دیا جائے۔ ہارون کے بیٹے صالح نے ایک غلام کے ذریعے اپنے والد کی وفات کی خبر فوراً امین کو بھجوا دی۔ وہ غلام تیزی سے سفر کرتا ہوا بارہ روز میں بغداد پہنچ گیا۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ خاندان برامکہ کی تباہی کا ذمہ دار فضل بن ربیع ہی تھا جو فطرتاً بڑا مفسدہ پرداز واقع ہوا تھا۔ یہی شخص امین اور مامون کی باہمی عداوت کا موجب بنا اور اسی شخص کی فتنہ پردازیوں سے وہ ہولناک جنگ وقوع میں آئی جس میں امین کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

جب ہارون طوس میں تھا تو اس نے لشکر کے سپہ سالاروں سے اپنے بیٹے مامون کے لئے دوبارہ بیعت لی تھی۔ اور تمام افسروں اور کل لشکر کو اس بات پر گواہ بنایا تھا کہ اس کی وفات کے بعد تمام لشکر مامون کے حوالے کر دیا جائے گا اور لشکر کے ساتھ جو کچھ مال ومتاع اور سامان جنگ ہے وہ بھی مامون کو دے دیا جائے گا۔ امین کو بھی یہ خبریں برابر پہنچتی رہتی تھیں تاہم شروع میں اس کا ارادہ ان معاہدوں کو توڑنے کا نہ تھا جو اس نے اپنے باپ سے کئے تھے۔

جب ہارون کی وفات ہوگئی تو امین نے مامون کو خراسان خط لکھا جس میں اپنے والد کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں سے اس (امین) کی خلافت اور اپنی (مامون کی) اور قاسم موتمن کی ولی عہدی کی بیعت لے۔

اس کے علاوہ ایک خط اپنے بھائی صالح کو طوس لکھا جس میں اسے بھی حکم دیا کہ وہ تمام لشکر سے ان شرائط کے مطابق جو ہارون نے مقرر کی تھیں، امین کی خلافت اور مامون اور قاسم کی ولی عہدی کی بیعت لے اور لشکر اور سامان جنگ کے ساتھ مامون کے پاس پہنچ جائے۔ اسی خط میں اس نے یہ بھی لکھا کہ تم فضل بن ربیع کے مشورہ کے بغیر کسی اہم کام میں ہاتھ نہ ڈالنا۔ اگر تم لشکر کو کچھ عطیہ دینا چاہو تو یہ کام فضل بن ربیع کے ذریعے سے ہی سرانجام دینا کیونکہ آج تک فضل ہی یہ سب کام کرتا چلا آیا ہے۔

جب امین کے خطوط طوس پہنچے تو لشکر کے افسروں، سلطنت کے عہدہ داروں اور ہارون کے بیٹوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ بہت کچھ بحث وتمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ بجائے مامون کے پاس جانے کے واپس امین کے پاس پہنچنا چاہیے۔ یہ رائے دینے میں فضل بن ربیع سب سے پیش پیش تھا اور اسی نے تمام لشکر کو بغداد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ فوج نے اپنے گھروں کو واپس جانے اور اپنے بیوی بچوں سے ملنے کی خوشی میں اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ان وعدوں کو پس پشت ڈال دیا جو ہارون نے ان سے لئے تھے۔ خراسان میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی وہ سب اس کو فرو کرنے کے لئے آئے تھے لیکن انہوں نے کسی بات کا خیال نہ کیا۔

جب فضل بن ربیع امین کے پاس پہنچا تو اس نے سلطنت کا سارا کاروبار فضل بن ربیع کے سپرد کر دیا اور خود لہو ولعب اور عیاشی میں ڈوب گیا۔ حالانکہ اس وقت کی سیاسی حالت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ سلطنت کے معاملات کی طرف نہایت ہوشیاری اور تدبر کے ساتھ توجہ کی جاتی۔

اس کے برخلاف مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اسے مشورہ دیا کہ وہ حسن سیرت اور نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کرے اور ہر قسم کے لہو ولعب سے پرہیز کرے تاکہ وہ لوگوں کے دل اپنی طرف کھینچ سکے۔ خود مامون بھی نہایت عقل مند اور مدبر شخص تھا، سلطنت کے معاملات کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا اور لہو ولعب کے پاس بھی نہ پھٹکتا تھا۔ انہی صفات کی وجہ سے خراسان میں اس کے پاؤں اچھی طرح جم گئے۔ فوج کے تمام جرنیل، عہدے دار اور عامۃ الناس دل وجان سے

اس کے ساتھ تھے۔

فضل بن ربیع نے مامون کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور ہارون کی وصیت کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے طوس سے فوجیں لے کر بجائے خراسان جانے کے بغداد چلا آیا تھا تو اسے ڈر تھا کہ اگر مامون خلیفہ بن گیا تو وہ اس سے ضرور سخت انتقام لے گا اور وزارت کی ساری شان و شوکت اس سے چھن جائے گی۔ اس لئے اس نے امین کو مشورہ دیا کہ وہ مامون کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر دے۔ فضل کی اس رائے سے امین کے بعض دوسرے حاشیہ برداروں نے بھی اتفاق کیا۔ امین بے وقوف تو تھا ہی، ان لوگوں کی باتوں میں آ گیا۔ جب اس کا پتہ امین کے بعض عقل مند اور زیرک مصاحبوں کو لگا تو انہوں نے امین کو ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں کا جو آپ کو اس قسم کے مشورے دے رہے ہیں کوئی بھروسہ نہیں، وقت پڑنے پر یہ سب لوگ بھاگ جائیں گے۔ اور خود آپ کی خلافت سے معزولی کے درپے ہو جائیں گے لیکن امین کی آنکھوں پر پردا پڑا ہوا تھا۔ اس نے ان عاقلانہ اور مفید مشوروں پر قطعاً کان نہ دھرا اور فضل بن ربیع کی رائے پر ہی عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

فضل کے مشورے سے اس نے مامون کو ایک خط لکھا جس میں اس سے بغداد آنے کی استدعا کی۔ مامون اس کے دھوکے میں نہ آیا اور معذوری کا اظہار کر دیا۔ امین نے ہمت نہ ہاری اور برابر اسے خطوط بھیجتا رہا اور اپنے اخلاص کا بڑے شد و مد سے اظہار کرتا رہا۔ آخر مامون کچھ نرم پڑا اور اس نے بغداد جانے کا ارادہ کر لیا، لیکن اس کا وزیر فضل بن سہل آڑے آیا اور اس نے بڑی سختی سے مامون کو ایسا کرنے سے روکا اور اسے صلاح دی کہ وہ خلافت کا دعویٰ کر دے۔ چنانچہ مامون نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں میں شدید عداوت پیدا ہو گئی۔ فضل بن سہل نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ لوگوں کو مامون کی خلافت قبول کرنے کے لئے تیار کیا۔ خراسان کے ان تمام راستوں پر جو مغرب سے آتے تھے محافظ مقرر کر دیئے جو کسی مسافر یا تاجر کو بلا تفتیش گزرنے نہ دیتے تھے۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ خراسان کی کوئی خبر بغداد پہنچنے نہ پائے اور نہ امین اور فضل بن ربیع کی کوئی سازش یہاں پھیل سکے۔ فضل بن ربیع نے چاہا کہ خراسان کے امراء کو مامون کے خلاف کر دے اس غرض کے لئے اس نے کئی خطوط انہیں لکھے لیکن حفاظتی تدابیر کی وجہ سے کوئی خط اور کوئی قاصد بھی خراسان نہ پہنچ سکا اور یہ تمام علاقہ پورے طور پر مامون کا وفادار رہا۔

امین نے بغداد میں خطبے میں سے مامون کا نام نکال دیا تھا اور اس کے طرفداروں کو قید کر لیا

تھا، مامون نے بھی خراسان میں یہی کیا۔ اب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، لیکن جہاں مامون ہر کام انتہائی احتیاط اور غور وفکر سے کرتا تھا وہاں امین کا ہر عمل بے عقلی اور بے تدبیری پر مبنی ہوتا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ مامون نے اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کی جو امین کو کسی طرح شک میں ڈالنے والی ہوتی شروع میں جو خطوط اس نے امین کو بھیجے ان میں اس نے امین کو نہایت تکریم اور تعظیم سے خطاب کیا۔ خطوط کے ساتھ وہ اپنے بھائی کو خراسان سے بیش قیمت تحائف بھی بھیجتا رہتا تھا۔ امین بھی طبیعت کے لحاظ سے برا نہ تھا۔ اس کا ارادہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کرنے اور اس کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد بنانے کا نہ تھا۔ لیکن اس کے وزیر فضل بن ربیع نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کرنا شروع کیا اور آخرکار اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔

امین نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ موتمن کو اس ولایت سے معزول کر کے جس پر ہارون اسے مقرر کر گیا تھا بغداد بلالیا۔ جب مامون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے فوراً یہ اندازہ لگالیا کہ امین اسے بھی معزول کرنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لئے اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں۔ اب امین نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ خراسان میں اس کے بھائی کے مقرر کردہ عمال کا اس جھگڑے کے بارے میں کیا رویہ ہے۔ چنانچہ اس نے رے کے عامل عباس بن عبداللہ بن مالک کو خط لکھا اور اس سے ”رے“ میں اگنے والے کسی پودے کی فرمائش کی۔ اس سے اس کی غرض یہ معلوم کرنا تھی کہ آیا وہ اس کے احکام مان سکتا ہے یا نہیں۔ عباس نے اس کے حسب الطلب پودا بھیج دیا۔ مامون کو بھی اس واقعے کا پتہ چل گیا اور اس نے عباس کو اس کی ولایت سے معزول کر دیا۔

اس کے بعد امین نے مامون کے پاس تین اشخاص پر مشتمل ایک وفد عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ کی سرکردگی میں روانہ کیا تاکہ وہ ولی عہدی میں موسیٰ بن امین کی تقدیم پر راضی ہو جائے۔ مامون نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ فضل بن سہل، عباس بن موسیٰ سے علیحدگی میں ملا اور اسے کثیر انعام واکرام کی امیدیں دلا کر مامون کا طرف دار بنالیا چنانچہ وہ بغداد میں آنے کے بعد خفیہ طور پر یہاں کی خبریں مامون کو بھیجا کرتا تھا اور اسے مشورے بھی دیا کرتا تھا۔

جب مذکورہ وفد ناکام ہو کر بغداد واپس آیا تو فضل بن ربیع نے مامون کی معزولی پر اصرار کرنا شروع کیا۔ چنانچہ امین مامون کی معزولی پر اور اس کے بجائے اپنے بیٹے موسیٰ کو نامزد کرنے پر راضی ہوگیا۔ فضل نے تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیا کہ منبروں پر خلیفہ کے بعد موسیٰ کا نام لیا جایا

کرے اور مامون اور موتمن کے نام خطبوں سے خارج کر دیئے جائیں مکے میں بھی اسی قسم کا ایک فرمان بھیجا اور جس قاصد کے ہاتھ یہ فرمان روانہ کیا، اسے حکم دیا کہ ہارون نے خانہ کعبہ میں جو عہد نامہ لٹکایا تھا وہ اپنے ساتھ لیتا آئے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور عہد نامے کے بغداد پہنچنے پر امین نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ایک عرصے تک دونوں بھائیوں میں خط و کتابت ہوتی رہی لیکن سب بے نتیجہ رہی، کیونکہ دونوں بھائی اپنی اپنی سیاست پر ہی چلنا چاہتے تھے۔ اور دونوں کے وزیر بھی اپنے اپنے آقاؤں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ امین کا وزیر فضل بن ربیع مامون کا سخت دشمن تھا اسے مامون کی خلافت کے ذکر سے بھی لرزہ آتا تھا۔ مامون کا وزیر فضل بن سہل تھا، جس کی پوری کوششیں اس مقصد کے لئے وقف تھیں کہ خلافت مامون کو ملے اور بجائے بغداد کے 'مرو' سلطنت عباسیہ کا دارالحکومت ہو، تاکہ خراسان پھر اپنی پہلی سی عظمت حاصل کر لے۔

اب لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ فضل بن سہل نے ایک عظیم لشکر جمع کیا اور اسے مامون کے غلام طاہر بن حسین خزاعی کی قیادت میں 'مرو' سے 'رے' روانہ کر دیا۔ طاہر نے رے پہنچ کر ہر طرف اپنے جاسوس پھیلا دیئے جو اسے دشمنوں کی حرکات و سکنات سے برابر مطلع کرتے رہتے تھے۔

فضل بن ربیع نے عراقی فوج کی قیادت کے لئے علی بن عیسیٰ کو چنا۔ امین نے اسے جبل، نہاوند، ہمذان اور اصفہان کی ولایت سپرد کی اور اس کے لشکر کو بے شمار سامان جنگ دیا۔

اگر دیکھا جائے تو امین نے علی بن عیسیٰ کو فوج کا سپہ سالار بنا کر اپنے بھائی مامون کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی کیونکہ اہل خراسان اب تک اپنے عامل علی بن عیسیٰ کے ان مظالم کو نہ بھولے تھے جو اس نے ہارون کے عہد میں ان پر ڈھائے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ مامون کا مقابلہ کرنے کے لئے وہی بدنام شخص آرہا ہے تو ان کی غیرت بھڑک اٹھی اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ اب کسی قیمت پر بھی علی بن عیسیٰ کی ماتحتی گوارا نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم شخص کے بدلے میں انہیں مامون جیسا عادل، نرم دل اور نیک سیرت حاکم عنایت فرما دیا تھا۔

علی بن عیسیٰ خراسان روانہ ہونے سے پہلے امین کی والدہ زبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زبیدہ نے اس سے کہا:۔

''اے علی! اگرچہ امیر المومنین (امین) میرا لخت جگر ہے اور مجھے اس سے بے انتہا محبت

ہے۔تاہم مجھے عبداللہ (مامون) سے بھی کچھ کم محبت نہیں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے۔اس لئے جب تم اس پر قابو پالو تو اس سے نہایت نرمی کا سلوک کرنا اور اس کے حقوق کا پوری طرح خیال رکھنا۔اگر وہ کوئی بات کہے تو تم الٹ کر جواب نہ دینا۔کیونکہ تمہارا اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔تم اس سے غلاموں کا سا برتاؤ نہ کرنا۔قید میں اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا۔کسی لونڈی یا خادم کو اس کی خدمت سے نہ روکنا۔سفر میں اس کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھنا۔اس کے سوار ہونے سے پہلے سوار نہ ہونا۔جب وہ سوار ہو جائے تو خود اس کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر تھوڑی دور تک چلنا اگر وہ تمہیں برا بھلا کہے تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنا''۔

یہ نصیحت کرنے کے بعد زبیدہ نے اسے چاندی کی ایک زنجیر دی اور کہا:۔

''جب تم اس پر فتح پالو تو اسے اس زنجیر میں مقید کر کے لانا''۔

علی بن عیسیٰ نے جواب دیا''آپ نے مجھے جو حکم دیا ہے میں اسی کے مطابق عمل کروں گا''۔

علی بن عیسیٰ چالیس ہزار فوج لے کر بغداد سے نکلا۔اس کی فوج کے پاس کثیر سامان جنگ اور وافر سامان رسد تھا۔امین بھی اس کی مشایعت کے لئے کچھ دور تک گیا۔

یہ لشکر منزلیں مارتا رے کے قریب پہنچ گیا، جہاں مامون کا سپہ سالار طاہر بن حسین اپنا لشکر لئے ہوئے مقیم تھا۔علی بن عیسیٰ کو خیال تھا کہ طاہر اس کے مقابلے میں کسی طرح بھی ٹھہر نہیں سکے گا۔وہ اکثر کہا کرتا تھا:۔

''طاہر کی حیثیت کیا ہے؟ وہ میری شاخوں کی ایک ٹہنی ہے اور میری آگ کا ایک شرارہ۔ اسے کیا خبر جنگ کیا ہوتی ہے۔کہاں غلام کہاں لشکر کشی؟ وہ میرے مقابلے سے اس طرح بھاگے گا جس طرح لومڑی شیر سے بھاگتی ہے''۔

اس کے بیٹے نے اسے مشورہ دیا کہ ہمیں ہراول دستے ادھر ادھر بھیجنے چاہئیں۔طاہر کے لشکر میں جاسوس مقرر کر دینے چاہئیں اور اپنے لشکر کے مقام کے لئے کوئی مناسب موقعہ تلاش کرنا چاہئے۔

علی بن عیسیٰ ہنسا اور کہنے لگا''طاہر کے لئے ان حیلوں اور تیاریوں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ یا تو رے میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے گا اور محاصرے سے تنگ آ کر اہل شہر خود اس کا خاتمہ کر دیں گے یا وہ بھاگ جائے گا اور ہمیں لڑنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی''۔

جب علی بن عیسیٰ رے کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اسے پتہ چلا کہ طاہر نے جنگ کے لئے کس قدر انتظام کئے ہوئے ہیں۔اس نے عام راستہ چھوڑ کر رے کے نواح میں اپنا پڑاؤ ڈالا اور

جنگ کے انتظامات کرنے لگا۔

طاہر کے ساتھ صرف چار ہزار سوار تھے۔ جب اس نے علی بن عیسیٰ کے چالیس ہزار کے لشکر کو دیکھا تو سوچا کہ اس وقت اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالنے کے علاوہ علی کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی اور کوئی سبیل نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام سپاہیوں کو جمع کیا۔ انہیں چند ہدایتیں دیں اور پھر یک دم انتہائی بہادری کے ساتھ صرف سات سو سوار اپنے ہمراہ لے کر علی بن عیسیٰ کی فوج کے قلب میں گھس گیا اور اپنے قلیل لشکر کے ساتھ دشمن کا اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ اسے پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی۔ علی بن عیسیٰ قتل ہوا۔ طاہر نے اس کا سر مامون کے پاس روانہ کیا اور ایک خط میں فتح کی خوشخبری ان الفاظ میں دی:۔

''میں امیر المومنین کو یہ خط اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ علی بن عیسیٰ کا سر میرے سامنے پڑا ہوا ہے۔ اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اس کا لشکر میرے ماتحت ہے''۔

جس قاصد کے ہاتھ اس نے یہ خط اور سر بھیجا وہ مامون کے پاس تین دن میں پہنچ گیا حالانکہ رے اور مرو کے درمیان ڈھائی سو فرسخ کا فاصلہ ہے۔

جب امین کو علی بن عیسیٰ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اس وقت مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ اس نے قاصد سے کہا:۔

''ابھی ٹھہرو۔ مجھے پریشان نہ کرو۔ کوثر نے تو دو مچھلیاں پکڑ لی ہیں اور میں نے ابھی تک ایک بھی نہیں پکڑی''۔

امین کے آدمیوں اور حاشیہ برداروں کو اس بات کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ خراسان میں علی بن عیسیٰ کے ساتھ یہ گزرے گی۔ اور اس کا تمام لشکر مامون کے قبضہ میں آجائے گا۔ یہ خبر سن کر ان کے اوسان جاتے رہے۔ تاہم فضل بن ربیع نے عبدالرحمٰن بن جبلہ ابناری کی سرکردگی میں بیس ہزار فوج دوبارہ مامون کے مقابلے کے لئے روانہ کی۔ اس لشکر کو ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے مسلح کیا گیا تھا اور بڑے بڑے بہادر اور جری اس میں شامل تھے۔ فضل بن ربیع نے عبدالرحمٰن کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ لشکر کی حفاظت کا اچھی طرح انتظام کرے اور علی بن عیسیٰ نے جس لاپروائی اور غرور کا مظاہرہ کیا تھا اس سے دور رہے۔

عبدالرحمٰن لشکر لے کر ہمدان پہنچا وہاں کے قلعے کو ٹھیک ٹھاک کرایا۔ فصیلیں اور دروازے درست کرائے۔ قلعے کی کمزور جگہوں کی مرمت کروائی اور اس میں جگہ جگہ آلات حرب نصب کر

دیئے۔کئی ماہ کی غذا بھی قلعے میں اکٹھی کرلی۔اس طرح طاہر سے لڑنے کے لئے پوری تیار کرلی۔

جب طاہر کو عبدالرحمٰن کے آنے کی خبر ملی تو وہ بھی اپنی فوج لے کر ہمدان پہنچا۔عبدالرحمٰن اپنی منظم فوج لے کر طاہر کے مقابلہ کے لئے باہر نکلا۔دونوں فریقوں میں سخت جنگ ہوئی لیکن عبدالرحمٰن کو شکست کھانی پڑی اور وہ اپنی شکست خوردہ فوج لے کر قلعے میں داخل ہوگیا،اور ایک لمبے عرصہ تک اسی میں رہا۔جب اس کے لشکر کی حالت ٹھیک ہوگئی اور زخمیوں کے زخم بھر گئے تو دوبارہ مقابلے کے لئے نکلا،لیکن اس بار بھی شکست کھائی اور قلعہ بند ہوگیا۔اب کے طاہر نے قلعے کا بڑا سخت محاصرہ کیا اور باہر سے کھانے پینے کی کوئی چیز اندر نہ پہنچنے دی۔جب عبدالرحمٰن کی فوج کے پاس کھانے پینے کی چیزیں ختم ہوگئیں اور وہ بھوکوں مرنے لگی تو عبدالرحمٰن نے مجبور ہوکر طاہر سے اپنے اور اپنی فوج کے لئے امان طلب کی جو طاہر نے قبول کرلی۔

جب ان واقعات کی خبر دارالخلافے میں پہنچی تو ایک اضطراب برپا ہوگیا۔امین اور فضل بن ربیع نے محسوس کرلیا کہ اب ان کا غلبہ اور اقتدار چند روز کا مہمان ہے۔

ادھر مامون کی ہمت ان پے در پے فتوحات سے بے حد بڑھ گئی اور اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ایک حصے کا سالار ہرثمہ بن اعین کو بنایا جسے ہارون نے خراسان کی ولایت دے کر علی بن عیسیٰ کو رافع کے مقابلے کے لئے بھیجا تھا اور دوسرے حصے کی قیادت طاہر بن حسین کے سپرد کی اور دونوں کو حکم دیا کہ وہ علیحدہ علیحدہ راستوں سے بغداد پر حملہ آور ہوں۔چنانچہ طاہر پہلے فارس گیا اور سارے علاقے پر اپنا تسلط جما لیا۔فارس پر قبضہ کرنے سے اس کی طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔اس کے بعد وہ اہواز اور بصرے کی طرف بڑھا۔راستے میں امین کے جتنے عامل تھے وہ یا تو بھاگ گئے یا انہوں نے مامون کی اطاعت قبول کرلی۔امیر بصرہ منصور بن مہدی نے بھی مامون کی بیعت کرلی یہاں سے فارغ ہوکر طاہر مدائن پہنچا اور بغیر لڑے بھڑے اس پر قابض ہوگیا۔

اسی اثنا میں مکہ اور مدینہ میں امین کے عاملوں نے بھی مامون کی بیعت کرلی۔اس سے مامون کی قوت میں زبردست اضافہ ہوگیا۔طاہر اور ہرثمہ کی فوجیں بڑے اطمینان سے مختلف راستوں سے بغداد کی طرف بڑھیں اور تین اطراف سے اس کا محاصرہ کرلیا۔اب امین کے لئے کوئی جائے فرار نہ رہی۔محاصرہ شدت اختیار کرگیا۔امین کے لشکر کے پاس جو کچھ کھانے پینے کو تھا وہ سب ختم ہوگیا۔اس پر امین نے مجبور ہوکر خزانے کا آرائشی ساز سامان بیچنے کا حکم دیا۔سونے

چاندی کے برتنوں کو پگھلا کر دینار اور درہم ڈھالے تا کہ ان کے ذریعے سے فوج کی خوراک کا کچھ انتظام ہو سکے۔

لیکن محاصرے کی سختیاں بڑھتی گئیں۔ آخر امین کے تمام وسائل دفاع ختم ہو گئے اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر چند روز اور مزاحمت کی گئی تو اس کی اور تمام فوج کی تباہی یقینی ہے۔ اس نے لشکر کے سرداروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اسے یہ صلاح دی کہ وہ ہرثمہ بن اعین سے اپنی جان کی امان طلب کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے۔ امین راضی ہو گیا۔ اور ہرثمہ سے امان طلب کی جو اس نے قبول کر لی۔ جب طاہر کو اس کا علم ہوا تو اس نے امان مسترد کر دی اور مطالبہ کیا کہ امین اس سے امان طلب کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرے۔

امین اپنے آپ کو طاہر کے سپرد کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس کے درباریوں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ خفیہ طور پر اپنے آپ کو ہرثمہ کے سپرد کر دے اور طاہر کو خاتم، چھڑی اور چادر، جو خلافت کا مظہر تھے، بھیج دے۔ ہرثمہ اس پر بھی راضی ہو گیا۔ طاہر کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ وہ چند آدمیوں کو لے کر محل کے قریب پہنچا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب امین محل سے باہر نکلا تو ہرثمہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اسے ایک کشتی میں بٹھایا، جسے وہ اسی غرض کے لئے لایا تھا۔ کشتی ابھی تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ طاہر کے آدمی باہر نکل آئے اور انہوں نے کشتی پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ کشتی الٹ گئی اور ہرثمہ اور امین پانی میں گر گئے۔ ہرثمہ کو تو اس کے آدمیوں نے باہر نکال لیا، امین پانی میں تیرنے لگا لیکن طاہر کے آدمیوں نے اسے پکڑ لیا اور طاہر کے سامنے پیش کر دیا۔ جس نے اس کو قتل کرا دیا۔ یہ دل دوز واقعہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ کی رات کو پیش آیا۔

صبح کو طاہر نے مامون کو خط لکھا جس میں بغداد کی پوری کیفیت سے اس کو مطلع کیا اور وہ اسباب بھی بیان کئے جن کی بنا پر اسے امین کے قتل کا حکم صادر کرنا پڑا۔

اس کے بعد وہ بغداد میں داخل ہوا اور اس کے تمام باشندوں کو امن کا وعدہ دے کر اطمینان دلایا۔ جس روز طاہر بغداد میں داخل ہوا وہ جمعہ کا دن تھا۔ طاہر نے جامع مسجد میں آ کر نماز پڑھائی۔ خطبے میں لوگوں کو تاکید کی کہ وہ مامون کی دل سے اطاعت کریں اور فتنہ و فساد اور سرکشی سے دور رہیں۔ نماز پڑھانے کے بعد وہ اپنے لشکر میں چلا گیا۔ اس طرح امین کی خلافت کا خاتمہ اور مامون کی خلافت کا آغاز ہوا۔

ہم نے ان واقعات کی تفصیل اس لئے بیان کی ہے کہ ہارون کی سیاست اور اس کے عہد

سے ان واقعات کا گہرا تعلق ہے اور اکثر مورخین ان افسوس ناک حوادث کی ذمہ داری سب سے پہلے ہارون پر اور اس کے بعد اس کے وزیر فضل بن ربیع پر ڈالتے ہیں۔

ان خون ریزیوں اور فتنہ فساد کی ذمہ داری ہارون الرشید پر اس لئے ہے کہ اس نے پہلے امین کو ولی عہد بنایا۔ حالانکہ مامون اپنے علم، فضل، تجربے، شعور اور عمر کے لحاظ سے امین پر سبقت رکھتا تھا۔ امین کو اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی کہ وہ ملکہ زبیدہ کا بیٹا تھا۔ لیکن عقلاء کی نظروں میں یہ امر ترجیح کا سبب نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر یہ امر ترجیح کا سبب ہوسکتا تھا تو صرف خواہش پرستوں اور نادانوں کی نظروں میں۔

پھر جب ہارون کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے اس کا تدارک کرنا چاہا۔ لیکن جو کچھ کیا وہ پہلے اقدام سے بھی بدتر تھا، وہ یہ کہ مامون کو امین کے بعد ولی عہد کر دیا۔ اور اس کو ہر قسم کے امتیازات دے کر خراسان اور رے کا مستقل فرمانروا بنا دیا۔ جس کا امین سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا۔

یہ بات یقینی ہے کہ امتیازات جتنے زیادہ ہوں گے مشکلات اور فتنہ و فساد کے دروازے اتنے ہی زیادہ کھلیں گے۔ امین اور مامون اگرچہ بھائی بھائی تھے لیکن دونوں ایک دوسرے کے حریف اور مخالف تھے۔ امین چاہتا تھا کہ وہ خلافت پر پورے طور سے حاوی ہو اور مامون چاہتا تھا کہ وہ اپنے امتیازات سے کلی طور پر متمتع ہو۔ دونوں کے پاس لشکر بھی موجود تھے۔ جنہیں وہ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق استعمال کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ہارون کی وفات کے بعد ان دونوں بھائیوں کے دلوں میں صفائی رہے گی۔

پھر ہارون نے ولی عہدی کے معاملے میں ان دونوں پر ہی اکتفا نہیں کی، بلکہ تیسرے بھائی کو بھی شریک کر دیا اور اس کو جزیرہ اور آرمینیہ میں وہی حقوق عطا کئے۔ جو اس نے مامون کو خراسان میں کئے تھے۔ اس بات نے بھی امین کو اپنا عہد توڑنے کی جرأت دلائی۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں اور اسلامی مملکت کے دو عظیم الشان حصے اس کے حیطہ اقتدار سے باہر ہیں۔

فضل بن ربیع کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی نے ہارون کے زمانے میں برامکہ کی شکایتیں کر کے انہیں مٹایا تھا اور اسی نے امین کو نقض عہد کی جرأت دلا کر اسے تباہ و برباد کرایا۔ حسن سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے بدطینت شخص کو کسی صورت بھی وزارت کی کنجیاں سپرد نہ کی جاتیں۔ لیکن تقدیر کے نوشتے پورے ہونے تھے اور کوئی طاقت انہیں پورا ہونے سے روک نہ سکی۔ وکان امر ا مقضیا۔

ہارون الرشید کے اخلاق وعادات

ہارون الرشید جہاں اپنے وقت کا عظیم الشان سیاسی حکمران تھا۔ وہاں خلیفہ اور محافظ دین بھی تھا۔ جوانی کے زمانے میں تو اسے مذہب سے زیادہ لگاؤ نہ تھا بلکہ وہ لہو ولعب اور راگ رنگ کا بہت شائق تھا، لیکن عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ وہ دینی لحاظ سے بھی کامل ہونے لگا۔ اور بڑا دین دار ار فرائض شرعیہ کا پابند ہو گیا۔ کبھی نماز قضا نہ کرتا تھا اور لڑائی میں مصروف نہ ہونے کی صورت میں کبھی حج سے غیر حاضر نہ ہوتا تھا۔ ایک دن اس کے پاس اس کا ایک مسخرا ندیم ابن ابی مریم مدنی بیٹھا تھا کہ اس نے نماز شروع کر دی اور نماز میں یہ آیت پڑھی "ومالی الا اعبدالذی فطرنی والیہ ترجعون" (مجھے کیا ہو گیا ہے میں کیوں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے)۔

ابن مریم یہ سن کر کہنے لگا:

لا ادری واللہ (خدا کی قسم میں نہیں جانتا)۔

ہارون نماز میں اپنی ہنسی نہ روک سکا لیکن جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے بڑے غصے سے کہا:

"اے ابن مریم! کیا تم نماز میں ایسی باتیں کرتے ہو؟ قرآن اور دین کی باتوں میں ہنسی کی کوئی گنجائش نہیں"۔

وہ اکثر علماء کے مواعظ سنا کرتا تھا۔ وعظ ونصیحت کا اس کے دل پر بہت اثر ہوتا تھا، دوران وعظ میں اکثر اس کے آنسو نکل آتے تھے۔

ایک مرتبہ مشہور واعظ ابن سماک اس کے پاس آئے۔ اس نے ان سے کہا "مجھے کچھ نصیحت کیجئے" اس پر وہ کہنے لگے:

"اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ سے ڈریئے اور اچھی طرح جان لیجئے کہ آپ کو کل اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس روز آپ کے دو ہی ٹھکانے ہوں گے، تیسرا کوئی نہیں ہوگا یا جنت یا دوزخ"۔

ہارون یہ سن کر بہت رویا، یہاں تک کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

ہارون کا وزیر فضل بن ربیع اسے روتا دیکھ کر ابن سماک سے مخاطب ہوا:

"سبحان اللہ! کیا کسی کے دل میں اس بات کا شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پوری نگہداشت کرتے ہیں اور اس کے بندوں سے عدل وانصاف کا برتاؤ کرتے ہیں، پھر آپ کے جنت میں داخل ہونے میں کیا رکاوٹ

ہو سکتی ہے"؟

ابن سماک نے فضل کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور نہ اس کی طرف رخ کیا، بلکہ ہارون سے کہنے لگے:

"اے امیر المومنین! خدا کی قسم یہ (فضل بن ربیع) اس روز نہ آپ کے ساتھ ہوگا اور نہ آپ کے کسی کام آسکے گا، اس لئے آپ اللہ سے ڈریں اور اپنے آپ پر نظر ڈال کر اپنے نفس کی اصلاح کریں"۔

ہارون یہ سن کر اور بھی شدت سے رونے لگا۔ فضل بن ربیع شرمندہ ہو کر رہ گیا اور پھر منہ سے ایک حرف بھی نہ نکالا۔

ہارون اپنے دادا منصور کے قدم بہ قدم چلتا تھا۔ کوئی حاجت مند انعام کے بغیر اس کے پاس سے نہ جا سکتا تھا اور نہ کوئی مخلص عامل اپنی کارگزاریوں کے صلے سے محروم رہتا تھا۔ وہ شعر اور شعراء کو بہت پسند کرتا تھا۔ اہل ادب اور فقہاء کا بڑا گرویدہ تھا اور ریاکاری کو نہایت ناپسند کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا:۔

"ریاکاری کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ریاکار آدمی نہ دنیا میں کسی قسم کا فائدہ حاصل کرتا ہے اور نہ آخرت میں وہ کسی ثواب کا حق دار ہوگا"۔

وہ بڑا شجاع اور بہادر تھا۔ جنگ کے موقعوں پر لشکروں کی قیادت خود کرتا تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی اس کے عہد میں دنیا کے اتنے وسیع رقبے پر اس کا قبضہ نہ رہتا۔ لیکن ساتھ ہی اس میں غصہ بھی بلا کا تھا۔ پھر ایک عیب اس میں یہ تھا کہ وہ انتہا درجے کا وہمی تھا۔ چغل خوروں کی باتیں غور سے سنتا تھا اور ان پر فوراً یقین کر لیتا تھا۔ اگر اسے سلطنت کے کسی عہدے دار کے خلاف جھوٹی سچی کوئی شکایت پہنچتی تو اس کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ اس وقت کوئی شخص اس سے بات کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اگر دشمن اس کے قابو آجاتا تو اسے عبرت ناک سزائیں دیئے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ اس نے کسی دشمن کو معاف کیا ہو"۔

ہارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نبیذ کی قسم کی ایک شراب پیتا تھا۔ جسے فقہاء عراق نے حلال قرار دے دیا تھا۔ وہ راگ کا بہت شائق تھا اور اس کے لئے بڑی بڑی رقمیں لٹا دیتا تھا۔ اس کے زمانے میں بغداد میں موسیقی کے فن نے بڑی ترقی پائی۔

بغداد میں اگر کوئی امیر یا وزیر یا دربار کا کوئی معزز فرد راگ رنگ کی کوئی محفل منعقد کرنا چاہتا

تو وہ اس کی تیاری کے لئے اپنے منتظم کو حکم دیتا تھا جو عمدہ عمدہ کھانے پکواتا اور مغنیوں، ستار بجانے والوں اور ناچنے والی لونڈیوں کا انتظام کرتا تھا۔ شعراء کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ جب یہ تمام انتظام مکمل ہو جاتا تو صاحب مجلس اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ تشریف لاتا۔ تمام لوگ اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر ایک خاص لباس پہن لیتے جو 'مجالس کا لباس' کہلاتا تھا۔ یہ لباس سرخ، زرد اور سبز رنگ کے کپڑوں پر مشتمل اور بہت قیمتی اور باریک ہوتا تھا۔

اس کے بعد گھر کا منتظم انہیں ایک بڑے ہال کمرے میں لاتا، جہاں بہت عمدہ فرش بچھا ہوتا تھا۔ درمیان میں آبنوس کی لکڑی کا ایک چبوترہ ہوتا، جس کے چاروں طرف کرسیاں بچھا دی جاتی تھیں۔ چبوترے پر ریشم کا ایک دسترخوان بچھا ہوتا تھا۔

جب تمام اہل مجلس اکٹھے ہو جاتے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے تو ملازم بلوری صراحیاں لاتے، جن میں نبیذ ہوتی تھی۔ دسترخوان پر مختلف شکلوں اور رنگوں کے جام بھی موجود ہوتے۔ جن میں نبید انڈیل کر پی جاتی تھی۔ مختلف میووں اور ٹھنڈے گوشت کی رکابیاں بھی موجود ہوتی تھیں۔ مختلف عطریات سے تمام فضا مہکی ہوتی تھی، کھانے پینے کے دوران میں مختلف قسم کی بحثیں ہوتی رہتیں۔ کھانے کے بعد راگ رنگ کی محفل شروع ہو جاتی تھی۔

جب خلیفہ شکار کے لئے جانا چاہتا تو اپنے ارادے سے اپنے حاجب کو مطلع کرتا تھا۔ حاجب ان تمام لوگوں کو، جن سے شکار میں مدد مل سکتی۔ اکٹھا کرتا تھا، بازوں اور کتوں کا انتظام کرتا تھا، محل کے ملازموں کو تیار کرتا تھا، جب تمام تیاری مکمل ہو جاتی تو خلیفہ کو اطلاع دیتا تھا۔ خلیفہ تمام لوگوں کو لے کر بغداد سے باہر نکلتا اور 'دجیل' پہنچتا تھا۔

'دجیل' کا علاقہ کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعض حصوں کو ایک مضبوط دیوار نے گھیرا ہوا تھا، جو نصف دائرے کی شکل میں بنی ہوئی تھی۔ تمام لوگ جو خلیفہ کے ساتھ آتے، جنگل کے چاروں طرف پھیل جاتے اور جن جانوروں کا شکار کرنا ہوتا، ان کو اپنے گھوڑوں اور کتوں کی مدد سے اس دیوار کی طرف بھگاتے اور دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے۔ جانوروں کو اور کسی جانب راہ فرار نہیں ملتی تھی تو انہیں مجبوراً اس دیوار کی طرف ہی بھاگنا پڑتا تھا۔ جب وہ اس احاطے میں پہنچ جاتے تو ان کا مکمل محاصرہ کر لیا جاتا اور خلیفہ کو اطلاع دی جاتی۔ خلیفہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ آتا جتنے جانور چاہتا شکار کر لیتا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔

جتنی دیر تک خلیفہ کے خادم شکار ہنکانے میں لگے رہتے تھے اتنی دیر خلیفہ بغداد کے نواحی

علاقوں کا چکر لگاتا رہتا اور قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہتا تھا۔ جب اسے اطلاع ملتی کہ شکار کو گھیر لیا گیا ہے تو وہ مقررہ جگہ پر آتا اور شکار کرتا۔

جب کسی پرندے کا شکار کرنا ہوتا، تو وہ لوگ جن کے پاس باز اور شکرے ہوتے اپنے بازوں اور شکروں کو ہوا میں اڑا دیتے، وہ شکار پر جھپٹتے اور آن واحد میں اسے زمین پر لے آتے تھے۔

سیر و شکار کے تذکرے کے بعد اب خلیفہ کے باغ کا مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے، جو اپنی خوب صورتی اور ترتیب میں اپنی نظیر آپ تھا۔ خلیفہ اکثر اس میں سیر کے لئے جایا کرتا تھا۔ باغ کی کیاریوں میں سینکڑوں قسم کے خوش نما پھول کھلے رہتے تھے، مختلف قسم کے درخت اُگے ہوئے تھے۔ یہ درخت ہندوستان، خراسان اور ترکستان تک سے منگوا کر لگائے گئے تھے۔ جا بجا خوب صورت جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ جنہیں قینچی سے کاٹ کر حیوانات کی شکل دی ہوئی تھی۔ بعض جھاڑیاں مور کی شکل کی تھیں، بعض دوسرے خوب صورت پرندوں کی شکل کی، بعض کی شکل سانپوں جیسی تھی اور بعض کی وحشی جانوروں، شیر اور چیتے جیسی۔

کیاریوں کے درمیان حوض بنے ہوئے تھے۔ جن میں چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعے پانی آتا تھا۔ ان حوضوں میں خوش نما رنگ کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں۔ باغ کی دیواروں پر چھوٹے چھوٹے رنگین پتھروں کو جوڑ کر مختلف جانوروں اور پھولوں کی نہایت خوش نما تصاویر بنائی گئی تھی۔ جو پچی کاری کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھیں۔ ان کاموں کے لئے فارس، روم اور ہند تک سے کاریگر منگائے گئے تھے۔

خلیفہ اپنے محل میں اکثر مجالس منعقد کیا کرتا تھا جن میں امرائے سلطنت، مغنی اور شعراء جمع ہوا کرتے تھے۔ ہادی اور ہارون اپنی ولی عہدی کے زمانے ہی سے اس قسم کی مجالس کے بے حد شوقین تھے، لیکن ان کے والد خلیفہ مہدی کو ان مجالس سے سخت نفرت تھی۔ ابراہیم موصلی، جو ہارون الرشید کے عہد کا مشہور مغنی تھا، بیان کرتا ہے کہ مہدی شراب بالکل نہیں پیتا تھا۔ اس نے مجھے اس شرط پر ملازم رکھنے کا وعدہ کیا کہ میں شراب چھوڑ دوں، لیکن میں نے ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کی اور چند روز دربار میں نہ آیا۔ ایک روز جب میں دربار میں آیا تو شراب پیے ہوئے تھا۔ مہدی کو جب معلوم ہوا کہ میں نے شراب پی رکھی ہے تو وہ سخت ناراض ہوا، سر دربار مجھے پٹوایا اور مجھے قید کر دیا۔ میں نے قید خانے میں کتابت اور قراۃ سیکھی۔ ایک روز مہدی نے مجھے قید خانے سے اپنے حضور طلب کیا اور مجھے بر سر عام شراب پینے اور گانے بجانے پر پھر برا بھلا کہا۔ میں نے عرض کیا:

"امیر المومنین! گانے بجانے کا فن میں نے اپنی روزی کمانے کے لئے سیکھا ہے اور اس کے لئے شراب پینا ضروری ہے۔ اگر میں گانا بجانا اور شراب پینا ترک کر دوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھوں"۔

مہدی یہ سن کر بہت غضب ناک ہوا۔ مجھے قید سے تو رہا کر دیا لیکن یہ حکم دیا کہ میں ہادی اور ہارون کے پاس کبھی نہ جاؤں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تم کبھی ان دونوں کے پاس گئے تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔

ایک روز مہدی کو پتہ چلا کہ میں اس کے لڑکوں کے پاس گیا تھا اور ان دونوں کے ساتھ شراب بھی پی تھی۔ یہ سن کر مہدی کے طیش کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے مجھے بلا کر تین سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور دوبارہ قید کر دیا۔ جب میں نے بڑی منت سماجت کی تو سخت قسمیں لے کر کہ میں آئندہ کبھی ہادی اور ہارون کے پاس نہ جاؤں گا مجھے چھوڑا۔

جب ہادی خلیفہ ہوا تو میں قسم کے مطابق اس کے پاس نہ گیا اور ادھر ادھر چھپا رہا۔ ہادی کو میرے بغیر چین نہ آتا تھا، اس نے میرا کھوج لگانے کے لئے آدمی بھیجے، آخر انہوں نے مجھے ڈھونڈ لیا اور خلیفہ کے دربار میں لے گئے۔ جب دربار میں پہنچا تو خلیفہ کے سامنے یہ اشعار پڑھے۔

یا ابن خیر الملوک لاتترکنی غرضا للعدو یرمی حیالی

فلقد فی ھو اک فارقت اھلی ثم عرضت مھجتی للزوال

ولقد عفت فی ھو اک حیاتی وتغربت بین اھلی ومالی

(اے بہترین خلفاء کے بیٹے! مجھے دشمنوں کا نشانہ بنانے کے لئے نہ چھوڑ۔ میں نے تیری محبت میں اپنے اھل وعیال کو چھوڑنا گوارا کر لیا، اس کے بعد اپنی روح بھی تیرے لئے پیش کر دی۔ میں نے تیری محبت میں اپنی زندگی تباہ کر لی اور مجھے اپنے اھل وعیال اور مال سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی)۔

ہادی مجھ سے اچھی طرح پیش آیا اور مجھے میری گذشتہ تکالیف کے بدلے میں، جو مجھے مہدی کے زمانے میں پہنچی تھیں، کثیر انعام اکرام دینے کا حکم دیا اور اپنے ندیموں میں شامل کر لیا۔

ہارون الرشید بھی ہادی کی طرح عیش ونشاط کی محفلوں کا بے حد شائق تھا اور اس غرض کے لئے اس نے اپنے اردگرد مغنیوں اور شعراء کی ایک بڑی جماعت اکٹھی کر لی تھی۔ اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد اس نے مشہور شاعر ابوالعتاہیہ کو بلایا اور اس سے چند عشقیہ اشعار کہنے کی فرمائش کی۔ ابوالعتاہیہ نے کہا "میں ہادی کے مرنے کے بعد اب کبھی شعر نہیں کہوں گا" ہارون نے

ناراض ہو کر اسے قید کر دیا۔ اس کے بعد ابراہیم موصلی کو گانے کا حکم دیا، اس نے بھی ابوالعتاہیہ کی طرح گانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ہادی کے مرنے کے بعد نہیں گاؤں گا۔ ہارون نے اسے بھی قید کر دیا۔ جب ہارون رقہ گیا تو ان دونوں کو ساتھ لے گیا، رقہ میں ایک کنواں کھدا دیا، اس کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کرا دی اور ابوالعتاہیہ اور ابراہیم کو اس کنوئیں میں قید کر دیا، دونوں کے درمیان دیوار حائل تھی۔ اس کنوئیں میں قید کرتے ہوئے ہارون نے کہا ''تم دونوں اس وقت تک اس میں رہو گے جب تک شعر کہنے اور گانے کی حامی نہ بھرو گے''۔

چنانچہ مدت تک وہ دونوں اس کنوئیں میں قید رہے۔

ایک دن ہارون کے سامنے ایک کنیز بڑی سریلی آواز میں ایک شعر گا رہی تھی۔ ہارون کو اس کی آواز بہت بھلی لگی اس نے اپنے وزیر جعفر سے کہا کہ اگر اس کے ساتھ ہی چند شعر اور ہوتے تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ جعفر نے کہا ''اگر آپ ابوالعتاہیہ سے کہیں تو وہ شاعری میں مہارت کی وجہ سے اسی شعر کے ہم وزن کئی اور شعر کہہ کر سنا دے گا''۔

ہارون نے کہا ''ایسا نہیں ہو سکتا وہ ہرگز ہماری فرمائش پوری نہیں کرے گا کیوں کہ وہ قید میں ہے اور ہم مزے آڑا رہے ہیں''۔ لیکن جعفر نے اپنی بات پر اصرار کیا اور اسی وقت ابوالعتاہیہ کو ایک خط لکھا، جس میں چند شعر کہنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ ابوالعتاہیہ نے جواب میں شعر کہنے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔

جب ابوالعتاہیہ کا جواب ہارون کے پاس پہنچا تو اس نے جعفر سے کہا: ''میں نہ کہتا تھا کہ وہ ہماری فرمائش پوری نہیں کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے''۔ جعفر نے عرض کیا ''آپ یوں کریں کہ اسے قید سے آزاد کریں اور پھر اس سے فرمائش کریں''۔ لیکن ہارون نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ''میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ شعر نہ کہے گا میں اسے قید میں سے نہ نکالوں گا''۔

جب ابوالعتاہیہ اور ابراہیم موصلی کو قید ہوئے عرصہ گزر گیا تو ایک روز ابوالعتاہیہ نے ابراہیم سے کہا ''آخر خلیفہ سے کب تک جھگڑا چلے گا؟ میرے خیال میں تو اب اس جھگڑے کو ختم کر دینا چاہیے۔ میں شعر کہتا ہوں اور تم انہیں گاؤ'' چنانچہ ابوالعتاہیہ نے خلیفہ کی شان میں چند اشعار کہے اور ابراہیم نے انہیں گانا شروع کیا۔ جب خلیفہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے دونوں کو قید سے نکلوا کر اپنے حضور طلب کیا، خلیفہ کے دربار میں ابوالعتاہیہ نے اپنے کہے ہوئے اشعار سنائے اور ابراہیم نے خاص لے میں انہیں گایا۔ خلیفہ نے دونوں کو ایک ایک لاکھ درہم اور ایک سو خلعت

مرحمت کئے۔اس کے بعدوہ مستقل طور پر خلیفہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔

اگرچہ ہارون الرشید راگ رنگ کا بہت شائق تھا،لیکن اگر محفل کے دوران میں کسی جانب سے کوئی نصیحت ہارون کے کان میں پڑ جاتی تو اس کا اثر بھی خلیفہ کے دل پر ہوتا اور بسا اوقات اسی اثر کی وجہ سے مجلس بھی درہم برہم ہو جاتی تھی۔

ایک دفعہ اسی طرح محفل جمی ہوئی تھی،ابوالعتاہیہ نظم پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

''اے خلیفہ! خدا کرے تو ہمیشہ بلند و بالا محلات کے زیر سایہ رہے،ہر قسم کی نعمتیں صبح و شام تیرے پاس آئیں۔ اور تو ان سے فائدہ اٹھائے۔

خلیفہ بڑی دلچسپی اور شوق سے نظم سن رہا تھا۔یکا یک ابوالعتاہیہ نے یہ اشعار پڑھے۔

''لیکن جب نزع کا وقت آ پہنچے گا اور سانس سینے کے اندر گڑ گڑائے گا،اس وقت تجھے اس بات کا علم ہوگا کہ اب تک تو اندھیرے اور دھوکے میں رہا''۔

یہ اشعار سنتے ہی ہارون کی ہچکی بندھ گئی اور بے اختیار رونے لگا۔فضل بن یحییٰ نے رشید کی یہ حالت دیکھ کر ابوالعتاہیہ سے کہا:

''میں نے تجھے اس لئے بلایا تھا کہ تو امیر المومنین کو خوش کرے لیکن الٹا تو نے انہیں رلانا شروع کر دیا''۔

لیکن ہارون الرشید نے فضل بن یحییٰ کو خاموش کر دیا اور کہا:

''ابوالعتاہیہ کو کچھ نہ کہو،یہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔اس نے ہمارے چچا کا حال دیکھا ہوا ہے یہ نہیں چاہتا کہ ہمارا بھی وہی حال ہو''۔

ہارون الرشید کے عہد کا بغداد

بغداد کی بنا ہارون الرشید کے دادا منصور نے ڈالی تھی اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ اسی کے عہد میں بغداد نے ایک عظیم الشان شہر کی حیثیت حاصل کر لی تھی، لیکن جو شان وشوکت اور عروج اس شہر کو ہارون الرشید کے زمانے میں حاصل ہوا، وہ نہ اسے پہلے حاصل تھا اور نہ ماسوئی مامون کے آئندہ نصیب ہوا۔

عمارات کے لحاظ سے بغداد اس وقت دنیا کے تمام شہروں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ یہاں بڑے بڑے محلات تعمیر کئے گئے تھے، جن میں سے بعض پر کروڑوں دینار خرچ ہوئے تھے۔ انجینئروں نے ان کے بنانے میں قواعد، مضبوطی اور محل وقوع کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔ بغداد کی مشرقی جانب کے محلات کو مغربی جانب کے محلات سے ایک پُل کے ذریعے سے ملایا گیا تھا۔ مشرقی جانب برامکہ کے محلات، بڑے بڑے بازار، بلند و بالا مساجد اور حمام بنے ہوئے تھے اور مغربی جانب خلیفہ کے محلات واقع تھے۔ جن کی خوبصورتی اور وسعت دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ بغداد کے اردگرد جو بستیاں بنائی گی تھیں، عمارات کی وسعت کی وجہ سے وہ آپس میں مل گئیں تھیں۔ یہ سب علاقہ بغداد ہی میں شمار ہوتا تھا۔ ایسی بستیاں دجلہ کے دونوں جانب چالیس کی تعداد میں تھیں۔

بغداد کی شان وشوکت کا حال سن کر لوگ سینکڑوں میل سے اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، یہاں کی آبادی لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور شہر نے ایک زبردست تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ خراسان، ماوراء النہر، ہندوستان، چین، شام اور جزیرے سے تجارتی قافلے کثرت سے یہاں آتے رہتے تھے۔ راستے پرامن تھے اور قافلوں کو راہ میں ڈاکہ زنی کا مطلق خطرہ نہ ہوتا تھا۔

اس وقت دولت وثروت کے لحاظ سے بھی کوئی شہر بغداد کا ہم پلہ نہ تھا۔ سلطنت اسلامیہ کے تمام صوبوں کا خراج، جو صوبوں کی ضروریات سے بچ جاتا تھا، جمع ہو کو خلیفہ کے پاس بغداد میں آتا تھا۔ اس خراج کا اندازہ مورخین نے چالیس کروڑ درہم لگایا ہے۔ یہ سب مال بیت المال میں داخل ہوتا تھا جہاں سے خلیفہ اپنے وزیروں، وظیفہ خواروں اور خدام کو تنخواہیں دیتا تھا۔ باقی مال خلیفہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتا خرچ کرتا تھا۔

سخاوت کے لحاظ سے ہارون الرشید دوسرے سب خلفاء بنی عباس سے ممتاز تھا۔ قصیدہ خوانوں، شاعروں، غریبوں اور حاجت مندوں پر بے دریغ مال خرچ کرتا تھا۔ اس کے نقش قدم

پر اس کے امیر وزیر، رئیس اور لشکر کے سردار بھی چلتے تھے اور سخاوت کا بازار پورے طور پر گرم تھا۔ تاریخ کے صفحات اس زمانے کی سخاوت کے قصوں سے پر ہیں۔ اس طرح نہ صرف غرباء کی زندگی بڑے آرام سے گزرتی تھی، بلکہ یہ عظیم الشان فائدہ بھی حاصل ہوتا تھا کہ بے شمار مال لوگوں کے ہاتھوں میں چکر لگاتا رہتا تھا، جس کی وجہ سے تجارت میں بڑی ترقی ہو گئی تھی۔ لوگوں کی ضروریات بخوبی پوری ہو جاتی تھیں۔ دولت کا ایک سیلاب تھا جو ہارون الرشید کے عہد میں بغداد میں بہ رہا تھا اور ہر چھوٹا بڑا اس میں سے حصہ لے رہا تھا۔ دولت و ثروت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی طبیعتیں لہو و لعب کی طرف مائل ہو گئیں اور ہر طرف عیش و نشاط اور راگ رنگ کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔

علم کے لحاظ سے بھی بغداد تمام دولت اسلامیہ کا منبع اور طلاب علم کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر طرف سے علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھانے کی غرض سے کشاں کشاں بغداد کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس نے علوم دنیویہ اور علوم دینویہ دونوں قسم کے علوم کی ایک زبردست یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ یہاں بڑے بڑے محدثین، قراء، فقہاء، لغت، آداب العرب اور صرف و نحو کے امام موجود تھے، جنہوں نے بڑی بڑی مسجدوں میں درس کے سلسلے قائم کر رکھے تھے۔ ان مدارس میں ہزاروں لوگ علم حاصل کرتے تھے۔ جب تک کوئی شخص بغداد آ کر علم حاصل نہ کرتا تھا اور یہاں کے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کرتا تھا، اس وقت تک اسے نہ شہرت نصیب ہوتی تھی اور نہ ہی اسے علماء کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا۔

بغداد کے تمام علماء بڑے آرام اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے کیوں کہ ہارون اور برامکہ نے ان کے لئے بہت بڑے بڑے گزارے مقرر کر رکھے تھے۔ ہارون علماء کی بے حد توقیر و تعظیم کرتا تھا اور انہیں بیش قرار انعام و اکرام سے نوازتا رہتا تھا۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے بہ آسانی مل سکتا ہے۔

ابو معاویہ ضریہ، جو اپنے وقت کے بڑے جلیل القدر عالم تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے ہارون کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھانے سے پہلے کسی شخص نے میرے ہاتھ دھلائے۔ لیکن مجھے اندھیرے کی وجہ سے معلوم نہ ہو سکا کہ کس شخص نے میرے ہاتھ دھلائے۔ مجھے خیال تھا کہ کسی غلام نے دھلائے۔ مجھے خیال تھا کہ کسی غلام نے دھلائے ہوں گے۔ جب کھانے کا سلسلہ ختم ہو چکا تو ہارون نے مجھ سے پوچھا:

"اے ابو معاویہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے ہاتھ کس نے دھلائے تھے؟ میں نے

جواب دیا:

''امیر المومنین! مجھے تو پتہ نہیں''۔

ہارون نے کہا ''میں نے دھلائے تھے''۔

میں نے پوچھا ''امیر المومنین! کیا آپ نے یہ کام علم کی تعظیم کی خاطر کیا''؟

ہارون نے جواب دیا ''ہاں''۔

ہارون علوم وفنون کا بے حد دلدادہ تھا اور جس شخص کے متعلق سنتا کہ اسے علم وفن میں ید طولیٰ حاصل ہے فوراً اسے اپنے دربار میں بلا لیتا اور بیش قرار تنخواہ مقرر کر دیتا تھا۔

جب اس نے بلند و بالا اور رفیع الشان محلات بنانے کا ارادہ کیا تو ملک کے ہر حصے سے چن چن کر اصحاب فن بلائے، جن کے سپرد محلات کی تزئین، بیل بوٹے اور نقش و نگار بنانے کا کام کیا۔

اسے راگ سے بے حد دلچسپی تھی۔ اس غرض کے لئے اس نے ملک کے بہترین مغنیوں کی خدمات حاصل کیں اور بے شمار رقم ان پر صرف کی۔

اسے اشعار سننے کا بھی بے حد شوق تھا۔ اس غرض کے لئے اس نے مملکت کے بہترین شاعروں کو اپنے دربار میں جمع کر لیا اور لاکھوں درہم ان کو انعام و کرام اور تنخواہ دینے میں خرچ کیے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے زمانے میں عربی شاعری کو بے حد عروج حاصل ہوا۔

اس نے اپنے گرد فلاسفہ، قضاۃ، علماء اور منطقیوں کو جمع کیا جن سے وہ اکثر بحث مباحثہ اور علمی بات چیت کیا کرتا تھا اور ان کی تنخواہوں پر بے شمار رقم خرچ کرتا تھا۔ بیسیوں اطباء کو اس نے اپنے دربار میں بلایا اور بعض کو تو ہندوستان سے منگوایا۔

اس طرح بغداد اہل علم وفن کا ملجا و ماویٰ اور علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔

ہارون الرشید کا عہد حکومت

ہارون الرشید کے عہد پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے عادات وخصائل میں بہت بڑا فرق تھا۔ امویوں نے رسوم ورواج اور اپنی عادات وخصائل کو خالص عربی رنگ میں ڈھالا ہوا تھا۔ عباسیوں نے آ کر ان کو بالکل بدل ڈالا۔ مثال کے طور پر نو روز کا معاملہ ہے۔ 'نوروز' قدیم زمانے سے ایرانیوں کا تہوار تھا اور ان لوگوں میں یہ عید کا دن شمار ہوتا تھا۔ عہد اموی میں یہ دن کبھی بھی نہیں منایا گیا، لیکن عباسیوں نے اسے قومی تہوار قرار دیا۔ اس روز کے لئے عید کی طرح تیاریاں کی جاتی تھیں، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیئے جاتے تھے، قصائد پڑھے جاتے تھے، خلفاء بڑی شان سے دربار منعقد کرتے تھے اور درباری تہنیت اور مبارک باد پیش کرتے تھے۔ یہی حال دوسری رسوم کا تھا۔

اموی عہد میں امیر اور غریب کے درمیان لباس کے معاملے میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔ جس قسم کا لباس امیر پہنتے تھے، اسی قسم کا لباس غریب بھی پہنتے تھے۔ لیکن عباسی عہد میں ایرانی اثرات کے غالب ہو جانے کی وجہ سے امراء وغرباء کے لباسوں میں تفریق ہونے لگی۔ پگڑی باندھنے کا طریقہ بھی بالکل ایرانی تھا، سر پر ٹوپی رکھ کر اس پر پگڑی باندھی جاتی تھی، مزید برآں ہر طبقے کی پگڑی باندھنے کی طرز علیحدہ ہوتی تھی۔ خلفاء کی طرز علیحدہ ہوتی تھی، فقہاء کی الگ۔ عام لوگوں اور اعراب کے پگڑی باندھنے کے طریقے میں بھی فرق تھا۔ اسی طرح باقی لباس کا معاملہ تھا۔ قضاۃ کا لباس علیحدہ ہوتا تھا، تو اہل مقدمہ کا علیحدہ، پولیس کے سپاہیوں کا لباس ان دونوں سے علیحدہ۔ سلطنت کے باقی عہدیداروں کا بھی یہی حال تھا، ہر عہدے دار کا حسب مرتبہ علیحدہ لباس ہوتا تھا۔

اموی خلفاء جب انعام واکرام دیتے تھے تو ان کے انعام واکرام اونٹوں یا زیورات کی شکل میں ہوتے تھے، لیکن جب ان کی جگہ عباسیوں نے لی تو انعام واکرام دینے میں بھی انہوں نے اپنی طرز امویوں سے بالکل علیحدہ رکھی۔ وہ لوگوں کو درہم ودینار، عمدہ عمدہ لباس اور گھوڑوں کی شکل میں نوازتے تھے۔ اس طرح جہاں امویوں نے اپنے عہد میں عربی خصوصیات کو پورے طور پر قائم رکھا تھا، عباسیوں نے آ کر انہیں بالکل تبدیل کر ڈالا اور مختلف وجوہات کی بنا پر جن کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے، فارسی تہذیب وتمدن کو اپنا لیا۔

مئولف کتاب الاغانی ناھض بن شولہ کی ایک حکایت بیان کرتا ہے۔ ناھض عہد عباسی کا

ایک بدو شاعر تھا۔ ایک روز وہ حلب میں ایک تقریب میں شامل ہوا۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا، جب اس نے شادی کا سامان اور قسم قسم کے بھڑکیلے لباس، رنگا رنگ کے کھانے، قسم قسم کی شرابیں اور ایرانی آلات طرب دیکھے تو اس کی عقل چکرا گئی اور وہ بالکل مبہوت ہو کر ٹکٹکی باندھے یہ سارا انتظام دیکھتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی حرکات و سکنات سے لوگوں کو ہنسنے اور مذاق کرنے کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اگر وہ بغداد میں کسی شادی کی محفل میں شرکت کرتا تو یقیناً حلب سے کہیں زیادہ عیش و عشرت کے سامان اس کی نگاہوں کے سامنے آتے۔

خلفاء عباسیہ کا شروع میں یہ حال نہ تھا۔ ابوالعباس سفاح اور منصور عیش و عشرت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً منصور تو اس معاملے میں بہت سخت تھا۔ اس نے شراب کا ایک قطرہ بھی کبھی نہیں چکھا۔ کسی شاعر، ادیب یا مداح کو انعام و اکرام دینے میں اسراف سے کام نہیں لیا۔ اپنی اولاد کو جب وہ ایسا کرتے دیکھتا تھا تو سختی کے ساتھ منع کرتا تھا۔ بھڑکیلے اور قیمتی کپڑے اس نے کبھی زیب تن نہیں کئے۔ ہمیشہ معمولی کپڑے پہنے۔ دستر خوان ہمیشہ سادہ ہوتا تھا دوسری باتوں میں بھی وہ بہت کفایت شعار تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب اس نے وفات پائی تو وہ خزانے میں ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار اور ساٹھ کروڑ درہم چھوڑ گیا، جنہیں مہدی نے بے دردی سے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

جس قدر منصور کفایت شعار تھا، اسی قدر مہدی فضول خرچ تھا۔ سینکڑوں شعراء، ادباء اور مغنیوں کو اس نے اپنے دربار میں اکٹھا کر رکھا تھا اور انہیں عطیے اور تحفے تحائف دیتا رہتا تھا۔ اسی طرح کھانے پینے میں بھی بے حد رقم خرچ کر دیتا تھا۔ جب وہ حج کے لئے مکہ معظمہ جاتا تھا تو اس کے لئے راستہ میں صرف کثیر سے برف مہیا کی جاتی تھی۔

ہارون کے زمانہ میں تو اسراف کی حد ہو چکی تھی۔ اس کے کئی اسباب تھے۔ سب سے بڑا سبب تو دولت کی فراوانی تھا۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ جس قوم میں دولت کی افراط ہو وہاں عیش و عشرت اور اسراف راہ پالیتے ہیں۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق ہارون کے عہد میں مملکت کی سالانہ آمدنی سات کروڑ ایک لاکھ پچاس ہزار دینار تھی۔ جس مملکت کی آمدنی اتنی زبردست ہو، وہاں کے باشندوں کا عیش و آرام سے زندگی گزارنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہارون کے زمانے میں ایرانی اثرات اور تہذیب و تمدن نے عربی تہذیب و تمدن پر غلبہ پا لیا تھا۔ برامکہ کی وجہ سے یہ اثرات اور بھی نمایاں ہو گئے تھے۔ ایرانی قدیم زمانے

سے لہو ولعب، راگ رنگ کی محفلوں اور شراب کے شوقین تھے۔ جب انہوں نے ہارون اور مامون کے زمانے میں سلطنت کے بڑے بڑے عہدے حاصل کئے اور ان کا اقتدار تمام مملکت پر قائم ہوگیا، تو انہوں نے اپنی اسی قدیم تہذیب کو، جو عربی غلبے کی وجہ سے نابود ہو چکی تھی، دوبارہ زندہ کیا اور جہاں سلطنت کا تمام کاروبار ایرانی نظام حکومت کے مطابق ترتیب دیا، وہیں لہو ولعب اور راگ رنگ کی محفلوں کو بھی از سر نو زندگی بخشی۔

ہارون نے عجیب متضاد طبیعت پائی تھی۔ وہ کثرت سے علماء سے وعظ و نصیحت کی باتیں سنتا تھا اور ان مواعظ کا اس پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔ لیکن ساتھ ہی راگ رنگ کا بے حد شوقین تھا۔ جہاں اس میں تقویٰ اور پرہیز گاری پائی جاتی تھی وہاں لہو ولعب کا فطری میلان بھی تھا۔ جہاں ایک طرف اس کے دینی جذبات بہت پختہ تھے اور وہ کثرت سے نمازیں پڑھتا تھا۔ وہاں وہ راگ رنگ کی محفلیں بھی بہت ذوق وشوق سے منعقد کرتا تھا۔ جن میں اس کے وزراء مغنی اور شعراء شریک ہوا کرتے تھے۔ جہاں وہ اپنے ندیموں کی بے سروپا باتوں پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا تھا وہاں ابو العتاہیہ جیسے شاعروں کے اس قسم کے اشعار سنتا تھا تو دھاڑیں مار مار کر رونے بھی لگتا تھا۔

هل لمطلوب بذنب توبة منه نصوح

كيف اصلاح قلوب انما هن قروح

سيصير المرء يوما جسدا مافيه روح

بين عيني كل حي علم الموت يلوح

كلنا في غفلة والموت يغدو و يروح

(کیا گناہوں سے توبہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے یا نہیں؟ دلوں کی اصلاح کس طرح ہوگی؟ وہ تو پھوڑے بن چکے ہیں۔ عنقریب آدمی کا جسم روح سے خالی ہو جائے گا۔ ہر زندہ شخص اپنی آنکھوں کے سامنے موت کا جھنڈا لہراتا ہوا دیکھ لے گا۔ ہم سب غفلت میں ہیں لیکن موت صبح و شام چکر کاٹتی رہتی ہے)۔

ہارون جب برامکہ سے راضی ہوتا ہے تو سلطنت کے کل مناصب ان کے سپرد کر دیتا ہے۔ یحییٰ بن خالد برمکی کے ہاتھ میں سلطنت کے کل اختیارات دے دیتا ہے کہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرے، لیکن جب ان پر ناراض ہوتا ہے اور حاسدین اس کے جذبات کو بھڑکا دیتے ہیں تو

وہ ان کو اس بری طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ایک طرف اس کے دربار میں امام ابو یوسف، ابن سماک اور قاضی ابوالبختری جیسے عالم فاضل موجود ہوتے ہیں۔ جن کا خلیفہ پر زبردست اثر ہے، دوسری طرف مشہور مغنی ابراہیم موصلی بھی ہے۔ مغنیوں اور شعراء پر بے دریغ مال لٹانے میں وہ کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔

ہارون الرشید کے اوصاف کی صحیح تصویر مؤلف کتاب الاغانی ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

''ہارون الرشید وعظ و نصیحت کے وقت سب سے زیادہ آنسو بہانے والا اور غیض و غضب کے وقت شدید ترین ظلم کرنے والا تھا''۔

جہاں کتاب الاغانی میں ہارون کی زندگی کی اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے جو عیش و طرب اور لہو و لعب میں بسر ہوتی تھی وہاں ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں اس پہلو کو اجاگر کیا ہے جو تقویٰ و طہارت کا رنگ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمیں ہارون کی زندگی کے حقیقی خدو خال معلوم کرنے ہوں تو اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا، کسی ایک پہلو پر نظر دوڑا کر اس کی زندگی کے صحیح خدو خال متعین نہیں کئے جا سکتے۔

قاضی ابوالبختری کہتے ہیں کہ ایک دن میں ہارون کے دربار میں حاضر ہوا۔ ہارون نے خادم سے برف کا ٹھنڈا پانی مانگا۔ اتفاق سے اس روز خزانے میں برف نہیں تھی۔ خادم نے معذرت کی اور بغیر برف کے پانی حاضر کر دیا۔ ہارون نے غصے میں آ کر گلاس غلام کے منہ پر دے مارا۔ میں نے خلیفہ سے عرض کیا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں خلیفہ نے جواب دیا ''کہو کیا کہنا چاہتے ہو''۔

میں نے عرض کیا ''امیر المومنین! بنی امیہ کی حکومت کا زوال آپ کے سامنے ہے۔ دنیا فانی ہے اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ دانائی اور عقلمندی اسی بات میں ہے کہ آپ اپنے آپ کو ناز و نعم کا عادی نہ بنائیں۔ بلکہ جو کچھ مل جائے وہی استعمال کر لیا کریں۔ اگر لذیذ کھانا مل جائے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر سادہ کھانا ہو تو وہ بھی بڑی خوشی سے کھا لیا کریں۔ اگر وقت پر قیمتی لباس میسر آ جائے تو بہت ہی اچھا ہے لیکن اگر کسی وقت قیمتی لباس میسر نہ آ سکے تو سادہ لباس زیب تن کرنے میں کوئی عار نہیں۔ اب اگر برف کا ٹھنڈا پانی میسر نہ آ سکا تو بغیر برف کے پانی خواہ وہ گرم ہی کیوں نہ ہوتا پینے میں کوئی ہرج نہیں تھا''۔

یہ سن کر ہارون نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے جھڑکا اور کہنے لگا ''جو نصیحت تم نے مجھے اس

وقت کی ہے۔ میں اس پر عمل کرنے کو قطعاً تیار نہیں ہوں۔ اگر خدا نے مجھے ایک نعمت سے سرفراز کیا ہے تو میں اس سے فائدہ کیوں نہ حاصل کروں''؟

مورخین میں اس امر پر کافی بحث ہوئی ہے کہ ہارون کے زمانے میں جو شراب استعمال کی جاتی تھی اور جسے ہارون اور اس کے وزراء اور امراء بھی بڑی کثرت سے پیتے تھے وہ حقیقی معنوں میں شراب ہوتی تھی یا نہیں۔ ابن خلدون کی یہ رائے ہے کہ عباسی خلفاء دراصل نبیذ پیتے تھے جو شراب کے دائرے میں نہیں آتی۔ نبیذ اور اصلی شراب میں بہت بڑا فرق ہے۔

عرب شراب کثرت سے پیتے تھے۔ ان کے ہاں کئی قسم کی شرابیں استعمال کی جاتی تھیں۔ ان کی ہمسایہ قومیں بھی شرابیں بنایا کرتی تھیں لیکن اپنے اثر میں عربوں کی بنائی ہوئی شرابوں سے کم درجہ کی ہوتی تھی۔ اہل شام ایک شراب بنایا کرتے تھے جو شہد میں ملی ہوتی تھی۔ اس کا نام 'رساطون' تھا، لیکن اہل حجاز اس قسم کی شراب سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی طرح بعض امویوں نے شراب بنائی تھی جس کا نام 'دھفنجہ' تھا۔ جب مملکت اسلامیہ میں دولت کی ریل پیل ہوئی اور بے فکری کا دور شروع ہوا تو اور چیزوں کے ساتھ یہ شرابیں بھی مسلمانوں کے استعمال میں آنے لگیں۔ جب عباسیوں کا دور آیا تو انہوں نے ان کی تیاری میں جدت سے کام لینا شروع کیا اور مجالس میں کثرت سے ان کا استعمال ہونے لگا۔

فقہاء میں ان شرابوں کے حلال یا حرام ہونے میں بہت زبردست اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض نے ان کو قطعاً حرام قرار دیا لیکن بعض نے استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس اختلاف نے پوری شدت صحابہ کے عہد کے آخر میں، جب کہ امویوں کا زمانہ تھا، اختیار کی۔ فقہاء کے مابین یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ آیا نبیذ حلال ہے یا حرام اور اگر حلال ہے تو کس مقدار تک۔

اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس اختلاف کے نقصانات کو محسوس کیا اور تمام بلاد وامصار میں نبیذ کے حرام ہونے کا حکم بھیج دیا۔ جب ائمہ کا زمانہ آیا تو ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ انہوں نے لفظ 'خمر' (جس کی تحریم قرآن کریم میں آئی تھی) کا اطلاق تمام قسم کی نشہ آور نبیذوں پر کیا جو کھجور، کشمش، جو، گیہوں اور شہد سے تیار کی جاتی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ تمام خمریات ہیں اس لئے ان کا پینا حرام ہے۔

ان تینوں اماموں کے برعکس، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے 'خمر' کے لفظ کو لغوی معنوں میں لیتے

ہوئے اس کا اطلاق صرف انگور کے پکے ہوئے شیرے پر کیا۔ اور شراب کی بعض قسموں مثلاً کھجور اور کشمش کی نبیذ کو جائز قرار دیا، بشرطیکہ اسے بہت ہلکی آگ میں تھوڑی دیر تک پکایا گیا ہو، اور صرف اتنا پیا جائے جس سے نشہ نہ ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید میں عراق کے اکثر فقہاء نے بھی شراب کی بعض قسموں کو جائز قرار دے دیا۔ اسی وجہ سے عراق کے لوگ نبیذ پینے میں دوسرے تمام اسلامی علاقوں کے لوگوں سے بڑھ گئے۔

عباسیوں کا مستقر عراق ہی تھا اس لئے اگر ان کے زمانے میں شراب کا استعمال بے حد بڑھ گیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہارون الرشید بھی ایسی شراب کثرت سے پیا کرتا تھا جس میں نشہ نہ ہوتا تھا۔ وہ شرابیں جن کے پینے سے نشہ ہو جاتا ہو، تمام فقہاء کے نزدیک حرام ہیں۔ لیکن اس نرم روی سے لوگوں میں جرأت پیدا ہوئی اور وہ ایسی شرابیں بھی استعمال کرنے لگے جن کے پینے سے نشہ ہو جاتا تھا اور جن کو فقہاء نے بالاتفاق حرام قرار دیا ہوا تھا۔

ملک کے دوسرے امراء نے جب خلفاء کو اس قسم کی عیش و عشرت کی زندگی گزارتے دیکھا تو انہوں نے بھی ان کی تقلید کرنی شروع کر دی اور ان کی مجالس میں بھی وہی سماں نظر آنے لگا جو خلفاء اور ان کے وزیروں کی مجالس کا ہوتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لہو و لعب میں امراء خلفاء اور وزراء سے بھی بڑھ گئے تھے۔ کیوں کہ خلفاء کی مجالس میں وقار اور شاہی حشمت کا بہت لحاظ رکھا جاتا تھا، لیکن دوسرے امراء کے ہاں یہ بات نہیں تھی، وہ آزادی سے جو کچھ چاہتے تھے کرتے تھے۔

ابوالعتاہیہ بیان کرتا ہے کہ ہارون الرشید کے عہد کے ایک مغنی 'مخارق' نے میری دعوت کی۔ میں اس کے مکان پر گیا۔ اس کا مکان نہایت آراستہ پیراستہ تھا۔ زمین پر بہت نفیس فرش بچھا تھا۔ میرے پہنچنے پر اس نے خادموں کو کھانے لانے کا حکم دیا، چنانچہ ہمارے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ میدے کی روٹیاں تھیں اور کئی قسم کے اعلیٰ سالن تھے۔ کھانا کھانے کے بعد بھنی ہوئی مچھلی لائی گئی۔ مچھلی کے بعد دستر خوان پر مٹھائی آئی۔ جب ہم نے کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھو لئے تو پھل، میوے اور مختلف قسم کے مشروبات لائے گئے۔

اس عہد کی مجالس کی صحیح کیفیت کا اندازہ 'کتاب الاغانی'، اور اس زمانے کے شعراء کے دیوانوں کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

بے فکری کی وجہ سے امراء میں نرد اور شطرنج کھیلنے کا رواج ہو گیا تھا۔ کبوتر اڑانے کے مقابلے منعقد ہوا کرتے تھے جن کی وجہ سے کبوتروں کی قیمتیں بے حد چڑھ گئی تھیں۔ مرغوں اور

کتوں کی لڑائیاں بڑی شان سے منعقد ہوا کرتی تھیں۔ نقش ونگار اور تصاویر بنانے کا فن بے حد ترقی کر گیا تھا شراب کے جاموں پر مختلف چیزوں کی تصاویر بنی ہوتی تھیں۔ اس کی تصدیق، بشار، اور 'ابونواس' کے اشعار سے ہوتی ہے۔ رقص کے فن نے بھی بے حد ترقی کر لی تھی، بعض گانے والیاں رقص کا بھی بہترین مظاہرہ کیا کرتی تھیں۔ تمام شہروں میں پر فضا باغات موجود تھے، جن کی نگہداشت کی طرف کافی توجہ دی جاتی تھی اور قسم قسم کے پھول ان میں اگائے جاتے تھے، جن سے ان کی خوب صورتی دوبالا ہو جاتی تھی۔ لوگ باغات میں سیر کرنے کے بے حد شوقین تھے اور اکثر محفلیں باغوں میں ہی منعقد ہوا کرتی تھیں۔

غرض کہ اس زمانے میں عراق پر ایک بہار آئی ہوئی تھی اور ہر جانب مسرت اور شادمانی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ وہ خطۂ زمین جو امویوں کے عہد میں بالکل بنجر تھا، عباسیوں کے عہد میں نہ صرف سرسبز ہو چکا تھا بلکہ اس کی سرسبزی اور شادابی کو دیکھنے کے لئے دنیا کے کناروں سے لوگ چلے آرہے تھے۔

تاہم عراق کا جو حال اوپر بیان کیا گیا ہے، اسے پڑھ کر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ملک کے تمام باشندے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ عیش وعشرت کا مظاہرہ کرنے والی جماعت سے بالکل الگ ایک اور جماعت بھی تھی جسے ان دلچسپیوں سے مطلق واسطہ نہ تھا اور وہ دوسری اطراف سے آنکھیں بند کئے، اپنے مخصوص کام کی تشکیل میں مصروف تھے۔ یہ جماعت ادباء، مصنفین، مترجمین، مفکرین اور فلسفیوں کی تھی۔ یہ لوگ بڑے انہماک سے صرف اس کام میں مشغول تھے، جسے پورا کرنے کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کو وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کل یورپ میں پیرس کو ہے۔ ہر جانب شراب، راگ رنگ اور لہو ولعب کا تذکرہ تھا اس لئے پاکباز، زاہد اور متقی لوگ یہاں رہنے کو اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتے تھے۔ ایک شخص کا مقولہ تھا کہ بغداد متقیوں کے لئے تنگ ہے، کسی مومن کو اس میں رہائش اختیار نہیں کرنی چاہئے۔

بغداد کی گلیاں ان لوگوں کے علاوہ غرباء کے لئے بھی تنگ تھیں، کیوں کہ دولت وثروت کی وجہ سے ہر چیز کے بھاؤ آسمان تک پہنچے ہوئے تھے اور غرباء میں اتنے مہنگے داموں چیزیں خریدنے کی سکت نہ تھی۔

بغداد کی اس حالت کو دیکھ کر یہاں ایک جماعت ایسی بھی بن گئی تھی جو دولت وثروت کے

اس بے جا مظاہرے کو روکنے کا عزم کئے ہوئے تھی۔ یہ جماعت لوگوں کو زہد و تقویٰ کی طرف بلاتی تھی۔ جہاں ابونواس اپنے اشعار سے لہو ولعب کی آگ بھڑکاتا تھا، وہاں ابوالعتاہیہ اپنے اشعار میں پرہیزگاری کا وعظ سناتا تھا۔ جہاں ابونواس کہتا تھا:

تمتع من شباب لیس یبقی
وصل بعری الغبوق عری الصبوح

(جوانی سے جتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے اٹھا لے، کیوں کہ بالآخر وہ باقی نہیں رہے گی اور نشے کا لطف اٹھانے کے لئے شام کی شراب کے ساتھ صبح کی شراب ملا لے)۔

وہاں ابوالعتاہیہ اس طرح زہد و اتقا کی تلقین کرتا تھا:

رغیف خبز یابس ۔۔۔ تاکلہ فی زاویۃ
وکوز ماء بارد ۔۔۔ تشربہ من صافیۃ
و غرفۃ فیقۃ ۔۔۔ نفسک فیھا خالیۃ
او مسجد بمعزل ۔۔۔ عن الوریٰ فی ناحیہ
معتبرا بمن مضیٰ ۔۔۔ منِ القرون الخالیہ
خیر من الساعات فی ۔۔۔ فیئ القصور العالیہ

(سوکھی روٹی کا ٹکڑا، جسے تو ایک کونے میں بیٹھ کر کھائے، ٹھنڈے پانی کا پیالہ، جسے تو پیے، ایک تنگ کمرہ، جس میں تو یکہ و تنہا بیٹھا ہو یا ایک مسجد، جس میں تو تمام دنیا سے علیحدہ بیٹھ کر، ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑ رہا ہو جو پرانے زمانوں میں گزر چکے ہیں، ان چند گھڑیوں کے سائے سے بہتر ہے جو بلند و بالا محلات کے نیچے بیٹھ کر حاصل ہوتا ہے)۔

اموال کی کثرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں علم و فن کی ترویج بڑی تیزی سے ہونے لگی، شاعری کا بازار گرم ہو گیا اور تہذیب و تمدن کے چشمے پھوٹنے لگے۔ مؤلف کتاب الاغانی کہتا ہے کہ مشہور مغنی ابراہیم موصلی نے ہارون سے جو رقمیں وصول کیں وہ دو لاکھ دینار سے بھی زیادہ تھیں۔ جب ایک مغنی پر اس قدر زبردست رقم خرچ کی جا سکتی ہے، تو نہ معلوم اس کے سوا بغداد میں اور جو ہزاروں ادباء، شعراء اور مغنی ہوں گے ان پر کس قدر رقم خرچ کی گئی ہو گی۔ اس طرح علوم و فنون کی جو گرم بازاری ہوئی اس کا سہرا کلی طور پر ہارون الرشید کے سر بندھتا ہے۔

ہارون الرشید کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے زمانے میں فلسفے کی کئی مشہور پرانی

کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس اہم کام کی طرف اس نے اپنی پوری توجہ مبذول کر رکھی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے وزراء نے بھی کتابوں کے ترجموں کی طرف اپنی توجہات مبذول کیں۔ اس طرح یونانی اور فارسی اسالیب فکر کی اشاعت بڑی تیزی سے ہوئی اور اس کا یہ کارنامہ قدیم و جدید تہذیبوں کو ملانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

ادب، صرف ونحو اور فقہ کو بھی ہارون کے زمانہ میں بہت ترویج حاصل ہوئی۔ جہاں نحو کے بارے میں بصری اور کوفی دو گروہ بن گئے، وہاں فقہ نے بھی حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مذاہب کی صورت اختیار کر لی۔

کیمیا نے بھی اس کے عہد میں بے حد ترقی کی۔ جہاں تک مصوری کا تعلق ہے اس کے عہد میں جو محلات تعمیر کیے گئے ان میں تصاویر بھی بنائی گئی تھیں۔

موسیقی کے فن نے تو اس کے عہد میں انتہائی عروج حاصل کیا۔ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن نے ہارون کے عہد میں کس قدر ترقی کر لی تھی اور خود ہارون کو اس میں کسی قدر شغف تھا۔

علوم وفنون کی یہ گرم بازاری محض ہارون کی وجہ سے نہ تھی۔ اس کے امراء و وزراء بھی ان کی ترویج میں برابر کے شریک تھے۔ اس کی بیوی زبیدہ نے کرخ میں اپنے لئے ایک بلند و بالا محل بنوایا، جو اس وقت کے فن تعمیر کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ زبیدہ نے حاجیوں کی بہبودی کے لئے بھی بہت بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ مکہ معظمہ کے راستے میں جابجا سرائیں بنوائیں، جہاں مسافر آرام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک نہر بنوائی جس پر کروڑوں درہم خرچ آئے اور اسی کے نام پر اس کا نام 'نہر زبیدہ' رکھا گیا۔

برامکہ نے علوم وفنون کی ترویج میں جو کام کیا وہ تو رہتی دنیا تک ان کی یادگار رہے گا۔ نہ صرف انہوں نے محلات بنوائے، بلکہ علوم وفنون کی توسیع میں بھی بہت بڑا کام کیا، ان کی علم پروری کا حال سن کر ہر چہار جانب سے علماء ادباء اور شعراء ان کی طرف آنے لگے اور بغداد نے ایک عظیم الشان دار العلوم کی حیثیت حاصل کر لی۔

جس طرح ہارون الرشید علم و ادب کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا، اسی طرح برامکہ بھی اپنے اردگرد علماء، ادباء اور شعراء کو جمع رکھتے تھے۔ اکثر علماء اور ادباء کے باہم مباحثے ہوا کرتے تھے جن سے علوم کے نئے نئے دروازے کھلتے تھے۔ برامکہ ان علماء و ادباء پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔

اطباء پر تو برامکہ کی خاص عنایات تھیں اور انہوں نے ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔

ہمیں یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ برامکہ فارسی الاصل تھے۔ اسی لئے وہ ایرانی تہذیب کے زبردست دلدادہ اور فارسی ثقافت کی ترویج میں پیش پیش تھے۔ سلطنت کا تمام نظام انہوں نے ایرانی سانچوں میں ڈھالا ہوا تھا۔ فضل بن سہل کو (جو بعد میں 'ذوالریاستین' کے لقب سے ملقب ہوا اور امین کا وزیر اعظم بنا) یحیٰی برمکی نے ایرانی کتب کا ترجمہ عربی میں کرنے پر مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے یہ کام بڑی لیاقت اور عمدگی سے کیا۔ یحیٰی اس کی لیاقت سے بہت خوش ہوا اور اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ اس پر یحیٰی نے اسے اور اس کے لڑکے کو خراسان بھیج دیا، تاکہ وہ وہاں لوگوں کو علم و حکمت کا سبق دے۔

لیکن برامکہ نے اپنی کوششیں صرف فارسی ثقافت کی ترویج تک ہی محدود نہیں رکھیں، بلکہ دوسری ثقافتوں کی ترقی کے سلسلے میں بھی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ ابن ندیم ذکر کرتا ہے کہ ہیئت کے بارے میں مجسطی کی کتاب کو عربی میں ترجمہ کرانے اور اس کی شرح لکھوانے کا خیال سب سے پہلے یحیٰی برمکی کو ہوا۔ اس نے علماء کی ایک جماعت اس غرض کے لئے مقرر کی کہ وہ اس کا ترجمہ کریں اور شرح بھی لکھیں۔ جب کتاب یونانی سے ترجمہ ہو کر اس کے سامنے آئی تو وہ مطمئن نہ ہوا اور اس نے 'بیت الحکمتہ' کے دو اور عالموں ابوحسان اور سلم کو دوبارہ اس کی شرح لکھنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے بڑی محنت سے یہ کام کیا اور پہلے علماء کی لکھی ہوئی شرح میں جو خامیاں باقی رہ گئی تھیں، انہیں دور کیا۔ اسی طرح یحیٰی نے مشہور ہندوستانی طبیب 'منکہ' کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی میں کرایا اور ایک آدمی کو خاص اس غرض کے لئے ہندوستان روانہ کیا کہ وہ منکہ سے ان جڑی بوٹیوں کا مفصل حال پوچھ کر آئے جن کا ذکر اس کی کتاب میں تھا۔ منکہ کے نام جو خط اس نے تحریر کیا، اس میں یہ درخواست بھی کی کہ وہ ہندوستان کے تمام مذاہب کا حال بھی اسے لکھ کر بھیجے۔ چنانچہ منکہ نے تمام جڑی بوٹیوں اور ہندوستان کے مذاہب کا حال مفصل طور پر لکھ کر یحیٰی کو بھیج دیا۔

ہارون نے منکہ کو بعد میں ہندوستان سے بلا کر بغداد کے تمام شفاخانوں کا افسر مقرر کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوستان سے چند اور طبیبوں کو بھی بلا کر اپنے ہاں ملازم رکھا جن کے نام کنکہ، صنجہل، شاناق اور جودر تھے۔ ان ہندی اطباء کی مدد سے سنسکرت کی بعض طبی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

یہ بہت ہی مختصر سا بیان ان علمی، ادبی، ثقافتی اور معاشرتی ترقیوں کا ہے جو عہد ہارون میں

ہوئیں۔اس کے زمانے میں علوم وفنون کے ہر شعبے میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں اور بغداد میں علم کا دریا زور شور سے بہنے لگا۔

ہارون نے نہایت دریا دلی کے ساتھ علماء، فضلاء اور ادباء کی قدر دانی کی اور ان لوگوں نے شاہی سرپرستی میں آ کر اور معاش کی طرف سے کلی طور پر بے فکر ہو کر، اپنی زندگیاں ترویج علم اور تدوین کتب کے لئے وقف کر دیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کا ہر گھر علم وفن کا مرکز بن گیا اور شہر کا ہر چھوٹا بڑا علم کے نشے میں سرشار رہنے لگا۔کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں ایک کتب خانہ نہ ہو اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے کتابیں جمع کرنے کا شوق نہ ہو۔

علوم کی ہر شاخ میں جس قدر ترقی ہارون کے عہد میں ہوئی، اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک پوری کتاب بن جائے۔اس لئے اس کا نہایت ہی اختصار کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ہم یہ سوانح عمری ختم کرتے ہیں۔

تخت نشینی تک کے اہم تاریخی واقعات

سنہ عیسوی	سنہ ہجری	واقعات
۶۲۲ء	۱ھ	ہجرت نبوی
۶۳۲ء	۱۱ھ	نبی کریم صلعم کی وفات
۶۳۲ء تا ۶۶۱ء	۱۱ھ تا ۴۱ھ	خلفاء راشدین کا زمانہ
۶۶۱ء تا ۷۵۰ء	۴۱ھ تا ۱۳۳ھ	خلفاء امویہ کا زمانہ
۶۸۰ء	۶۱ھ	کربلاء میں حضرت امام حسین کی شہادت
۶۵۶ء	۳۶ھ	اندلس میں خلافت امویہ کی ابتداء
۷۵۰ء تا ۷۵۵ء	۱۳۳ھ تا ۱۳۷ھ	عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کا زمانہ
۷۵۵ء تا ۷۷۵ء	۱۳۷ھ ۱۵۹ھ	ہارون الرشید کے دادا منصور کا زمانہ
۷۷۵ء تا ۷۸۵ء	۱۵۹ھ تا ۱۶۹ھ	ہارون الرشید کے والد مہدی کا زمانہ
۷۸۵ء تا ۷۸۶ء	۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ	ہارون الرشید کے بھائی ہادی کا زمانہ
۷۶۳ء تا ۷۶۶ء	۱۴۶ھ تا ۱۴۹ھ	ہارون الرشید کی ولادت
۷۸۰ء	۱۶۴ھ	ملکہ ایرینی کی قسطنطنیہ میں تخت نشینی
۷۸۰ء تا ۷۸۲ء	۱۶۴ھ تا ۱۶۶ھ	ہارون الرشید کا لشکر کے ساتھ روم جانا
۷۸۱ء یا ۷۸۲ء	۱۶۵ھ یا ۱۶۶ھ	ہارون الرشید کی زبیدہ کے ساتھ شادی
۴۔ اگست ۷۸۵ء	۱۶۹ھ	مہدی کی وفات
۱۷۔ ستمبر ۷۸۶ء	۱۷۰ھ	ہادی کی وفات اور ہارون کی تخت نشینی
۱۷۔ ستمبر ۷۸۶ء تا ۲۴۔ مارچ ۸۰۹	۱۷۰ھ تا ۱۹۴ھ	ہارون الرشید کا زمانہ
۲۴۔ مارچ ۸۰۹ء	۱۹۴ھ	ہارون کی وفات

ماخذ
(عربی کتب)

تاریخ طبری
مروج الذہب از مسعودی
الفخری از ابن طباطبا
کتاب الاغانی از ابوالفرج اصفہانی
وفیات الاعیان از ابن خلکان
خوات الوفیات حاشیہ ابن خلکان
تاریخ ابن اثیر
تاریخ ابوالفداء
تاریخ ابن خلدون
حدیث الاربعاء از ڈاکٹر طہٰ حسین
محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ از خضری
الفہرست از ابن ندیم
دیوان ابوالعتاہیہ
دیوان ابونواس
فائل رسالہ المقتطف
فائل رسالہ الہلال
فائل رسالہ المشرق
دائرۃ المعارف الاسلامیہ از فرید وجدی
العقد الفرید از ابن عبدربہ
نہایۃ الارب از نویری
فائل رسالہ المجمع العلمی دمشق
اخبار العلماء باخبار الحکماء از وزیر جمال الدین
ضحیٰ الاسلام از احمد امین

خطط الشام از محمد کرد علی

(یورپی کتب)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا
فرنچ انسائیکلوپیڈیا
تاریخ عام (مطبوعہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کمپنی)
تاریخ عام از پروفیسر ولز
تاریخ عرب از ہوار جلد اول و دوئم مطبوعہ ۱۹۱۶ء
برامکہ از بوذہ مطبوعہ ۱۹۱۲ء
خلافت کا عروج وزوال از ولیم میور مطبوعہ ۱۸۹۱ء
مفکرین اسلام از کارادی فو
بغداد دولت اسلامیہ میں از اسٹرینج مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۰ء
شارلیمان اور ہارون الرشید از شمیدت
شارلیمان اور ہارون الرشید از برٹولڈ
شام اور فرانس کے ابتدائی تعلقات کے اسباب از بربیہ ۱۹۱۹ء
مشرق و مغرب از ایبر سلٹ ۱۹۳۸ء
فرانس پر عربوں کی چڑھائی از رینہ ۱۹۳۸ء
اسلامی نظام از رینہ ۱۹۳۸ء
عربوں میں صید و شکار از لوئیس میور ۱۹۲۷ء
اسلامی معلومات از ہنری وسون ۱۹۳۲ء
ابراہیم بن مہدی
نویں صدی میں عباسی سنہ کا اجراء ۱۹۰۹ء
عربی تہذیب و تمدن گستاف لیبان
انسائیکلوپیڈیا آف سائنز
فرانسیسی ادب میں مشرق کا اثر از مارتینو

نشاۃ اسلامیہ از لامنس

اسلام کے متعلق مقالات از ڈوزی

برامکہ، تاریخی ناول از اھارب

بغداد کی راتیں از جیز ون وتوز ۱۹۰۴ء

عربی ادب از گب مطبوعہ کیمبرج

اسلام از ماسیہ

اسلام از مونتہ

اختتامیہ

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

مشرق کا وہ رفیع الشان اور عظیم القدر شہنشاہ، جس کا نام ابوجعفر ہارون الرشید تھا، دولت عباسیہ کا ایسا اولوالعزم تاجدار تھا کہ پونے سات سو برس سے دنیائے اسلام اور سرزمین یورپ میں یکساں شہرت کا مالک ہے۔ جیسی بین الاقوامی مقبولیت اور عزت مشرق و مغرب میں ہارون الرشید کو حاصل ہے، صلاح الدین اعظم کے سوا اتنی شہرت کسی اور مسلمان فرمانروا کو حاصل نہیں ہوئی۔ یہی وہ خوش قسمت حکمران ہے جس کی متعدد سوانح عمریاں فرانسیسی، انگریزی اور دوسری یورپین زبانوں میں لکھی گئیں، جہاں سے وہ مشرقی زبانوں میں منتقل ہوئیں۔ صلاح الدین اعظم کی حیثیت یورپ میں ایک بے نظیر بہادر اور فاتح کی ہے۔ ہارون الرشید، اس کے بالمقابل، یورپ میں کہانیوں کا بادشاہ ہے۔ وہ مجلس عیش و نشاط کا گل سرسبد ہے۔ چنانچہ جیسے مزے لے لے کر الف لیلہ کی حکایتیں یورپ کا بچہ بچہ پڑھتا ہے اور جس کثرت کے ساتھ یورپ کی مختلف زبانوں میں دنیا کی اس دلچسپ ترین کتاب کے ترجمے ہوئے ہیں، اتنے شوق کے ساتھ شاید ہی مشرق کی کوئی کتاب مغرب میں پڑھی جاتی ہو۔

ہارون الرشید کا عہد حکومت کچھ بہت زیادہ طویل نہیں تھا مگر یہ اپنی تیئیس سالہ مدت میں بھی ایسے پائیدار نقش چھوڑ گیا جو تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ نمایاں اور روشن رہیں گے۔ ایک اعلیٰ حکمران، ایک دانشمند شہنشاہ اور ایک اولوالعزم سیاست دان میں جتنی خوبیاں اور جس قدر بھلائیاں ہوسکتی ہیں۔ قدرت نے وہ سب ہارون الرشید کے وجود میں جمع کردی تھیں۔ وہ یگانہ روزگار فاضل اور علوم دینیہ کا بہت بڑا عالم تھا۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا مدبر اور سیاست ملکی کا بے نظیر ماہر تھا۔ زاہد اور خدا ترس اس قدر تھا کہ نماز پنجگانہ کے علاوہ ہر روز سو نفل ادا کرتا اور روزانہ ایک ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔ دین کا اس قدر عشق رکھتا تھا کہ متعدد حج اس نے پاپیادہ کیئے ہیں۔ جس سال خود حج کو نہ جاسکتا تو اپنے بجائے تین سو آدمیوں کو سفر خرچ دے کر حج کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ نرم دل اس قدر تھا کہ کوئی اسے نصیحت کرتا تو زار و قطار رونے لگتا۔ اور دلاور ایسا تھا کہ شاہزادگی کے زمانے میں جبکہ وہ صرف سترہ برس کا نوجوان تھا باپ نے اسے رومی سلطنت پر حملہ کرنے کا حکم دیا جو اس وقت یورپ کی نہایت طاقتور حکومت تھی اور جس پر فوج کشی کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ مگر ہارون الرشید اپنی کم عمری کے باوجود بالکل نہ ڈرا۔ اور ۹۰ ہزار ۹ سو سپاہیوں کو لے کر روم پر حملہ کر

دیا۔ اس وقت قسطنطنیہ پر ملکہ ایرینی حکمران تھی، اسے خبر ہوئی تو اس نے سرحد پر جرار فوجیں منتخب بہادروں کے ماتحت ہارون الرشید کی یلغار کو روکنے کے لئے روانہ کیں مگر ہارون الرشید نے ایسی بے جگری کے ساتھ حملہ کیا کہ کوئی بھی سردار اور جرنیل اسے روک نہ سکا اور ہر ایک کو اس کے بالمقابل شکست کھانی پڑی۔ سرحد سے لے کر قسطنطنیہ تک قلعوں اور علاقوں کے گورنروں سے اسے ایک لاکھ ۹۳ ہزار ۴ سو پچاس دینار اور دو کروڑ ۱۱ لاکھ ۴۰ ہزار آٹھ سو درہم خراج میں وصول ہوا۔

جب ملکہ ایرینی نے یہ حالت دیکھی اور اپنے آپ کو ہارون الرشید کے مقابلے میں بالکل بے بس محسوس کیا تو اس نے ۷۰ ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدے پر بڑی ذلت کے ساتھ ہارون سے صلح کی۔ اس جنگ میں مختلف محاذات پر ہارون الرشید نے دشمن کے ۵۴ ہزار آدمیوں کو تہ تیغ اور ۵ ہزار ۶ سو ۴۳ رومیوں کو قید کر کے غلام بنایا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ بیس ہزار گائیں اور بکریاں اس کے قبضے میں آئیں (تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان جلد دوم صفحہ ۲۱۰)

مختلف حیثیتوں کا ایسا باجبروت شہنشاہ پردۂ عالم پر شاید کوئی گزرا ہو۔ ضرورت ہے کہ اس کے کارنامے، اس کی فتوحات، اس کے عہد کے واقعات، اس کی شان و شوکت، ہمسایہ سلطنتوں سے اس کے تعلقات اور اس کی سلطنت کی وسعت و دولت کا ایک مکمل نقشہ آنکھوں کے آگے کھنچ جائے۔ یہ نقشہ بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بغیر مکمل نہ ہو سکتا تھا۔ میں اپنی عرصہ دراز کی سعی و تلاش کے نتائج ذیل کے صفحات میں پیش کر رہا ہوں۔ ان صفحات کا مقصد یہ ہے کہ جو معلومات یا واقعات عمر ابوالنصر کی کتاب 'الہارون' میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں انہیں اختتامیے کی صورت میں شامل کر دیا جائے تا کہ اردو دان طبقے کو عہد ہارون کے بارے میں اسی ایک کتاب کی بدولت ہر قسم کی معلومات مہیا ہو سکیں۔

سلطنت ہارون الرشید کی وسعت اور عظمت

اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے یہ بیان کریں گے کہ ہارون الرشید کی سلطنت دنیا کے کتنے حصے پر چھائی ہوئی تھی، کون کون سے ممالک اس کے قبضہ میں تھے اور اس کی سلطنت کی حدود کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں تاکہ اندازہ ہو کہ وہ کس درجے اور کس رتبے کا شہنشاہ تھا اور اس وقت کے دوسرے حکمرانوں کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت تھی۔

ہارون کے انگریزی سوانح نویس مسٹر پامر اپنی کتاب 'ہارون الرشید' میں لکھتے ہیں:۔

''شہر بغداد ایک ایسی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافہ تھا جو ہندوستان اور تاتار سے لے کر بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان حدود کے اندر کے تمام وسیع وعریض ممالک پر وہ انسان حکمران تھا جس کے قبضے میں آمدنی کے بے انتہا ذرائع تھے اور جو پوری اور کامل مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرتا تھا، جس کے اردگرد بے شمار اہل کمال، علماء فضلاء اور شعراء کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ یہ تھا خلیفہ ہارون الرشید''۔

مصنف 'البرامکہ' مولوی عبدالرزاق کانپوری مندرجہ بالا بیان پر یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں:۔

''سوائے سپین کے اس وقت کی کل اسلامی دنیا ہارون الرشید کے تابع فرمان تھی۔ یورپ جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم ویونان کے ملک تھے اور یہ دونوں عباسی خلیفہ کے باجگذار تھے''۔

ہارون الرشید کی وسیع وعریض سلطنت کے حدود اربعہ اصطخری، ابن حوقل اور ابن الفقیہ کے بموجب حسب ذیل تھے:۔

شمالی جانب، براعظم ایشیا میں سریر، خزر اور لان کے ممالک اور یورپ میں بیریدیہ کا پہاڑی سلسلہ جو موجود اٹلسوں میں بحر قزوین اور بحیرہ روم سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔

جنوب میں خلیج فارس، بحر ہند اور افریقہ میں ملک نوبہ کے دو حصے جو مصر سے ملحق ہیں۔

مشرق میں ہندوستان اور ملک چین کا کچھ حصہ۔

مغرب میں بحیرہ اسود، ایشیائے کوچک کا کچھ حصہ اور روس وبلغاریہ کا علاقہ۔

متذکرہ بالا حدود سے گھری ہوئی سلطنت ۲۷ ممالک پر مشتمل تھی۔ ان میں سے سات ممالک مغرب میں تھے اور ۲۰ ممالک مشرق میں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

الف۔ ہارون الرشید کی سلطنت کے مغرب ممالک

(۱) ممالک عرب (۲) فلسطین وشام (۳) بحر فارس (۴) الجزیرہ (۵) بحیرہ روم (۶) مصر

(۷) دیار مغرب

ب۔ مشرقی ممالک

(۱) عراق عجم (۲) کوہستان (۳) خوزستان (۴) دیلم (۵) فارس (۶) طبرستان (۷) کرمان (۸) جرجان (۹) مکران (۱۰) قومس (۱۱) طوران (۱۲) صحرائے خراسان کے شہر (۱۳) سندھ (۱۴) بجستان (۱۵) آرمیبیا (۱۶) خراسان (۱۷) آذربائیجان (۱۸) ماوراء النہر (۱۹) بلاد الران (۲۰) خوارزم۔

اب ان ۲۷ ممالک کا حال مختصر طور پر سنئے جو ہارون الرشید کے زیر فرمان تھے۔ یہ بات شروع ہی میں ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ ان ممالک میں سے ہر ملک کئی کئی علیحدہ اور مستقل حصوں اور ٹکڑوں میں منقسم تھا۔

الف۔ مغربی مقبوضات

ا۔ ممالک عرب

عرب کئی مختلف ممالک کا مجموعہ ہے جس کی حد بندی مشہور مصری فاضل جرجی زیدان اپنی کتاب 'تاریخ تمدن اسلام' میں قدیم عربی جغرافیہ دانوں کے بیان کے مطابق اس طرح کرتا ہے:۔

"اس ملک کو عبادان یعنی دجلہ کے دھانے سے بحر فارس نے گھیر رکھا ہے جو بحرین سے ہوتا ہوا عمان کو نکل گیا ہے اور وہاں سے مدین تک پھیلتا ہوا ایلہ تک جا پہنچا ہے۔ عربی جغرافیہ دان ان تمام دریاؤں کو بحر فارس سے موسوم کرتے ہیں جو عرب ممالک کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔ مگر اس میں اتنا فرق ہے کہ سمندر کا وہ حصہ جو بحر عمان سے لے کر عدن تک چلا گیا ہے وہ المحیط الہندی یا بحیرہ عرب کہلاتا ہے اور جو حصہ آبنائے باب المندب سے ایلہ تک چلا گیا ہے اسے بحیرہ قلزم یا بحر احمر کہتے ہیں۔ اس کی شمال مغربی جانب کی حد بندی ممالک شام و فلسطین ایک خمدار خط سے کرتے ہیں جو ایلہ سے بحیرہ مردار کو ملا کر شرات، بلقاء، اذراعات، سلیمہ اور خناصرہ کو اپنے سلسلے میں لیتا ہوا دریائے فرات سے جاملا ہے اور وہاں سے رقہ، قرقیسیا، رجبہ اور کوفہ کو گھیرتا ہوا بطائع اور واسط کو شامل کرتا ہوا عبادان تک گیا ہے"۔

آج کل کے جغرافیین عرب کا حدود اربعہ یہ بیان کرتے ہیں:۔

مشرق میں ایران کا ملک۔ خلیج فارس اور بحر عمان۔

جنوب میں بحر ہند اور بحیرہ عرب۔

مغرب میں۔ بحراحمر یا بحیرہ قلزم، نہر سویز، بحر روم۔

ابی سینیا، سوڈان اور مصر۔

شمال میں۔ بحرمیت، صحرائے شام اور فلسطین۔

ہمارے قدیم جغرافیین کسی ملک کی مساحت کا اندازہ بالعموم رفتار سے کیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر مشہور جغرافی اسماعیل ابوالفدا اپنی کتاب تقویم البلدان میں لکھتا ہے کہ ''اگر کوئی شخص سات مہینے اور گیارہ دن تک برابر چلتا رہے جب عرب کے گرد ایک چکر پورا لگا سکے گا''۔ موجودہ پیمائش کے لحاظ سے عرب کا طول بندر سعید سے عدن تک پندرہ سو میل اور عرض العریش سے دریائے فرات تک چھ سو میل ہے۔ مجموعی رقبہ ۱۲ لاکھ مربع میل ہے۔

عرب ممالک چار حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ ایک جداگانہ ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان چاروں حصوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) عروض (۲) نجد (۳) یمن (۴) حجاز۔ ان میں سے ہر ایک قطعہ مختلف صوبوں پر منقسم ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

۱۔ عروض

صوبہ عروض حدود عراق سے خلیج فارس کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے، اس میں مندرجہ ذیل تین بڑے قطعات شامل ہیں۔

۱۔ یمامہ۔ صوبہ نجد کے متصل اور اس کے جنوب میں واقع ہے۔ عرب کی قدیم قوموں طلسم اور جدلیس کا یہی مسکن تھا۔ زرقاء اسی صوبے کی رہنے والی تھی جو اتنی تیز نظر تھی کہ تین روز کے فاصلے سے آنے والے قافلے کو دیکھ لیا کرتی تھی۔ مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اسی علاقے کا باشندہ تھا۔

۲۔ بحرین یا الحساء۔ خلیج فارس پر ساحلی علاقہ ہے۔ یہ قطعہء زمین موتیوں کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ساحل پر جب دیکھو غواص سمندر کی تہ میں سے موتی نکالتے نظر آتے ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں جو موتی یہاں سے نکالے گئے ان کی قیمت ۱۲ لاکھ پونڈ تھی۔

۳۔ عمان۔ اس کے ایک طرف خلیج فارس اور دوسری طرف بحر ہند ہے۔ دارالحکومت مسقط ہے۔ رقبہ اسی ہزار مربع میل ہے۔ سرزمین عرب میں بڑا عجیب علاقہ ہے۔ اس کے پہاڑ قیمتی معدنیات سے، اس کے سمندر بیش بہا موتیوں سے، اس کی وادیاں خوشبودار لکڑیوں سے، اس کے جنگل لذیذ پھلوں سے اور اس کے کھیت ہر قسم کے غلوں سے بھرے پڑے ہیں۔ یہاں کے گھوڑے، گائیں اور بکریاں بھی سارے عرب میں مشہور ہیں۔

۲۔ نجد

نجد وسط عرب میں ایک سرسبز و شاداب اور بلند و فراز قطعۂ زمین ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی یہیں کے رہنے والے تھے، جن کے پیرو وہابی کہلاتے ہیں۔ سلطان ابن سعود بھی یہیں کے فرمانروا تھے جنہوں نے بعد میں بڑھ کر سارے عرب پر قبضہ کرلیا۔ یہ ملک تین حصوں پر منقسم ہے (الف) شمر (ب) قصیم اور (ج) عارض۔ دارالحکومت ریاض ہے۔

۳۔ یمن

بحیرہ عرب اور بحر قلزم کے کناروں پر واقع ہے اور عرب کا سب سے زیادہ شاداب، سب سے زیادہ پر رونق، سب سے زیادہ وسیع، سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ مہذب علاقہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ عروس الملک کہلاتا ہے۔ یہی وہ تاریخی ملک ہے جہاں قدیم زمانے میں عمالقہ۔ اہل معین، عاد، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئیں، جن کی عظمت و شوکت کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں اور جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے 'لم یخلق مثلھا فی البلاد' اس ملک کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ ۸۴ صوبوں پر مشتمل تھا۔ صنعاء دارالحکومت ہے۔ قدیم مشہور مقامات یہ تھے: مآرب، ظفار، اوزال، شیبان، براقش، نشق، خولان، قرن، شبوہ اور عمران وغیرہ۔ ملک کے بڑے بڑے حصے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرموت (۲) احقاف (۳) صنعائے یمن (۴) نجران (۵) عسیر۔

اس ملکی تقسیم کے علاوہ یمن کے ساحلی مقامات اور جزائر میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

الشحر، مہرہ، مزبط، المکلہ، الحورہ، الحوط، جزیرہ بریم، لحج، عدن، الحدید، قمران۔

مشہور عاشق رسول صلعم، حضرت اویس قرنیؓ اسی علاقے کے ایک گاؤں قرن کے رہنے والے تھے۔

۴۔ حجاز

حجاز عرب کا وہ خطہ پاک ہے جس سے نور اسلام کی کرنیں تمام دنیا میں پھیلیں۔ یہی وہ ارض مقدس ہے جہاں خدائے واحد کی عبادت کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے گھر بنایا۔ یہی وہ سرزمین قدس ہے جہاں خدا کی آخری شریعت نازل ہوئی۔ حضور رحمتہ للعالمین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزار پرانوار اسی حجاز میں واقع ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں دنیا بھر سے مسلمان دیوانہ وار ہر سال حج کے لئے چلے آتے ہیں۔

سچ پوچھیئے تو حجاز کی بزرگی و برتری، شہرت اور مقبولیت صرف مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی وجہ سے ہی ہے۔ ورنہ ان کے سوا اس میں اور کیا رکھا ہے۔ سارا علاقہ ریگستان اور کوہستان ہے۔

صوبہ حجاز کا طول ۳۱۱ میل اور عرض ۱۸۶ میل ہے۔ مکہ اور مدینہ کے علاوہ اس کا تیسرا مشہور شہر طائف ہے جو اپنی شادابی اور سرسبزی کے لحاظ سے گویا حجاز کی جنت ہے۔

مدائن صالح، تیما، تبوک، خیبر، مدین مشہور بستیاں ہیں۔ جدہ، رابغ اور ینبع بندرگاہیں ہیں جو بحیرہ قلزم پر واقع ہیں۔

حجاز سے ملحق تہامہ کا علاقہ ہے جس کا مستقر شہر قنفذہ ہے۔ یہ علاقہ ساحل بحر کے قریب نشیبی ہے۔ عرب میں تہامے تین ہیں۔ (۱) تہامہ حجاز (۲) تہامہ یمن اور (۳) تہامہ عسیر۔

ان چار صوبوں کے علاوہ عرب کے دو حصے اور ہیں، ایک عرب الشام کہلاتا ہے دوسرا عرب العراق۔

۵۔ عرب الشام

یہ حصہ ملک شام و فلسطین سے ملا ہوا عرب کا علاقہ ہے۔ یہاں قدیم زمانے میں عمالقہ کی زبردست سلطنت قائم تھی۔ غسانیوں نے بھی یہاں بڑی شان سے حکومت کی ہے۔ یہی وہ قطعہء زمین ہے جس میں کہ طور واقع ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی۔

۶۔ عرب العراق

آج کل اس علاقے کو عراق عرب کہتے ہیں۔ بصرہ اور کوفہ اسی سرزمین پر حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں آباد ہوئے تھے، جو خالص عربی تمدن کے مظہر اور صدر اول کے علماء کے مستقر رہے ہیں۔

۲۔ فلسطین و شام

عرب کے شمال میں واقع یہ ممالک ہارون الرشید کے زمانے میں سات صوبوں پر منقسم تھے۔

۱۔ جند فلسطین۔ یہ صوبہ ولایات شام میں سب سے زیادہ زرخیز تھا۔ دارالحکومت کا نام 'رملہ' تھا جو اس وقت بیت المقدس سے بھی زیادہ پر رونق شہر تھا۔ اسی علاقے میں وہ بیابان شامل تھا جو 'تیہ بنی اسرائیل' کہلاتا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے بنی اسرائیل

چالیس سال تک بھٹکتے پھرے تھے۔ یہ ۱۵۳ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ فلسطین کا ایک ضلع "الجفار" کے نام سے موسوم تھا جس میں جا بجا نخلستان اور قدرتی چشمے بہتے تھے۔ فلسطین و شام ہی وہ متبرک اور مقدس سرزمین ہے جہاں بنی اسرائیل کے سینکڑوں نبی مدفون ہیں۔ بیت المقدس (یروشلم) کا شہر بھی فلسطین میں ہے جہاں کی مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ۱۸۰۰ برس قبل مسیح میں بنوائی تھی اور جو آج تک یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ اسے واپس لینے کے لئے یورپ کی متفقہ طاقتوں نے سات مرتبہ مسلمانوں پر حملے کئے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ بیت المقدس، رملہ، بیت اللحم، یافا، ریحا، غزہ، شراہ وغیرہ فلسطین کے مشہور مقامات تھے جن میں سے بعض اب بھی باقی ہیں۔

۲۔ جند الاردن (ولایتِ یردن)۔ اس صوبے میں ایک تو غوز کا ضلع، دوسرے دریائے اردن کا کنارہ، تیسرے بحر لوط کا علاقہ شامل تھا۔ دار الخلافہ طبریہ (طبریاس) تھا۔ بیسان، فحل، عکہ اور صور اس کے بڑے بڑے مقامات تھے۔ عکہ اب بھی آباد اور بابیوں کا قبلہ ہے۔

بحر لوط کو بحر عفونت، جھیل مردار اور بحر میت وغیرہ مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ یہ جھیل دنیا کی بڑی عجیب اور ہولناک جھیل ہے جس کا طول ۶۰ میل اور عرض ۴۰ میل ہے۔ قدیم زمانے میں اس مقام پر سمندر کا کوئی نشان نہ تھا۔ بلکہ اس تمام علاقے میں گنجان آباد اور پر رونق شہر آباد تھے جن کے نام سدوم، عمورہ، غومورہ، ادمہ، صاعورہ اور ضبوئیم تھے۔ جب ان بستیوں کے باشندوں کی بداعمالیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے سمجھانے کے لئے بھیجا۔ مگر ان بدبختوں نے ان کا کہنا نہ مانا اور اسی طرح فسق و فجور میں مبتلا رہے۔ بالآخر خدا کا عذاب ان پر بھڑکا۔ رات کے آخری حصے میں ایک ہیبت ناک چیخ سے، جو زمین کے اندر بلند ہوئی، ان بستیوں کے باشندے ہلاک ہو گئے۔ جو باقی بچے ان پر آسمان سے پتھر برسے اور ان سب کا خاتمہ ہو گیا پھر سخت زلزلہ آیا جس سے زمین کا تختہ الٹ گیا۔ بستیوں کی زمین ڈھائی سو فٹ نیچے چلی گئی اور نشیب پانی سے بھر گیا۔

اس واقعے کو اگرچہ چار ہزار برس گزر چکے ہیں مگر آج بھی خدا کا غضب اس جگہ برس رہا ہے۔ جھیل کا پانی سخت بدبودار اور متعفن ہے۔ اس پر سے جو ہوا گزرتی ہے وہ اتنی زہریلی ہو جاتی ہے کہ آس پاس کے باشندوں کے لئے نہایت مضر ہوتی ہے۔ جھیل کے پانی میں مچھلی یا کوئی اور جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان اس میں گر پڑے تو نہ ڈوب سکتا ہے نہ باہر نکل سکتا ہے۔ یہاں

تک کہ اس کا دم نکل جاتا ہے۔ اس کے پانی میں یہاں تک سمیت گھلی ہوئی ہے کہ اگر لکڑی اس میں ڈالی جائے تو ایسی بھسم ہو جاتی ہے کہ جلانے کے قابل بھی نہیں رہتی۔

کچھ جھیل پر ہی موقوف نہیں، اس کے آس پاس کا علاقہ بھی اس وقت تک غضب خداوندی میں مبتلا ہے اور سرزمین ملعون کے نام سے مشہور ہے۔ اس سارے قطعہء زمین میں نہ کسی قسم کا بیج پھل لاسکتا ہے، نہ کسی قسم کی نباتات پیدا ہوتی ہے، نہ دودھ والے مویشی اس علاقہ میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ ایک سیاہ رنگ کا میدان ہے جو دور تک چلا گیا ہے۔ مشہور سیاح مقدسی دسویں صدی میں سا سرزمین کے متعلق لکھتا ہے۔ ''جس شخص کو یہ محسوس ہو کہ ملک الموت اس کے پاس آنے میں دیر لگا رہا ہے وہ یہاں آجائے۔ میں نے دنیا بھر میں اس سے بدتر مقام آب و ہوا کے لحاظ سے کوئی نہیں دیکھا''۔

۳۔ جند دمشق۔ ولایت دمشق کے اضلاع یہ تھے۔ نخلستان غوطہ، بعلبک، البقاع، لبنان، جونیہ، حولہ، طرابلس، جبیل، بیروت، صیدا البثنیہ، حوران، جولان، البلقاء، جبرین غور، مآب، عمان، الشراہ، بصریٰ اور جابیہ۔

غوطہ باغوں اور گلستانوں سے بھرا ہوا ایک نہایت سرسبز و شاداب میدان ہے۔ یہ میدان ۳۰ میل لمبا چوڑا ہے اور بے حد نشاط انگیز اور فرحت افزا ہے۔ عرب اسے جنت الارض کہتے ہیں۔

البثنیہ وہ مقام ہے جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔

حوران میں ایک تالاب تھا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا۔

۴۔ جند حمص۔ اس علاقے میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے۔ سلمیہ، تدمر (پامیرا) الخناسرہ، کفرتاب، لاذقیہ، جبلہ، انطرطوس اور حصن الخوابی۔

۵۔ جند قنسرین۔ پہلے اس علاقے میں متعدد اضلاع شامل تھے لیکن جب ہارون الرشید کے عہد میں ملک کی نئی تقسیم ہوئی اور عواصم کا علیحدہ صوبہ بنایا گیا تو قنسرین کے ضلعے میں صرف شہر قنسرین، حلب، نسرین، معرۃ النعمان اور سربین کے اضلاع رہ گئے۔

۶۔ جند العواصم۔ عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے اپنے زمانہ خلافت میں سرحد روم پر نہایت مضبوط قلعے بنوائے تھے تاکہ سرحد کی حفاظت ہو سکے۔ ان جنگی قلعوں کو ہارون الرشید نے عواصم کے نام سے ایک جداگانہ ولایت بنایا اور ان کو حسب ذیل اضلاع میں تقسیم کردیا۔ قورس، الحمیہ، منبج، انطاکیہ، توزین باس، رصافہ ہشام، دلوک اور رعبان۔

دار الحکومت منبج تھا۔

۷۔ جند الثغور ۔ یہ بھی سرحدی قلعے تھے جو ہارون کی سلطنت کی شمالی سرحد پر شام میں واقع تھے۔ ان میں بہت مضبوط اور مسلح فوج ہر وقت دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رہتی تھی۔ ان قلعوں کے نام یہ تھے (۱) طرطوس۔ جو تمام سرحدی قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ ہارون نے اسے اور مستحکم کیا تھا (۲) اذنہ۔ اس قلعے کو خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۱ھ۔ ۷۵۸ء میں نہایت مستحکم طور پر دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ (۳) المصیصہ ۔ اس قلعے کو بھی ہارون نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ (۴) ہارونیہ۔ اسے ہارون الرشید نے ۱۸۳ھ۔ ۷۹۵ء میں تعمیر کروایا تھا۔

ثغور کے دو حصے تھے۔ ثغور الشام اور ثغور العراق۔ ثغور الشام کے قلعے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ثغور العراق کے قلعے الجزیرہ اور فارس سے ملحق تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ملطیہ، کماخ، شمشاط، البیرہ، حصن، منصور، حدث الحمراء، مرعش، آخر الذکر کے گرد ہارون الرشید نے ایک بہت مضبوط اور دوہری فصیل بنوائی تھی اور چاروں طرف خندق کھدوائی تھی۔ عین زربہ کے قلعے کو بھی ہارون نے ۱۸۰ھ۔ ۷۹۶ء میں دوبارہ تعمیر کرا کے زیادہ مضبوط بنایا تھا۔

۳۔ بحر فارس

بحر فارس سے عرب جغرافیین کے نزدیک وہ دریا مراد ہیں جو ملک عراق میں بہنے والے دریائے دجلہ کے دہانے سے 'ایلہ' تک ملک عرب کو محیط کئے ہوئے ہیں۔ اس میں خلیج فارس، بحیرہ عرب، خلیج عدن،، بحر احمر اور خلیج عقبہ سب شامل ہیں۔

۴۔ الجزیرہ

دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان کے علاقے کو الجزیرہ کہتے ہیں۔ ارض النہرین بھی اس کا نام ہے۔ ہارون الرشید کے زمانے میں الجزیرہ کا سارا ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا مشہور شہر حسب ذیل تھے۔ موصل، جو باغات کے لئے مشہور تھا۔ سنجار، جہاں مسلمانوں کے منتخب منجمین اور مہندسین نے جمع ہو کر کرۂ ارض کی پیمائش کی تھی۔ نصیبین، الجزیرہ کا سب سے زیادہ پر رونق شہر تھا۔ راس العین بھی بہت خوش نما شہر تھا۔ آمد، رقہ، قرقیسار، الحدیثہ، حران، الرہا اور سروج بھی اہم بستیاں تھیں۔

الجزیرہ میں چند صحرا بھی تھے۔ جن میں ربیعہ اور مصر کے عربی قبائل بود و باش رکھتے تھے۔

۵۔ جزائر بحر روم

ان سے عرب جغرافیہ نویسوں کی مراد وہ جزائر ہوتے ہیں جو بحیرہ شام یا بحر روم میں واقع ہیں

مثلاً قبرص، روڈ، کریٹ، سسلی، کارسیکا، سارڈینیا، مینورکا اور مجورکا وغیرہ۔ عربی جہاز ران اور عباسی خلفاء ہمیشہ ان جزیروں پر حملے کرتے رہتے تھے اور ان میں سے بعض ان کے باجگذار بھی تھے۔

۶۔ مصر

مصر دنیا کے مشہور ترین اور قدیم ترین ملکوں میں سے ایک ہے۔ تہذیب و شائستگی اور علوم و فنون میں قدیم زمانے میں مصریوں نے حیرت انگیز ترقی کی تھی۔ اتنی حیرت انگیز ترقی کہ اور کوئی قوم اس خصوصیت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انہوں نے لاشوں کو ممی کرنے کا طریقہ نکالا جس سے لاشیں سینکڑوں، ہزاروں برس تک جوں کی توں محفوظ رہتی ہیں۔ انہوں نے اہرام بنائے جو ہزاروں برس بوڑھے ہونے کے باوجود حوادثات زمانہ کا منہ چڑا رہے ہیں اور دنیا کے سات قدیم عجائبات میں سے شمار ہوتے ہیں۔ دنیا کے مردود مشاہیر میں سب سے زیادہ شہرت بھی مصر ہی کے 'فرعون' کے حصے میں آئی، جس کی ممی شدہ لاش آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں پڑی ہر متکبر اور مغرور کو درس عبرت دے رہی ہے۔

مصر عہد فاروقی میں فتح ہوا۔ دولت عباسیہ کا یہ بے حد اہم صوبہ تھا۔ اس کا حدود اربعہ جو ہارون الرشید کے وقت میں تھا آج بھی وہی ہے۔

شمال میں بحیرہ روم، مشرق میں بحیرہ قلزم، جنوب میں نوبہ اور سوڈان، مغرب میں صحرائے لیبیا اور صحرائے اعظم۔

اس کی وسعت ۳ لاکھ ۸۵ ہزار مربع میل ہے اور آبادی پونے دو کروڑ کے قریب۔

مصر کے دو بڑے حصے ہیں 'مصر صعید' اور 'مصر اسفل' یعنی شمالی اور جنوبی مصر۔

(الف)۔ مصر صعید۔ اٹھ صوبوں پر منقسم ہے، جن کے نام یہ ہیں۔ جزیرہ، فیوم، بنی سویف، مینا، اسیوط، جرجا، قنا، اصوان

(ب)۔ مصر اسفل۔ کے چھ صوبے ہیں۔ شرقیہ، دقاہیہ، غربیہ، بحیرہ، منوفیہ، قلیوبیہ۔

مصر کے جنوب میں نوبہ کا ملک بھی ہارون کے زیر حکومت تھا۔

۷۔ بلاد المغرب

عرب ان تمام ممالک کو جو مصر سے مغرب کی طرف بحر اوقیانوس سے اور شمالاً جنوباً بحیرہ روم سے صحرائے اعظم تک پھیلے ہوئے تھے۔ بلاد مغرب کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ ممالک چار تھے۔

(الف)۔ طرابلس۔ مصر کے جنوب کی طرف۔

(ب)۔ تونس۔ طرابلس کے شمال مغرب کی جانب۔

(ج)۔ الجزائر۔ تونس کے مغرب میں۔

(د)۔ مراقش۔ الجزائر کی مغربی سمت میں۔

یہ چاروں ممالک ہارون الرشید کی سلطنت میں شامل تھے۔ اس وقت ان چاروں ملکوں کی تقسیم بغداد سے نزدیک و دور ہونے کے لحاظ سے تین حصوں میں کی جاتی تھی۔

ا۔ مغرب الادنیٰ۔ جسے افریقیہ بھی کہتے تھے۔ اس میں طرابلس (ٹریپولی) اور ونط (ٹیونس) دونوں شامل تھے۔ قیروان ان کا پایہ تخت تھا۔ عباسیہ، مہدیہ، منصوریہ، قرطاجنہ اور سلوقیہ مشہور شہر تھے۔

۲۔ مغرب الاوسط۔ یہ علاقہ الجزائر اور جزیرہ مرغنہ پر مشتمل تھا جس کا دارالخلافہ تلمسان تھا۔ تاہرت، تلمسان اور مطماط مشہور شہر تھے۔

۳۔ مغرب الاقصیٰ۔ یعنی مراقش۔ (مراکو) ج کا دارالحکومت سلجماسہ تھا۔ مشہور شہروں کے نام یہ ہیں۔ سبتہ، طنجہ، العریش، مکناسہ اور ولیلیٰ۔

مراقش کے شہروں میں سے شہر فاس کو علمی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل تھی۔ فرانسیسی مورخ سیدیو کے الفاظ اس شہر کے متعلق یہ ہیں۔ "فاس مشرقی علوم و معارف کا آخری ملجا و ماویٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہاں ایشیا اور اندلس کی عرب حکومتوں کی تباہی کے بعد نادرۂ روزگار علمی کتابوں اور عالموں نے پناہ لی تھی۔ اس شہر میں بہت سے مدارس قائم تھے اور ایک عظیم الشان کتب خانہ قلمی عربی کتابوں سے بھرا ہوا تھا"۔

ب۔ مشرقی ممالک

ا۔ عراق عجم

عراق عجم وہ ملک ہے جسے آج کل میسوپوتامیہ کہتے ہیں۔ عہد ہارون میں اس کا طول شہر تکریت سے شہر عبادان تک تھا۔ تکریت دریائے دجلہ کے کنارے پر تھا اور عبادان خلیج فارس کے کنارے پر۔ عرض قادسیہ سے حلوان تک تھا۔ عراق عجم دراصل دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ کے جنوبی حصہ کا نام تھا۔ جسے عرب جغرافیین نے سواد کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ یہ نام اس کو حضرت عمرؓ کے زمانے میں دیا گیا تھا۔ جب اسلامی فوجوں نے اسے فتح کیا تھا۔

عراق عجم کی حدود جو اوپر بیان کی گئی ہیں ہارون الرشید کے زمانے کی ہیں۔ آج کل یہ حدود

بہت کچھ بدل گئی ہیں۔

عراق کا سب سے زیادہ مشہور، سب سے زیادہ عالیشان اور سب سے زیادہ وسیع شہر دارالسلام بغداد تھا۔ یہ شہر عباسیوں کا دارالحکومت تھا اور اسلامی علوم وفنون اور مسلم تہذیب وشائستگی کا مرکز۔ سینکڑوں بڑے بڑے فضلاء، ادیب اور شاعر اس کی خاک سے پیدا ہوئے اور یہیں دفن ہو گئے۔ اس کی وسعت کا اندازہ یوں لگایئے کہ اس میں ۶۵ ہزار حمام تھے، مسجدوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ آج کل کے زمانے میں کسی طرح بھی قیاس میں نہیں آسکتی۔ بغداد اپنے عروج کے زمانے میں چالیس بڑی بڑی بستیوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا۔ زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ سابق کا بغداد آج کل ایک معمولی شہر ہے اور اس کی شان وشوکت الف لیلہ کا ایک قصہ بن کر رہ گئی ہے۔ جس پر شاید کوئی شخص بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔

بصرہ کی بنیاد عہد فاروقی میں ۱۷ھ ۶۳۸ء میں پڑی اور بہت جلد یہ علم ودانش کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ عباسیوں کے زمانے میں یہاں کی تجارت بڑے عروج پر تھی جو ایک طرف ہندوستان اور چین سے ہوتی تھی تو دوسری طرف بحر اوقیانوس تک یہاں کے تاجر پہنچتے تھے۔ اس وقت بصرے کا ساحل سینکڑوں تجارتی جہازوں کا پڑاؤ بنا رہتا تھا۔ یہاں کے تاجر اتنے مالدار تھے کہ ایک ایک لاکھ روپیہ سالانہ حکومت کو ٹیکس کا ادا کرتے تھے۔ جنگ جمل ۳۶ھ ۶۵۶ء میں یہیں ہوئی تھی۔ خواجہ حسن بصریؒ یہاں کے مشہور صوفی بزرگ ہوئے ہیں۔ کوفہ کو عہد فارقی میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے بسایا تھا۔ حضرت علیؓ کا دارالخلافہ یہی شہر تھا۔ اہل سنت والجماعت کے امام حضرت ابو حنیفہؒ یہیں کے رہنے والے تھے۔

واسط کو حجاج بن یوسف نے ۸۴ھ ۷۰۳ء میں بسایا تھا۔ حلوان ملک عراق کا آخری سرحدی شہر تھا۔ یہ نہایت پر رونق تھا۔

حیرہ شاہان عراق کا قدیم مستقر تھا۔ یہ کوفہ کے قریب واقع تھا۔

مدائن بڑا عظیم الشان شہر تھا جو سات بستیوں کا مجموعہ تھا۔ ساسانی بادشاہوں کا دارالحکومت یہی شہر تھا جن کے عالیشان محل کھنڈروں کی صورت میں اس وقت بھی موجود ہیں۔

اُبلہ یہ شہر دریائے اُبلہ کے دھانے کے قریب واقع تھا۔ جس مقام پر اُبلہ کا پانی دریائے دجلہ میں داخل ہوتا تھا وہاں ایک خطرناک بھنور قدیم زمانے سے پڑتا تھا۔ اکثر جہاز جو وہاں سے گزرتے، اس گرداب میں پھنس کر ڈوب جایا کرتے تھے۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے کئی

جہازوں میں پتھر لدوا کر اس مقام پر پھنکوائے۔ جس کی بعد وہ بھنور بند ہو گیا اور مخلوق خدا کو اس مصیبت سے نجات ملی۔

نہروان کا شہر نہایت سرسبز تھا۔ پھلوں کی یہاں نہایت افراط تھی۔ یہ باغوں اور نخلستانوں کے لئے سارے عراق میں مشہور تھا۔ یہاں کی کھجوریں اور نارنگیاں نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتی تھی۔ زمانے کے ہاتھوں اب یہ شہر مٹ چکا ہے۔

سامراء۔ عراق کا یہ مشہور شہر بعد کے سات عباسی فرمانرواؤں کا دارالسلطنت رہا ہے۔ 'سر من رائی' بھی اسے ہی کہتے ہیں۔ اس شہر کی بڑی شہرت اس وجہ سے ہے کہ شیعہ صاحبان کے عقیدے کے موافق ان کے "بارھویں امام حضرت حجتہ اللہ ابوالقاسم محمد مہدی ۲۶۴ھ۔ ۸۷۸ء میں اس کے ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے۔ جہاں وہ زندہ ہیں اور قیامت کے قریب ظہور فرما کر دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے"۔ اسی لئے ان کا نام امام غائب اور امام منتظر بھی ہے۔

تکریت۔ سامرا سے ۳۰ میل شمال میں عراق کا آخری شہر تھا۔ فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی یہیں پیدا ہوا تھا۔

نجف اشرف۔ اس قصبے کی خاص شہرت اس لئے ہے کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار واقع ہے جس کی زیارت کے لئے ہر سال ہزاروں لوگ وہاں جاتے رہتے ہیں۔ مشہد مقدس بھی اسے ہی کہتے ہیں۔

اسی عراق میں دریائے فرات کے کنارے شہر بابل کے کھنڈرات تھے۔ جو زمانہ سابق میں نہایت عظیم الشان شہر تھا اور یہاں کے معلق باغات عجائبات عالم میں شمار ہوتے تھے۔ سکندر اعظم کا ہندوستان سے لوٹتے ہوئے یہیں انتقال ہوا تھا۔

۲۔ کوہستان یا الجبال

اس سے ملک فارس کے کوہستانی مقامات مراد ہیں جن کی تقسیم ہارون الرشید کے زمانے مین کئی حصوں میں تھی۔ اس ملک کا سب سے بڑا شہر ہمدان تھا۔ اس کے علاوہ مشہور شہر یہ تھے۔ دینور، ماسیدان، اصفہان، قم قاشان، نہاوند، اللور، الکرج، قزوین، زور، حلوان، قاشان۔

۳۔ خوزستان

خوزستان عراق کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کا دارالخلافہ اہواز تھا جو اپنے زمانہ عروج میں

تجارت کی بڑی بھاری منڈی تھا اور تجارتی مال جمع کرنے کے یہاں بڑے بڑے گودام تھا۔ یہ ملک کئی حصوں میں بٹا ہوا تھا جن کے نام یہ ہیں۔(۱) اہواز (۲) جندی سابور (۳) سوس (۴) تستر د(۵) رامہرمز (۶) سرق (۷) عسکر (۸) مکرم۔ ہر صوبے کا صدر مقام وہی شہر تھا جس کے نام پر صوبے کا نام رکھا گیا تھا۔ جندی سابور حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوا تھا اور تیسری صدی عیسوی میں بسایا گیا تھا۔ یہ شہر قرون وسطیٰ کے بہت بڑے علمی مراکز میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی خاک سے بڑے بڑے علماء اور فضلاء پیدا ہوئے۔ سوس میں حضرت دانیال علیہ السلام کا مزار ہے۔ زمانہ قدیم میں یہی شہر فارس کا دارالحکومت تھا۔

۴۔ دیلم

یہ ملک بحیرہ خزر کے کنارے پر آباد ہے۔ پورا ملک کوہستانی ہے۔ اس کے مشہور شہر۔ رے، ابہر، زنجان، طالقان اور رویان تھے۔

۵۔ بلاد فارس

یہ ملک مغرب میں خوزستان اور مشرق میں صوبہ کرمان کے مابین تھا۔ اس کی سرحدیں شمال میں اصفہان سے اور جنوب میں دریائے فارس سے ملتی تھیں۔ یہ ملک پانچ بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم تھا۔ جس میں سب سے بڑا اصطخر کا صوبہ تھا۔ دوسرا صوبہ اردشیر خرہ تھا جس کا صدر مقام شہر جور تھا۔ اسی صوبے میں شیراز کا قدیم تاریخی شہر تھا۔ جو سعدی کا وطن ہونے کے لحاظ سے ساری علمی دنیا میں مشہور ہو گیا۔ ملک فارس کا دارالحکومت یہی شہر تھا۔ تیسرا صوبہ دارابگرد چوتھا ارجان اور پانچواں سابور تھا۔ سابور اس ملک کا سب سے چھوٹا صوبہ تھا۔ اس ملک میں لاکھوں خانہ بدوش کرد آباد تھے۔ جن کے صرف مردوں کی مجموعی تعداد ۲۵ لاکھ تھی۔

۶۔ طبرستان

یہ ملک بھی بحیرہ خزر کے ساحل پر آباد تھا۔ آج کل اسے ماژندران کہتے ہیں۔ آمل کا مشہور شہر اس کا صدر مقام تھا جو مشہور مورخ ابن جریر طبری کا وطن ہے۔ یہ سلطنت علویہ کا پایہ تخت بھی رہا ہے اور اب بھی آباد ہے۔ مگر بہت معمولی سا قصبہ ہے جس کی آبادی صرف دس ہزار نفوس ہے۔

۷۔ کرمان

اس ملک کی مشرقی حد مکران سے اور مغربی حد فارس سے ملتی تھی۔ شمالی طرف خراسان کا ریگستان اور جنوب میں بحر فارس تھا۔ مشہور شہر شیرجان، بم، جیرفت اور ہرموز تھے۔

۸۔ جرجان

ہارون کے عہد میں اس ملک کی حدود یہ تھیں۔ شمال میں ترکستان۔ جنوب میں قومس۔ مشرق میں خراسان اور مغرب میں بحیرہ خزر۔ اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر جرجان تھا استر آباد دوسرا بڑا شہر تھا۔

۹۔ مکران

اس کا محل وقوع کرمان کے مشرقی سمت ہے۔ حدود اربعہ ہے۔ مشرق میں طوران اور سندھ۔ شمال میں بجستان۔ جنوب میں بحر فارس اس وقت مشہور شہر یہ تھے۔ تیز، کیز، درک اور اسک۔

۱۰۔ قومس

یہ ملک، جرجان اور طبرستان کے جنوب میں واقع تھا۔ صدر مقام دامغان تھا۔ اسی شہر میں سکندر اعظم کے عہد کا آخری ایرانی بادشاہ دار قتل کیا گیا تھا۔

۱۱۔ طوران

یہ طول اور عرض کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا ملک تھا جو مغرب کی طرف سے مکران اور جنوبی جانب سے بحر فارس سے محدود تھا۔ اس کے مشہور شہر محالی اور کیز کانان تھے۔ قصدار دارالحکومت تھا جو دریا کے دونوں طرف آباد تھا اور بڑا زرخیز علاقہ تھا۔

۱۲۔ صحرائے خراسان

اس چٹیل اور بے آب وگیاہ میدان کے شمال میں قومس، جنوب میں بلاد فارس، مشرق میں بجستان اور مغرب میں الجبال کے علاقے تھے۔ اس بیابان میں وحشی اور خانہ بدوش قبائل عرب کے صحرانشینوں کی طرح خیموں میں رہتے تھے اور پانی، چارے اور سبزے کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ یہ خالص ریگستانی علاقہ بہت دشوار گزار اور خشک تھا۔

۱۳۔ سندھ

سندھ آج کل پاکستان کا ایک صوبہ ہے مگر اس کی موجودہ حدود ہارون الرشید کے زمانے کے سندھ سے بالکل مختلف ہیں۔ اس وقت کے جغرافیین سندھ کو مکران کے مشرق سے شروع کرتے تھے اور موجودہ بلوچستان اور حال کے پورے صوبہ سندھ کو شامل کرتے ہوئے ملتان پر اس ملک کی حد کو ختم کرتے تھے۔ قدیم سندھ کے مشہور شہر یہ تھے۔

دیبل۔ یہ سندھ کی نہایت مشہور بندرگاہ تھی جس سے لاکھوں روپے کا مال عرب تاجر ایشیا

کے مختلف ملکوں میں خلیج فارس کی راہ سے لے جایا کرتے تھے۔ اس کا محل وقوع موجودہ کراچی کے قریب تھا۔

لار، ایک دوسری قدیم بندرگاہ تھی۔

عہد بنوامیہ میں محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تھا۔ اس کے واپس جانے کے بعد یہاں کے گورنر نے برہمن آباد کو منصورہ کا نام دے کر سندھ کا دارالسلطنت بنایا تھا۔ اب اس شہر کا نام و نشان باقی نہیں۔

ایک شہر، ارور تھا جو بے حد دولتمند اور آباد شہر تھا۔ نیرون، ارمائیل، قنبلی بھی سندھ کے شہر تھے جو اب معدوم ہو چکے ہیں۔ محفوظہ ایک اور شہر تھا جو اسلامی عہد کا سب سے پہلا سندھ کا صدر مقام بنا۔ ملتان اس وقت سندھ کی آخری حد تھی۔ مگر اب یہ پنجاب میں شامل ہے۔

۱۴۔ بجستان

یہ علاقہ مکران کے شمال میں تھا۔ دارالحکومت کا نام زرنج تھا۔ جسے تیمور نے برباد کر دیا۔ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر شہر الطاق آباد تھا۔ بست بھی نہایت آباد شہر تھا۔ ہندوستان سے بکثرت تجارت ہوتی تھی۔

۱۵۔ آرمیدیا

یہ ملک ہارون الرشید کی سلطنت کے شمالی علاقے میں تھا۔ اس کے مشرق میں آذربائیجان، جنوب میں ایشیائے کوچک، شمال میں کوہستان قبق اور جنوب میں الجزیرہ تھا۔ صدر مقام کا نام دبیل تھا۔ مشہور شہر خلاط، ارزن اور قالیقا تھے۔

۱۶۔ خراسان

ہارون الرشید کے وقت میں اس کی تمام مملکت میں خراسان کا ملک نہایت سرسبز و شاداب وسیع اور زرخیز تھا۔ اس کے شمال مشرقی گوشے میں ماوراء النہر، جنوب مغربی گوشہ میں سندھ اور بجستان، شمالی کی طرف خوارزم اور ترکستان کے شہر اور مغرب میں قومس تھا۔ یہ ملک کئی صوبوں اور علاقوں میں تقسیم تھا اور پھر ہر علاقہ متعدد اضلاع میں بٹا ہوا تھا۔ طوس، نسا، ابیورد، سرخس، اسفرانہ، بوشنج، جوزجان۔ طخارستان، نیشاپور، ہرات اور بلخ وغیرہ خراسان کے اضلاع تھے جن سے میں اکثر اب برباد ہو چکے ہیں۔

۱۷۔ آذربائیجان

ہارون الرشید کی سلطنت کا یہ علاقہ الجزیرہ کے مشرق میں تھا۔ اس کا صدر مقام اردبیل تھا

جس کی حیثیت ایک مضبوط چھاؤنی کی تھی۔ مراغہ اس لئے مشہور تھا کہ سرو کے جتنے عظیم الشان درخت یہاں ہوتے تھے اتنے طویل درخت دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں پائے جاتے تھے ارمیہ، سلماس، مرند، شیرز، آذربائیجان کے دوسرے نمایاں شہر تھے۔

۱۸۔ ماوراءالنہر

ہارون الرشید کی سلطنت کے شمال مشرقی گوشے میں یہ سب سے آخری اور سرحدی ملک تھا۔ اس ملک کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ بڑا زرخیز اور سرسبز وشاداب علاقہ تھا۔ بخارا، سمرقند، کش، نخشاب، فرغانہ، اشروسنہ اور زخنہ اس کے مشہور شہر تھے۔

۱۹۔ بلادالران

یہ ملک آذربائیجان کے شمال میں تھا۔ نمایاں اور بڑے بڑے شہر بردعہ، تفلیس، باب، بیلقان اور شاوران تھے۔

۲۰۔ خوارزم

یہ ملک دریائے جیحوں کے کنارے پر آباد تھا۔ اس کے شمال میں بحر خوارزم، جنوب میں خراسان کا علاقہ، اور مشرق ومغرب کی سرحدیں ریگستانوں سے گھری ہوئی تھیں۔ صدر مقام خوارزم تھا جو نہایت آباد اور پررونق شہر تھا۔ کاث، جرجانیہ، ارگنج، خیوہ اور ہزارسپ اس کے مشہور شہر تھے۔

ان تمام ممالک کی مجموعی مساحت ۳۳ لاکھ ۲۸ ہزار ۱۴ مربع میل تھی یہ پیمائش براعظم یورپ کے تمام ملکوں کے مجموعے سے دوگنی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہاورن الرشید کے قبضے میں اتنی بڑی سلطنت تھی جو وسعت میں یورپ بھر کے ملکوں سے دگنی تھی۔

جو مختلف قومیں اس عظیم الشان سلطنت کے زیر سایہ آباد تھیں۔ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر نے ان کے یہ سولہ نام گنائے ہیں:۔

''عرب، اہل فارس، ترک، مغل، کرد، تاتاری، افغان، ہندو، ارمن، سریانی، کلدانی، رومی، گاتھ، قبطی، نوبی، اور بربری''۔

جو زبانیں ان ممالک میں بولی جاتی تھیں جرجی زیدان کے مطابق یہ تھیں۔

''عربی، فارسی، پہلوی، ہندی، رومی، سریانی، ترکی، کردی، ارمنی، قبطی اور بربری۔

مگر اس کے ساتھ ہی جرجی زیدان یہ بھی لکھتا ہے کہ ''ان باشندوں میں بعض اس قسم کے تھے کہ ان کی اپنی اصلی زبان بالکل نیست ونابود ہوگئی اور اس کے بجائے عربی ان کی مادری زبان

بن گئی تھی۔ جیسے شام، مصر، طرابلس، طیونس، الجیریا، مراقش اور عراق عجم کے باشندوں کے ساتھ ہوا تھا۔ اور بعض ایسے تھے کہ ان کی اصلی زبانوں میں عربی زبان کے الفاظ کثرت کے ساتھ مل جل گئے۔ مثلاً فارس والے، ترکستانی، ہندوستانی، اور افغان وغیرہ۔ آج تک ایشیا کی بہت سی قومیں اسی عظیم الشان تمدن کے اثر سے اپنی مادری زبانوں کو عربی رسم الخط میں لکھتی ہیں"۔ (تاریخ التمدن الاسلامی جلد اول صفحہ ۱۰۹)

حیات اور سوانح کا مختصر جائزہ

ا۔خاندان اور سلسلہ نسب۔ہارون الرشید آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباسؓ کی نسل سے تھا اور بنو عباس کا پانچواں فرمانروا تھا۔شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب (المتوفی ۳۲ھ ۶۵۳ء)

عبد اللہ (المتوفی ۶۸ھ۔۶۸۷ء)

علی سجاد (المتوفی ۱۱۹ھ۔۷۳۷ء)

ابو ابراہیم محمد (المتوفی ۱۲۵ھ۔۷۴۳ء)

ابو العباس عبد اللہ الملقب بہ سفاح پہلا عباسی خلیفہ (۱۳۲ھ۔۷۵۰ء تا ۱۳۶ھ۔۷۵۴ء)

ابو جعفر عبد اللہ المنصور دوسرا خلیفہ (۱۳۶ھ۔۷۵۴ء تا ۱۵۸ھ۔۷۷۵ء)

ابراہیم (المتوفی ۱۳۲ھ۔۷۵۰ء)

ابو عبد اللہ محمد مہدی تیسرے عباسی خلیفہ (۱۵۸ھ۔۷۷۵ء تا ۱۶۹ھ ۷۸۵ء)

ابو محمد موسیٰ ہادی چوتھا خلیفہ (۱۶۹ھ۔۷۸۵ء تا ۱۷۰ھ۔۷۸۲ء)

ہارون الرشید پانچواں خلیفہ (۱۷۰ھ۔۷۸۶ء تا ۱۹۴ھ۔۷۹۰ء)

۲۔ولادت۔ہارون الرشید یکم محرم الحرام ۱۴۹ھ مطابق ۱۶۔فروری ۷۶۶ء کو اتوار کے دن بمقام رے پیدا ہوا جو صوبہ الجبال کا مشہور اور قدیم شہر تھا۔اس کے کھنڈر تہران، دار السلطنت ایران کے قریب پائے جاتے ہیں۔مشہور طبیب محمد بن زکریا رازی اور امام فخر الدین رازی مئولف تفسیر کبیر اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

۳۔والدین۔ہارون کا باپ مہدی نہایت نرم مزاج، فیاض طبع، شرم وحیا کا پتلا، عفو اور درگزر کرنے والا۔حلیم الطبع، فصیح اور خوش بیان، عابد اور زاہد شخص تھا۔جب حج کو گیا تو وہاں تین کروڑ درہم خیرات کیے اور ڈیڑھ لاکھ کپڑے تقسیم کیے۔حکیم المقنع کا فتنہ اسی کے زمانے میں اٹھا تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور چار نخشب سے ایک مصنوعی چاند نکالا تھا جس کی روشنی چھ میل تک جاتی تھی اس نے سب سے پہلے ملحدوں کے رد میں کتاب لکھوائی۔یحییٰ بن خالد برمکی نے اسی کے دربار میں ترقی کی منزلیں طے کرنی شروع کیں۔اس نے دس سال اور ڈیڑھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد ۲۲۔محرم الحرام ۱۶۹ھ مطابق ۴۔اگست ۷۸۵ء کو انتقال کیا۔

ہارون کی ماں کا نام خیزران تھا جو ایک بربری خاتون تھی۔بچپن میں بردہ فروش اسے پکڑ

لائے۔ چونکہ نہایت حسین وجمیل اور صاحب عقل وتمیز تھی۔ اس لئے بغداد میں لا کر مہدی کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کر ڈالا۔ جوہر قابل دیکھ کر مہدی نے اسے بہترین استادوں سے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس نے حدیث، دینیات اور ادبیات میں کمال حاصل کرلیا۔ شعر بھی بہت عمدہ کہتی تھی۔ نہایت عاقلہ، ذکی وفہیم مدبر اور منتظم عورت تھی۔ اس کی سخاوت ضرب المثل بن گئی تھی۔ مہدی کوئی کام اس کے مشورے کے بغیر نہیں کرتا تھا اور ہادی کے زمانے میں تو یہ گویا خود حکمران تھی۔ جب تک زندہ رہی ہارون بھی اس کے سامنے برائے نام خلیفہ تھا۔ اس کی ذاتی آمدنی ۱۶ کروڑ درہم سالانہ تھی۔ ۲۱۔ جمادی الثانی ۱۷۳ھ مطابق ۲۶۔ اکتوبر ۷۸۹ء کو اس نے وفات پائی۔

۴۔ تعلیم وتربیت۔ ہارون الرشید کی تعلیم وتربیت دادا کے زندہ ہونے اور باپ کی موجودگی کے باعث نہایت عمدگی اور خوبی سے ہوئی۔ اموی اور عباسی خلفاء میں سے کسی ایک کی بھی تعلیمی اور اخلاقی نگہداشت اس احتیاط سے نہیں ہوئی جیسی ہارون کی ہوئی۔ اسی نگہداشت کا نتیجہ تھا کہ جیسی عمدہ قابلیت جتنی بہترین لیاقت ہارون الرشید میں تھی وہ کسی دوسرے عباسی فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئی۔ ہر فن کے کاملین اور ہر علم کے ماہرین اسے جدا جدا تعلیم دیتے تھے۔ دادا اور باپ کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ یحیٰ برمکی جیسا فاضل، عالم، مدبر، ادیب، انشاپرداز، فصیح البیان، عقیل وفہیم اور سیاست ملکی کا ماہر اس کا اتالیق تھا۔ شیخ الحدیث مبارک بن فضالہ اور حضرت امام مالکؒ جیسے یگانہ روزگار عالم اس کے استاد تھے۔ ان بزرگوں کے فیضان صحبت سے ہارون اپنے وقت کے تمام مروجہ علوم وفنون میں کامل ہوگیا۔ مذہبی تعلیم اس کو ایسی پختہ ملی کہ دین کی محبت اس کی رگ رگ میں سرایت کرگئی۔ فن شعر میں ایسی دستگاہ رکھتا تھا کہ شعراء کو ان کی غلطیاں بتادیا کرتا تھا۔ عقد الفرید اور آغانی اس کے شاندار خطبوں، دانشمندانہ مقولوں اور بلند پایہ اشعار سے بھری پڑی ہیں۔

۵۔ مہارت ملکی میں دخل۔ بچپن سے ہی عقل وفراست اور بیدار مغزی کے آثار ہارون الرشید کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے تھے۔ ابھی بالکل نوعمر تھا کہ یکم رجب ۱۶۳ھ مطابق ۱۲۔ مارچ ۷۸۰ء کو اس کے باپ نے روم پر حملہ کرنے کے لئے ایک لاکھ فوج بھیجی اور اس کا سپہ سالار ہارون الرشید کو بنایا۔ ہارون نے اس جنگ میں اپنی بہادری وشجاعت اور مردانہ عزم واستقلال کا بے نظیر مظاہرہ کیا اور باوجود اپنی کم سنی کے روم سے مظفر ومنصور واپس آیا۔

اس کے بعد جب باپ نے اس کو حدود مغرب، آذربائیجان، اور آرمینیا کا گورنر مقرر کیا تو

اس نے وہاں پہنچ کر اور ملک کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کر کے اپنے بہترین مدبر ہونے کا ثبوت دیا۔
ہارون الرشید کی ذات میں شروع ہی سے قدرت نے وہ تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں جو ایک اولوالعزم، بیدار مغز اور لائق حکمران میں ہونی چاہئیں۔

۶۔ تخت نشینی۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۷۰ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۷۸۶ء وہ تاریخ تھی جب شنبے کی رات کو، بمقام عیسیٰ آباد، ہارون الرشید اس سلطنت کا وارث ہوا جس کے برابر اس وقت دنیا میں کوئی اور سلطنت نہ تھی۔ تاریخ اسلام میں یہ رات بڑی نمایاں اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ایک رات میں ایک خلیفہ (ہادی) کا انتقال ہوا۔ دوسرا خلیفہ (ہارون الرشید) تخت پر جلوہ افروز ہوا اور تیسرا خلیفہ مامون الرشید پیدا ہوا۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسی دلچسپی رات اور کوئی نہیں گزری۔ ہارون الرشید کے زمانہ حکومت میں جو جو واقعات پیش آئے ان کا ایک بہت ہی مختصر مگر جامع خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ خلاصہ بیسیوں کتابوں کے ہزارہا صفحات کی ورق گردانی کے بعد پیش کیا جا رہا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ زمانہ ہارون میں پیش آمدہ ہر واقعے کا اشارہ اس میں آجائے۔ واقعات کے اندراج کی ترتیب سن کے لحاظ رکھی گئی ہے جو عرب مورخین کا قدیم طریقہ ہے:

۱۷۰ھ۔ ۷۸۶ء

(۱) تخت پر بیٹھتے ہی ہاورن الرشید نے یحییٰ برمکی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔
(۲) ہاورن الرشید نے بلاد سرحد کو الجزیرہ اور قنسرین سے علیحدہ کر کے، ایک جداگانہ صوبہ عواصم کے نام سے بنایا
(۳) شہر طرطوس کی بنیاد ڈالی، شہر مصیصہ بسایا اور شہر مرعش کی تعمیر شروع کی۔
(۴) سلیمان بن عبداللہ کو روم پر جہاد کرنے کے لئے فوج دے کر بھیجا۔
(۵) گورنر خراسان جعفر کے فرزند عباس نے ہارون کے حکم سے کابل اور سابہار کے علاقے فتح کئے۔
(۶) بادشاہ بننے کے بعد پہلی مرتبہ ہارون الرشید نے حج بیت اللہ کیا اور باشندگان حجاز پر انعام واکرام کی بارش کی۔
(۷) اہل بیت جو قید و بند کی تکلیف میں مبتلا تھے ان کو اس مصیبت سے نجات دی۔

۱۷۱ھ۔۷۸۷ء	بنی تغلب نے روح بن صالح ہمدانی کو شبخون مار کر ہلا کر دیا جسے ہارون الرشید نے ان کے علاقے میں صدقات اور زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا تھا۔
۱۷۲ھ۔۷۸۸ء	(۱) ہارون الرشید نے اسحاق بن سلیمان کو روم پر جہاد کے لئے روانہ کیا جس نے بڑی زبردست کامیابی حاصل کی۔ بے شمار مال غنیمت اور بہت سے قیدی لے کر بغداد واپس آیا۔
	(۲) ادریس بن عبداللہ علوی نے مصر پہنچ کر مغرب الاقصیٰ (مراکش) کے شہر ولیلی (علاقہ طنجہ) میں اپنی امامت کا دعویٰ کر کے پہلی علوی خلافت یعنی ادریسی سلطنت قائم کی اور ۱۷۷ھ۔۷۹۲ء تک حکومت کی۔ یہ سلطنت ۲۰۴ سال تک قائم رہی۔
۱۷۳ھ۔۷۸۹ء	(۱) ہارون الرشید کی والدہ ملکہ خیزران کا انتقال ہو گیا۔
	(۲) ہارون نے عبدالملک بن صالح کو تمام سرحدی افواج کا سپہ سالار بنا کر روم بھیجا جس نے وہاں پہنچ کر دلوک، اعیان، قورس، انطاکیہ اور تیزین میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور ہر مقام پر نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کئے۔
۱۷۴ھ۔۷۹۰ء	(۱) اسحاق بن سلیمان کو سندھ اور مکران گورنر بنا کر بھیجا گیا۔
	(۲) امام یوسف ابن امام ابو یوسف کی تعیناتی عہدۂ قضا پر ہوئی۔
	(۳) عبدالرحمٰن بن عبدالملک کو روم پر جہاد کے لئے روانہ کیا۔
۱۷۵ھ۔۷۹۱ء	(۱) مشہور نحوی نعیم بن میسرہ کا انتقال ہو گیا۔
	(۲) ہارون نے اپنے بیٹے امین الرشید کو اپنا ولی عہد بنانے کا اعلان کیا۔ اس وقت امین الرشید کی عمر ۵ برس کی تھی۔
	(۳) یحییٰ بن عبداللہ بن حسن نے دیلم میں ہارون الرشید کے خلاف علم بلند کیا۔
	(۴) موسیٰ بن عیسیٰ گورنر مصر سے ناراض ہو کر ہارون الرشید نے مصر کی امامت ایک نہایت بدشکل، بدہیت، عجب الخلقت اور کم حیثیت شخص عمر بن مہران کے سپرد کی۔

۱۷۶ھ۔۷۹۲ء	(۱) دمشق میں کلبی اور حضری قبائل کے درمیان سخت کشت وخون ہوا۔ (۲) عبدالرحمٰن بن عبدالملک نے شہر دیسہ فتح کیا۔ (۳) یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم میں بغاوت کی۔ ہارون نے فضل بن یحییٰ کو بھیجا جس نے جنگ کیے بغیر بغاوت فرو کردی۔ (۴) ہارون نے یونان کے جزیروں اور بحیرہ روم کے ساحلی شہروں پر حملہ کرنے کے لئے جہاز بھیجے جنہوں نے جزائر یجن اور صوبجات افریجیہ، دبتینیہ اور ولیدیہ کو خوب تاخت وتاراج کیا۔ جزیرہ روڈ پر حملہ کیا۔ صوبجات سفیلیہ، میغریہ اور لیدیہ کو زیر کیا۔ جتنے رومی جہاز مقابلے پر آئے سب کو غرق کردیا گیا۔
۱۷۷ھ۔۷۹۳ء	(۱) عبدالرزاق بن حمید تغلبی کو ہارون نے روم پر جہاد کے لئے روانہ کیا۔ (۲) موصل میں ایک شخص عطاف نامی نے علم بغاوت بلند کیا جس کے مقابلے کے لئے ہارون الرشید خود گیا اور اسے شکست دے کر موصل کی شہر پناہ منہدم کردی۔ (۳) افریقہ میں بغاوت رونما ہوئی جس کا سلسلہ چار سال تک چلتا رہا۔
۱۷۸ھ۔۷۹۴ء	(۱) مصر میں قیس اور قضاعہ کے قبائل نے بغاوت کی۔ ہرثمہ بن اعین نے ان کو مطیع کیا۔ (۲) سلیمان بن راشد نے جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ بحیرہ روم کے بعض یورپین ممالک کو تاخت وتاراج کیا۔ (۳) ولید بن طریف نامی ایک خارجی نے الجزیرہ میں خروج کر کے آرمینیا اور حلوان پر قبضہ کرلیا مگر آخر مارا گیا۔ یہ بغاوت اتنی زبردست تھی کہ ہارون نے بار بار اس کی سرکوبی کے لئے فوجیں بھیجیں مگر ہر مرتبہ ولید نے ان کو شکست دی۔ آخر ہارون نے ۱۷۹ھ۔۷۹۰ء میں یزید بن یزید شیبانی کو ایک لشکر کثیر کے ساتھ روانہ کیا۔ (۴) ہارون نے زفر بن عاصم کو روم پر جہاد کے لئے روانہ کیا۔

(۵) آئے دن کے فسادات سے تنگ آ کر ہارون الرشید نے فضل بن یحییٰ برمکی کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے بھیجا جس نے وہاں پہنچ کر تمام بغاوتوں کو فرو کیا، تمام شورشوں کو رفع کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام ملک میں پورا امن قائم کر دیا۔ ہر شہر میں مہمان خانے اور مسجدیں بنائیں اور ملک کے انتظام کے لئے ۵ لاکھ فوج بھرتی کی تا کہ آئندہ کوئی باغی سر نہ اٹھا سکے۔

۱۷۹ھ۔۷۹۵ء (۱) ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو خراسان کی گورنری سے واپس بلا لیا اور جب وہ نہایت شان و شوکت سے ۲۰ ہزار فوج کے ساتھ بغداد آیا تو خود ہارون نے معہ امرائے سلطنت شہر سے باہر آ کر اس کا پر جوش استقبال کیا اور اس کو اپنا وزیر بنا لیا۔

(۲) ہارون کے استاد حدیث حضرت امام مالکؒ نے انتقال فرمایا۔ مسلم بن خالد زنگی اور حمیری شاعر کی وفات بھی اسی سنہ میں ہوئی۔

(۳) ایک نہایت ہولناک اور خون ریز جنگ کے بعد باغی ولید، یزید کے ہاتھوں مارا گیا اور الجزیرہ کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۸۰ھ۔۷۹۶ء (۱) امام فن نحو سیبویہ کا انتقال ہوا۔

(۲) ماوراء النہر کے علاقے پر جہاد کرنے کے لئے ہارون الرشید نے فوج بھیجی۔

۱۸۱ھ۔۷۹۷ء (۱) خود ہارون الرشید نے روم پر فوج کشی کی اور قلعہ صفصاف کو فتح کیا۔

(۲) عبدالملک بن صالح نے رومی قلعے مطمورہ کو فتح کیا اور انقرہ تک بڑھتا چلا گیا۔

(۳) شارلیمن شاہ فرانس نے ہارون کے دربار میں اپنا پہلا وفد بھیجا۔

(۴) قیروان میں بغاوت ہوئی جسے کچل دیا گیا۔

(۵) عبداللہ بن مبارک مروزی، مروان بن ابی حفصہ شاعر اور حضرت امام ابو یوسف کا انتقال ہوا۔

۱۸۲ھ۔۷۹۸ء (۱) حضرت امام جعفر طیالسی محدث اور حضرت ابن سماک واعظ کی وفات ہوئی۔

(۲) ہارون الرشید نے امین الرشید کے بعد مامون الرشید کی خلافت کے متعلق لوگوں سے بیعت لی۔

(۳) ابوخصیب وہب بن عبداللہ نسائی نے خراسان میں بغاوت کی جس کا سلسلہ پانچ سال تک چلتا رہا۔

(۴) ہارون کے حکم سے عبدالرحمان بن عبدالملک نے روم پر جہاد کیا۔

۱۸۳ھ۔۷۹۹ء (۱) حضرت امام موسیٰ کاظم اور یونس نحوی کی وفات ہوئی۔

(۲) طونس میں تمام بن تمیم نے بغاوت کی جو جلد دبا دی گئی۔

(۳) یونانیوں کی سازش سے دربند کے خزری آرمینیا پر چڑھ آئے اور ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ ہارون الرشید نے دو جرنیلوں کو فوج کثیر کے ساتھ فوراً بھیجا جنہوں نے جا کر ان کا سقراؤ کر دیا اور لوگوں کو ان کے مظالم سے نجات دلائی۔

۱۸۴ھ۔۸۰۰ء (۱) ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو تمام افریقی علاقے کا مستقل اور موروثی گورنر بنا کر افریقہ بھیجا۔ اس نے طونس پہنچ کر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ملک کی موجودہ بدنظمی اور بغاوتوں کو دور کیا اور اس علاقہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ ابراہیم کا ۱۹۶ھ۔۸۱۲ء میں انتقال ہو گیا مگر اس کی قائم کی ہوئی سلطنت اس کی اولاد میں ۱۱۲ سال تک باقی رہی۔

(۲) سندھ میں یمنی اور مضری قبائل کی شدید جنگ ہوئی جسے روکنے کے لئے ہارون نے داؤد بن حاتم مہلبی کو بھیجا جس نے مضریوں کو بے دریغ قتل کر کے ان سے منصورہ چھین لیا جو اس وقت سندھ کا اسلامی دارالخلافہ تھا۔

۱۸۵ھ۔۸۰۱ء شارلمین شاہ فرانس نے دوبارہ ایک سفارت ہارون الرشید کی خدمت میں بھیجی۔

۱۸۶ھ۔۸۰۲ء
(۱) ابوخصیب، خراسان کا مشہور باغی ہارون الرشید کے جرنیل علی بن عیسیٰ کے مقابلے میں مارا گیا۔ جس کے بعد خراسان کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

(۲) ادریس بن ادریس علوی نے مغرب الاقصیٰ میں خروج کیا مگر شکست کھائی۔

(۳) طونس میں حمیدس نے بغاوت کی مگر ابراہیم بن اغلب نے عمران کو بھیج کر اسے شکست دی۔

(۴) ہارون اپنے تین بیٹوں امین، مامون اور قاسم کے ساتھ حج کو گیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر پہلے ایک معاہدہ لکھا جس کی رو سے اپنے بعد امین کے لئے وصیت کی پھر مامون کے لئے پھر قاسم کے لئے۔ اس معاہدے پر تینوں بیٹوں کے دستخط لئے اور اس تحریر کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

۱۸۷ھ۔۸۰۳ء
(۱) ہارون نے اپنے لڑکے قاسم کو صوبہ عواصم کا گورنر مقرر کر کے رومی سلطنت پر حملہ کرنے کا حکم دیا جس نے شہر قرہ کو فتح کیا۔

(۲) عباس بن جعفر کو ہارون نے رومیوں پر جہاد کے لئے روانہ کیا جس نے سنان کا قلعہ فتح کیا۔

(۳) جعفر برمکی وزیر ہارون الرشید بعمر ۳۶ سال قتل کروا دیا گیا۔

(۴) ہارون نے قیصر روم کے خودسرانہ خط سے مشتعل ہو کر بذات خود روم پر حملہ کیا۔ قیصر نے مقابلہ کیا مگر اپنی چالیس ہزار سپاہ کو ہلاک کروانے کے بعد عاجزی کے ساتھ صلح کی التجا کی، جو جزیہ ادا کرنے کی شرط پر قبول ہوئی۔

(۵) حضرت فضیل بن عیاض اور ابو مسلم معاذ نحوی کی وفات ہوئی۔

۱۸۸ھ۔۸۰۴ء
(۱) عباس بن احنف شاعر کی وفات ہوئی۔

(۲) ہارون کے حکم سے ابراہیم بن جبریل نے روم پر حملہ کیا اور ہزاروں رومی سپاہی مار ڈالے۔

۱۸۹ھ۔۸۰۵ء
(۱) روم پر جہاد کے لئے ہارون نے فوج بھیجی۔

(۲) طرابلس میں بغاوت ہوئی لیکن ابراہیم بن اغلب نے فوج بھیج کر اسے فوراً ختم کر دیا۔

(۳) مشہور قاری اور عالم نحو و لغت امام کسائی اور محمد بن حسن شیبانی کی وفات ہوئی۔

(۴) گورنر خراسان علی بن عیسیٰ کے ظلم و ستم کی تحقیقات کے لئے خود ہارون خراسان گیا۔

۱۹۰ھ۔۸۰۶ء (۱) رافع بن لیث نے سمرقند میں بغاوت کی جو فوراً فرو کر دی گئی۔

(۲) اسد بن عمر کوفی اور شفیق بن ابراہیم بلخی کی وفات ہوئی۔

(۳) بار بار کی بدعہدیوں سے تنگ آ کر ہارون نے ایک لاکھ ۳۵ ہزار فوج کے ساتھ روم پر چڑھائی کی اور دارالسلطنت ہریکلی (ہرقلہ) کو فتح کر کے برباد کر ڈالا۔ آخر مجبور ہو کر قیصر نے تین لاکھ دینار سالانہ ادا کرنے کے وعدے پر صلح کی۔

(۴) یحییٰ برمکی وزیر ہارون الرشید نے قید کی حالت میں بعمر ۷۰ سال وفات پائی۔

(۵) معن بن زائدہ نے روم پر حملہ کر کے قلعہ صقالیہ کو اور یزید بن مخلد نے خلقونیہ کو فتح کیا۔

(۶) حمید بن معیوف نے بحیرہ روم کے جزیرہ قبرص پر حملہ کر کے اسے اجاڑ ڈالا اور وہاں سے ۱۶ ہزار آدمی گرفتار کر کے لایا۔

(۷) یزید بن محمد نے قونیہ فتح کیا۔

۱۹۱ھ۔۸۰۷ء یزید بن مخلد ہبیری نے روم پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر مارا گیا۔

۱۹۲ھ۔۸۰۸ء (۱) شہر طرطوس کی تعمیر اختتام کو پہنچی۔

(۲) ہارون الرشید نے شارلیمن شاہ فرانس کے پاس ایک وفد بھیجا جس کے ساتھ بعض عجیب تحائف بھی شارلیمن کے لئے روانہ کئے۔

(۳) خراسان میں بغاوت ہو گئی جسے فرو کرنے کے لئے ہارون الرشید خود خراسان گیا۔

۱۹۳ھ۔۸۰۹ء (۱) فضل بن یحییٰ برمکی وزیر ہارون الرشید کا بحالت قید انتقال ہوا۔

(۲) بشیر بن لیث، خراسان کا مشہور باغی، گرفتار ہو کر آیا اور ہارون کے حکم سے بری طرح قتل کیا گیا۔

۸۔ ہارون کا انتقال۔ ہارون الرشید کو اطلاع ملی کہ زافع بن لیث نے خراسان میں علم بغاوت بلند کیا ہے۔ وہ اس کی سرکوبی کے لئے ایک جرار فوج لے کر ۱۹۲ھ۔۸۰۸ء میں خراسان روانہ ہو گیا۔ طوس پہنچا تو بیمار ہو گیا۔ ہر چند علاج کئے گئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اسی حال میں ۲۳ برس ۲ مہینے اور ۱۸ یوم حکومت کرنے کے بعد ۴۷ سال ۵ ماہ کی عمر پا کر ہفتے کے دن ۴ جمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۴۔ مارچ ۸۰۹ء کو مشرق کے اس عظیم الشان شہنشاہ نے داعئ اجل کو لبیک کہا اور طوس کی سرزمین میں دفن ہوا۔

باقیات ہارونی

الف۔ مال ومنال اور اسلحہ۔ ہارون اپنے پیچھے آٹھ ارب نقد روپیہ خزانے میں چھوڑ گیا۔ ۱۵ کروڑ دینار کے جواہرات تھے۔ نیز خزانۃ السلاح (جنگی گوداموں) میں ساٹھ ہزار تلواریں، ڈیڑھ لاکھ نیزے، ایک لاکھ کمانیں، دو ہزار زرہیں، چونتیس ہزار زینیں، بیس ہزار خود اور ڈیڑھ لاکھ ڈھالیں موجود تھیں۔ فوج کے پاس سامان اس کے علاوہ تھا۔ جائداد، محلات اور لونڈی غلام جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑے ان کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا۔

ب۔ بیویاں۔ ہارون الرشید نے اپنی عمر میں کل چھ بیویاں کیں، جن میں سے اس کی وفات کے وقت چار زندہ تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) امۃ العزیز جو تاریخ میں زبیدہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) ام محمد بنت صالح المسکین۔

(۳) عباسہ بنت سلیمان بن منصور۔

(۴) جرشیہ بنت عبداللہ العثمانیہ۔

ان سب بیویوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور سب سے زیادہ محبوب زبیدہ خاتون تھی۔ تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ شہرت اور عزت بھی اسی کو حاصل ہوئی۔ باقی بیویوں کے کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ زبیدہ خاتون ہارون الرشید کے چچا کی بیٹی تھی اور بڑی عاقلہ، فہیمہ، مدبر اور زیرک تھی۔ ۱۶۶ھ۔۷۸۲ء میں ہارون الرشید سے نکاح ہوا۔ تمام مورخ لکھتے ہیں کہ زبیدہ، نہایت عابدہ، زاہدہ، مذہب کی دلدادہ اور قرآن کی عاشق تھی۔ اس کے محل میں ایک سو کنیزیں حافظ قرآن تھیں جن کا کام صرف یہ تھا کہ ہر وقت قرآن کریم پڑھتی رہتی تھیں۔ مسجدیں اور مہمان سرائیں اس نے بے شمار تعمیر کرائیں۔ بغداد سے جو راستہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو آتا تھا اس پر بکثرت کنوئیں اور اقامت گاہیں مسافروں کے لئے بنوائیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ نہر زبیدہ کی تعمیر ہے جس کی تیاری پر اس شہنشاہ بیگم نے ۸۰ لاکھ روپے خرچ کئے۔ بدخشاں اور تبریز اسی کے بسائے ہوئے شہر ہیں۔ اس نے اپنے شوہر کے ۳۳ سال بعد ۲۲۶ھ۔۸۴۱ء میں انتقال کیا۔

ج۔ اولاد۔ ہارون الرشید کی اولاد نرینہ کی تعداد بارہ تھی۔

(۱) محمد امین۔ زبیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر کے بطن سے۔

(۲) عبداللہ المامون۔ راجل نامی کنیز سے۔

باقی دس لڑکے مختلف کنیزوں سے پیدا ہوئے، جن کے نام یہ ہیں۔

(۳) قاسم المؤتمن (۴) ابو اسحاق محمد المعتصم (۵) صالح (۶) ابو عیسیٰ محمد (۷) ابو یعقوب محمد (۸) ابو العباس محمد (۹) ابو سلیمان محمد (۱۰) ابو علی محمد (۱۱) ابو محمد (۱۲) ابو احمد محمد۔

لڑکیاں پندرہ تھیں جو سب کی سب لونڈیوں سے پیدا ہوئی تھیں:۔

(۱) سکینہ (۲) ام حبیب (۳) اروی (۴) ام حسن (۵) ام محمد (۶) حمدونہ (۷) فاطمہ (۸) ام سلمہ (۹) خدیجہ (۱۰) ام قاسم (۱۱) رملہ (۱۲) ام جعفر (۱۳) ام علی (۱۴) عالیہ (۱۵) ریطہ

دور ہارونی میں علوم وفنون کی ترقی

ہارون الرشید چونکہ خود عالم وفاضل اور علم کا قدر دان تھا اس لئے اس کے عہد میں علوم وفنون کی بے حد ترقی ہوئی۔ ہر علم اور ہر فن کے علماء اور فضلاء ساری دنیا سے سمٹ کر بغداد میں جمع ہو گئے اور جلد ہی بغداد تمام دنیا کا مرکز بن گیا۔ عباسیوں میں ہارون الرشید پہلا بادشاہ ہے جس نے ملک میں علوم وفنون کی ترقی اور اشاعت کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا جس کا نام 'بیت الحکمۃ' تھا۔

اس عظیم الشان دار العلم کے دو حصے تھے، ایک صیغہ لائبریری پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ تراجم کے لئے وقف تھا۔

(۱) لائبریری کے حصے میں ہر علم، ہر فن اور ہر زبان کی قلمی کتابیں کثرت سے جمع کی گئی تھیں، کتابوں کا یہ ذخیرہ ہارون الرشید نے دنیا کے ہر ملک سے اپنے نمائندے بھیج کر فراہم کرایا تھا۔ کتابوں کی اس فراہمی میں ہارون نے پورے ذوق وشوق اور حد درجہ بے تعصبی سے کام لیا۔ عربی زبان کے ہزار ہا نادر قلمی نسخوں کے علاوہ سنسکرت، ژند، فارسی، سریانی، قبطی اور کالڈی وغیرہ زبانوں کی بے شمار کتابیں نہایت تلاش سے مہیا کرائیں اور ان کو بڑی حفاظت کے ساتھ کتب خانے میں رکھا۔ ان کتابوں کے جمع کرنے میں کسی مذہب، کس علم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ دنیا کے ہر کونے سے اور زمین کے ہر گوشے سے اس نے کتابیں منگوائیں اور کتب خانے کو ایک علمی عجائب خانہ بنا دیا۔ ہندوستان قاصد بھیجے کہ وہاں سے طب، ہندسہ اور ہیئت کی کتابیں لائیں۔ یونان اور روم کے ممالک میں تلاش کی کہ فلسفہ، طب اور منطق کی کتابیں ہاتھ آئیں۔ رومی ممالک فتح کیئے تو یہی شوق رہا کہ مال غنیمت میں کتابیں ہاتھ آئیں۔ چنانچہ جب انگوریہ اور عموریہ فتح ہونے کے بعد وہاں سے بکثرت یونانی کتابیں دستیاب ہوئیں تو ہارون الرشید بے حد خوش ہوا اور انہیں بڑی حفاظت سے بغداد لایا اور یوحنا بن ماسویہ کو ان کے ترجمے پر مامور کیا۔ حالی نے اسی زمانے کے متعلق کہا ہے۔

حریم خلافت میں اونٹوں پہ لد کر
چلے آتے تھے مصر و یونان کے دفتر

(۲) بیت الحکمۃ کا دوسرا صیغہ دار الترجمہ تھا جس میں دنیا جہان سے بڑے بڑے فاضل مصنف اور مترجم بیش قرار تنخواہوں پر بلا کر نوکر رکھے تھے۔ جو دن رات دنیا کی مختلف زبانوں سے ہر علم اور ہر فن کی اعلیٰ ترین اور بہترین کتابوں کے ترجمے کرتے رہتے تھے۔ ہندو پنڈت ہوں یا

یہودی قسیس، عیسائی راہب ہوں یا پارسی موبد، سب کی یکساں قدر و منزلت کی جاتی اور سب کو بیش قرار مشاہرے ملتے تھے۔ حاجی خلیفہ نے 'کشف الظنون' میں اور ابن ندیم نے 'الفہرست' میں ان کتابوں کی بڑی لمبی فہرستیں دی ہیں جو عہد ہارونی میں ژند، یونانی، پہلوی، فارسی، شامی اور سنسکرت زبانوں سے عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ جو مترجمین ان علوم وفنون کو عربی میں منتقل کرنے پر مامور تھے ان کے نام بھی حاجی خلیفہ اور ابن ندیم نے بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

ہارون کے علمی شوق نے گھر گھر علوم وفنون کے چشمے بہا دئے تھے اور سندھ سے لے کر مراکش اور بصرہ سے لے کر ترکستان اور ایشیائے کوچک تک علم کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ ہزار ہا عالم اور فاضل شناوری کا کمال دکھا رہے تھے۔ ہر علم اور ہر فن کے ماہر ملک میں بھرے پڑے تھے۔ علم حدیث کے عالم، اسلامیات کے فاضل، الٰہیات کے کامل، فقہ اور علم الکلام کے واقف چپہ چپہ پر موجود تھے اور اپنی لیاقت اور علمیت سے ایک دنیا کو فیض پہنچا رہے تھے۔

عہد ہارونی کے صاحبان علم وفضل

عہد ہارونی کے باکمال اور صاحبان علم وفضل میں سے جن علماء ادباء شعراء اور نحویین کا انتقال ہارون الرشید کے زمانے میں ہوا ان میں سے چند کے نام مولانا جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تاریخ الخلفاء میں درج کیے ہیں ہم انہیں یہاں نقل کرتے ہیں۔ حضرت مالکؒ بن انسؓ، لیث بن عد، قاضی ابو یوسف شاگرد رشید امام ابو حنیفہؒ، قاسم بن معن، مسلم بن خالد زنجی، نوح الجامع، حافظ ابو عوانہ لشکری، ابراہیم بن سعد زہری، ابو اسحاق فزاری، ابراہیم بن ابی یحیٰ، شیخ الشافعی، اسد کوفی جو اصحاب ابو حنیفہؒ میں سے تھے، اسماعیل بن عیاش، بشر بن مفضل، جریر بن عبدالحمید زیادہ بکائی، سلیم مقری صاحب حمزہ، سیبویہ امام العربیہ، ضیغم زائد، عبداللہ عمری زاہد، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن ادریس کوفی، عبدالعزیز بن ابی حازم، دراوردی، کسائی، شیخ القراء محمد بن حسن صاحب ابو حنیفہ علی بن سحر، عنجار، عیسیٰ بن یونس سبیعی، فضیل بن عیاض، ابن السماک واعظ، مروان بن ابی حفصہ شاعر، معانی بن عمران موصلی، معتمر بن سلیمان، مفضل بن فضالہ قاضی مصر، موسیٰ بن ربیعہ، ابو الحکم مصری جو اولیاء میں سے تھے، نعمان بن عبدالسلام اصفہانی، ہشیم یحیٰ بن ابی زائدہ، یزید بن زریع، یونس بن حبیب نحوی، یعقوب بن عبدالرحمان قاری مدینہ، عبدالرحمان بن قاسم، عباس بن احنف شاعر، ابوبکر بن عیاش مقری، یوسف بن ماجشون، وغیرہ ہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ہارون الرشید کی بے تعصبی اور رواداری

ہارون الرشید کی پرورش اور تعلیم و تربیت خالص مذہبی ماحول میں ہوئی تھی اور وہ نہایت درجہ راسخ العقیدہ اور مذہب کا دلدادہ تھا۔ خالص عربی خون اس کی رگ رگ میں دوڑ رہا تھا اور وہ بجا طور پر اپنے آپ کو دنیائے معلومہ کا سب سے طاقت ور اور سب سے زیادہ پر شوکت سلطان سمجھتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ "امیر المومنین" جیسے پر شکوہ اور مقدس ترین لقب کا اپنے آپ کو جائز وارث جانتا تھا۔ مگر ان سب فضائل و امتیازات کی موجودگی کے باوجود دوسری اقوام یا دوسرے مذاہب سے تعصب اور عدام رواداری کی اس کی تمام زندگی میں ایک بھی مثال نہیں ملتی۔ شام، مصر اور روم کے تمام علاقوں میں عیسائیوں کو گرجا بنانے، کلیساؤں میں عبادت کرنے اور صلیب کا جلوس نکالنے کی عام اجازت تھی۔ یہودیوں کو کنیساؤں میں عبادت کرنے کی کھلی چھٹی تھی۔ مجوسی بلا روک ٹوک آتشکدے روشن کر سکتے اور آگ کی پوجا کر سکتے تھے۔ سندھ میں ہندوؤں کو مندروں میں پوجا کرنے اور بتوں کے آگے سجدے کرنے میں کوئی روک نہ تھی۔ غرض مذہب کے لئے کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ اس کا اپنا طبیب جبریل بن بختیشوع مذہباً عیسائی تھا جسے بیش قرار انعامات وعطیات کے علاوہ ۴۹ لاکھ درہم سالانہ ملتے تھے۔ ۲۳ سال ہارون نے حکومت کی ہے اس کی تنخواہ اسے ۱۱ کروڑ ۲۷ لاکھ درہم ملی۔ ایک مرتبہ منکہ نامی ایک وید کو ہارون الرشید نے ہندوستان سے اپنے علاج کے لئے بلوایا۔ بغداد کے شفاخانے کا افسر اعلیٰ بھی ایک ہندو طبیب ابن وہن نامی تھا۔ مترجمین میں متعدد عیسائی، یہودی اور مجوسی فاضل ملازم تھے۔ جن میں فضل بن نو بخت مجوسی اور یوحنا بن ماسویہ عیسائی خاص طور پر مشہور ہیں۔ ہندوستان سے سالی، منکہ، صنجہل، شاناق اور جودر کو سنسکرت کتابوں کے عربی ترجموں کے لئے بلایا گیا تھا۔ علامہ ابن اصیبعہ نے اپنی کتاب 'عیون الانبا' فی طبقات الاطباء' میں ان تمام ہندی طبیبوں کے حالات اور ان کتابوں کی مکمل تفصیلات لکھی ہیں جو انہوں نے ہارون کے لئے سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیں۔

اس ضمن میں ایک سخت متعصب عیسائی جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کی گواہی خاص وقعت رکھتی ہے۔ وہ اپنی کتاب 'تاریخ التمدن الاسلامی' جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے "مسلمانوں کے نہایت تیزی کے ساتھ علمی ترقی کرنے کا ایک زبردست سبب یہ بھی تھا کہ خلفاء اسلام ہر قوم اور ہر مذہب کے علماء کے بہت بڑے قدردان تھے اور ہمیشہ ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتے رہتے تھے۔ ان کے مذہب، ان کی قومیت اور ان کے نسب کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے۔ ان میں نصرانی،

یہودی، صابی، سامری اور مجوسی غرض ہر ملت کے لوگ تھے۔ خلفاء ان کے ساتھ نہایت عزت اور عظمت کا برتاؤ کرتے تھے۔ غیر مسلموں کو وہی آزادی اور درجہ حاصل تھا، جو مسلمان امراء یا حکام کو حاصل ہوتا تھا"۔

علاوہ ازیں اسی کتاب میں صفحہ ۱۶۶ پر جرجی زیدان رقمطراز ہے "جو ملک فتح ہوتا تھا اس کا کتب خانہ پایہ تخت بغداد میں منگوالیا جاتا تھا اور ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کروایا جاتا تھا۔ چنانچہ ہارون الرشید نے بلاد روم کے شہروں انقرہ اور عموریہ کی فتح کے موقعے پر ایسا ہی کیا۔ کیوں کہ ان دونوں مقامات میں اس کو کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ اس نے اپنے عیسائی معالج یوحنا کو ان کتابوں کو ترجمہ کرنے کا حکم دیا"۔

خلیفہ کی بے تعصبی اور رواداری کی ایک بہت دلچسپ حکایت مسٹر پامر نے اپنی کتاب 'ہارون الرشید' میں بیان کی ہے جسے ہم اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"فن موسیقی کا ماہر ابواسحاق بن ابراہیم موصلی دربار ہارونی کا مشہور مغنی تھا۔ وہ راوی ہے کہ ایک روز ہارون الرشید شکار کو گیا اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ خلیفہ تو شکار کے تعاقب میں آگے بڑھ گیا مگر میں تکان کے باعث پیچھے رہ گیا۔ اتفاقاً سامنے ایک گرجا نظر آیا۔ میں تھکا ہوا تھا ہی، خیال کیا کہ شاید یہاں تھوڑی دیر ستانے کا موقع مل جائے۔ اس خیال سے میں گرجا کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ جب گرجا کے بوڑھے پادری نے مجھے دیکھا تو بہت خوش اخلاقی کے ساتھ میرے پاس آیا اور میری بڑی خاطر مدارات کی۔ نرم بستر میرے لئے بچھا دیا اور پنکھا جھلنے کے لئے ایک خادمہ کو میرے پاس بھیج دیا۔ پھر فوراً میرے لئے بہت اچھے اچھے کھانے پکوائے۔ اس دوران میں مجھے اپنی عمر کے عجیب عجیب واقعات اور حالات سناتا رہا۔ کھانے کے بعد مجھے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ جب میں وہاں سے چل کر ڈھونڈتا ڈھونڈتا خلیفہ کے کیمپ میں پہنچا تو خلیفہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے ساری کیفیت بیان کی اور پادری کی مہمان نوازی کی تعریف کی۔ جس پر خلیفہ کو بھی شوق پیدا ہوا کہ ایسے خوش اخلاق، ملنسار اور مہمان نواز انسان سے ضرور ملنا چاہئے۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنی واپسی کا ارادہ اس رات ملتوی کر دیا اور میرے ساتھ تنہا پادری سے ملاقات کے لئے چل کھڑا ہوا۔

گرجا پہنچ کر جب پادری کو معلوم ہوا کہ دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ اس کی ملاقات کو آیا ہے تو وہ بے انتہا خوش ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اس سے زیادہ فخر اور کیا ہو سکتا تھا۔ گرجا کے

سارے آدمی خلیفہ کی خدمت اور خاطر مدارات میں لگ گئے۔ بڑی پرتکلف دعوت ہوئی اور جنگل میں امیر المومنین کو محل کا مزا آ گیا۔

خلیفہ پادری کی آؤ بھگت اور مہمان نوازی سے بے حد خوش ہوا اور چلتے وقت ایک ہزار دینار (۵۰۰ پونڈ) اسے مرحمت فرمائے اور حکم دے دیا کہ گرجا سے متعلق جس قدر مزروعہ زمینیں اور باغات ہیں سات سال تک ان کا کچھ مالیہ وصول نہ کیا جائے۔

پادری گرجا کے احاطے کے دروازے تک خلیفہ کو چھوڑنے آیا۔ رخصت کے وقت خلیفہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ پادری سے مصافحہ کیا اور کہنے لگا "میں آپ سے مل کر نہایت خوش ہوا اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میری رعایا میں ایسے مہمان نواز اور خوش اخلاق بزرگ موجود ہیں"۔

اس واقعے سے جو ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے۔ صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہارون الرشید کا سلوک عیسائی رعایا کے ساتھ کیسی روادار کا تھا۔

یہ رواداری اتنی پختہ تھی کہ جب قیصر روم کی بار بار عہد شکنی اور سرکشی اور سرحد پر قتل و غارت سے ہارون تنگ آ گیا تو ایک روز نہایت غصے سے اس نے قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف سے پوچھا کہ عہد اسلامی میں عیسائیوں کے گرجا کیوں محفوظ رہے اور کس نے ان کو اس بات کی اجازت دے کہ شہروں میں علانیہ صلیب کا جلوس نکالیں؟

اس پر حضرت امام ابو یوسف نے بڑی جرأت سے جواب دیا "حضرت عمرؓ کے عہد میں جب رومی ممالک فتح ہوئے تو عیسائیوں کو یہ لکھ کر دے دیا گیا تھا کہ تمہارے گرجا محفوظ رہیں گے اور تمہیں اپنے مذہبی اعمال بجالانے اور صلیب نکالنے میں پوری آزادی ہوگی۔ پس اب کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ اس حکم کو منسوخ کر دے"۔

یہ سن کر ہارون الرشید چپ ہو گیا اور پھر ساری عمر کبھی عیسائیوں کے مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ اگر وہ ظالم اور جابر ہوتا تو عیسائی حکومت سے بار بار سخت تکلیف اور پریشانی اٹھانے کے بعد غصے میں آ کر اپنے ملک میں عیسائیون کا قتل عام کرا دیتا اور سارے گرجاؤں کو کھدوا دیتا مگر رواداری کی انتہا تھی کہ جب ایک مرتبہ قیصر روم کی بدعہدی سے سخت طیش میں آ کر اس نے دار السلطنت ہریکلی (ہرقلہ) پر حملہ کیا اور ہرقلہ اجاڑ ڈالنے کے بعد وہاں سے بہت سے آدمیوں کو پکڑ لایا تو بعد میں قیصر نے لکھا کہ "جن آدمیوں کو آپ قید کر کے لے گئے ہیں ان میں میرے لڑکے کی منگیتر بھی چلی گئی ہے حالانکہ اس کی شادی تیار تھی۔ اگر آپ الڑکی کو واپس کر دیں تو

اس کے بدلے میں جس قدر روپیہ آپ چاہیں میں بلا عذر بھیج دوں گا"۔

اس پر قیصر سے انتہائی نفرت کے باوجود ہارون الرشید نے لڑکی کو بلوایا اور اسے نہایت عمدگی کے ساتھ سجا کر دلہن بنایا۔ پھر کچھ تحائف اس کے ساتھ کئے اور یہ کہہ کر اسے واپس بھجوا دیا کہ "تمہاری بہو کو بھیج رہا ہوں اور اپنی طرف سے شادی کے تحفہ کے طور پر کچھ چیزیں بھی اس کے ساتھ کر رہا ہوں۔ انہیں میری طرف سے قبول فرمائیں اور لڑکی کے معاوضے کا کوئی خیال دل میں نہ لائیں"۔

ایک مرتبہ حج کے موقعے پر ہارون الرشید نے میدان عرفات میں کھڑے ہو کر اپنے عیسائی طبیب جبریل کی صحت و عافیت کے لئے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دیر تک دعا کی اور جب ایک مصاحب نے کہا کہ آپ ایک کافر کے لئے دعا کر رہے ہیں تو اس نے اسے جھڑک دیا۔

دور ہارونی میں سلطنت کی خوشحالی اور انتظام ملکی و مالی

کسی ملک کی خوشحالی اس امر پر موقوف ہے کہ وہاں کے باشندے امن اور چین کی زندگی گزارتے ہوں۔ رعایا پر ناواجب اور نامناسب ٹیکسوں کا بار نہ ہو۔ لوگ تجارت، ملازمت اور زراعت میں مشغول ہوں۔ روزگار اور ذرائع آمدنی وسیع ہوں۔ خوش قسمتی سے یہ ساری باتیں ہارون الرشید کے زمانہ میں لوگوں کو حاصل تھیں۔ اسی لئے سارا ملک خوشحال تھا۔ ذرا بھی کسی ملک میں شورش یا بغاوت اٹھتی تھی تو اکثر اوقات ہارون خود اس کو فرو کرنے کے لئے موقع پر پہنچتا تھا ورنہ اپنے جرنیلوں کو بھیج کر فتنے کو سختی کے ساتھ کچل دیتا تھا۔ ہارون دل سے چاہتا تھا کہ رعایا کا ہر فرد پورے طور پر خوش وخرم اور مطمئن رہے۔ ذرا بھی کسی حاکم یا گورنر کے ظلم کی شکایت سنتا تو فوراً اس کی باز پرس کرتا اور اگر جرم ثابت ہو جاتا تو حاکم اور عامل کی ذرا رعایت نہ کرتا۔ اپنی غیر مسلم رعایا سے بھی ویسے ہی حسن سلوک سے پیش آتا جیسے اپنے آدمیوں سے۔ راتوں کو بھیس بدل کر تنہا اپنے غلام یا وزیر کے ساتھ بغداد کے محلوں اور گلیوں کا گشت لگاتا اور رعایا کا حال دریافت کرتا۔ اس عادت کی بدولت وہ اکثر سخت خطروں میں بھی پڑ گیا مگر اپنے معمول میں فرق نہ آنے دیا۔ ہر معمولی سے معمولی شخص دنیا کے اس سب سے بڑے بادشاہ تک آسانی سے پہنچ سکتا اور اپنی مظلومی کی کہانی بیان کر کے انصاف حاصل کر سکتا تھا۔ رفاہ عام کے جتنے صیغے تھے۔ ہارون سب میں ذاتی دلچسپی لیتا اور ملک کے سارے انتظام سے باخبر رہتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بیان شاید طرفداری اور جذبہ داری پر محمول سمجھا جائے۔ لہٰذا اس کی کیفیت فرانس کے مشہور مستشرق ڈاکٹر لی بان کی زبان سے سنئے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"ہارون الرشید نے تمام ملک میں سڑکیں بنوائیں اور ان پر ڈاک قائم کی۔ جس کے ذریعے سے قاصد اور نامہ بر دور دور کے فاصلے تک بآسانی اور بہ سرعت پہنچنے لگے۔ نامہ بر کبوتروں کی ڈاک بھی قائم کی گئی اس کا انتظام بالکل ویسا ہی تھا ہارون یورپ کے بعض شہروں میں ہے۔ خطوط رسانی کا سلسلہ ہارون نے ویسا ہی جاری کیا جیسا آج ہمارے ہاں رائج ہے۔ آج کی طرح یہ محکمہ ہارون کے وقت میں بھی ایک بڑا اہم اور ضروری صیغہ سمجھا جاتا تھا"۔

ہر ایک صوبے میں ہارون الرشید کی طرف سے ایک گورنر مقرر ہوتا تھا جس کے ہاتھ میں تمام صوبے کی باگ ہوتی تھی۔ ملک کا مالی انتظام نہایت ہی باقاعدہ تھا۔ اس وقت آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے:

اول۔ذاتی اور شخصی ٹیکس جو آمدنی پر لیا جاتا تھا۔
دوم۔مقبوضہ اور مزروعہ اراضی کا لگان۔
سوم۔چنگی کی آمدنی۔
چہارم۔غیر مزروعہ اور افتادہ زمین کا محصول
(جو بہت ہی کم اور برائے نام ہوتا تھا)۔
پنجم۔معدنیات اور کانوں کے ٹھیکے۔

عرب کے مورخین لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید کی مجموعی آمدنی دس کروڑ روپیہ سالانہ تھی (جو آج کل کی کم قدری زر کے مقابلے میں ایک نہایت ہی خطیر رقم ہے)۔

اس مال گزاری کی نگرانی ایک مجلس وزراء کے سپرد تھی۔ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں اس کی تفصیل دی ہے۔

ملک کا انتظام چار صیغوں پر منقسم تھا جو ہمارے دور کی موجودہ وزارتوں سے پورے طور پر مطابقت رکھتا ہے۔

پہلا صیغہ جنگ (جس پر بہت معقول رقم سالانہ خرچ ہوتی تھی۔نئے فوجی قلعوں کی تعمیر، پرانے قلعوں کی مرمت، فوج کی تنخواہیں، اسلحہ اور گھوڑوں کا انتظام اس صیغے کے سپرد تھا)۔

دوسرا صیغہ مال گزاری۔جس کا کام مختلف اشیاء پر محصولوں کی تشخیص تھا۔
تیسرا صیغہ شخصی۔اس صیغے کے سپرد محصول، چنگی، لگان اور ٹھیکوں کی وصولی تھی۔
چوتھا صیغہ انتظامی۔اس صیغے کا کام مداخل ومخارج کی نگرانی اور انتظام تھا۔

خلیفہ کے کل احکام نہایت باقاعدہ لکھے جاتے تھے جو پورے انتظام کے ساتھ ریکارڈ کے طور پر دفتر میں محفوظ رہتے تھے۔

تمام شہروں میں پولیس کا انتظام ایسی ہی عمدگی اور قابل اطمینان طور پر تھا جیسا ڈاک اور مداخل ومخارج کا۔

تاجروں اور سوداگروں کی انتظامی مجالس بھی ہارون الرشید نے قائم کردی تھیں جو اس امر کی نگرانی کی ذمہ دار تھیں کہ ان کے علاقے میں کہیں معاملات تجارت میں بددیانتی، دغابازی یا فریب نہ کیا جائے۔اگر اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی تو اس کی بازپرس نہایت سختی کے ساتھ کی

جاتی تھی، بددیانت دکاندار کو قابل عبرت سزا دی جاتی تھی، کسی کی مجال نہ تھی کہ کم تولے، مہنگا بیچے یا خراب مال گاہک کو دے۔

بکثرت آمدنی اور باقاعدہ خرچ کے اعلیٰ انتظام کے باعث ہارون الرشید کو موقع ملا کہ فالتو روپے سے رفاہ عام کے بڑے بڑے کام کر سکے۔ اس نے ملک میں لمبی لمبی سڑکیں بنوائیں، جگہ جگہ کارواں سرائیں، کنوئیں اور مسجدیں تعمیر کیں، شفاخانے قائم کئے اور مدارس کا جال تمام ملک میں پھیلا دیا۔

ہارون کے زمانے میں زراعت اور صنعت وحرفت نے بھی بڑی زبردست ترقی کی۔ عمدہ سے عمدہ باریک اور نفیس ترین کپڑے بننے کے کارخانے اعلیٰ پیمانے پر موصل، حلب، دمشق اور بغداد میں قائم کئے۔

نمک، گندھک، سنگ مرمر، لوہے اور سیسے کی کانیں ماہروں کی نگرانی میں تلاش کروائی گئیں اور ان کو باقاعدہ کھدوانے کا بہت معقول انتظام کیا گیا۔

سررشتہ تعلیم نہایت وسیع پیمانہ پر قائم کیا گیا تمام ممالک سے ہر علم اور ہر زبان کے مشہور فضلاء اور اساتذہ بغداد بلائے گئے، جو ایک طرف طلباء کو بالکل مفت تعلیم دیتے اور دوسری طرف مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے تراجم کرتے تھے۔

ہارون کے زمانے میں علم ہیئت کو اس درجہ ترقی ہوئی کہ وہ کام جسے یورپ نے بالکل زمانہ حال میں کیا ہے، اس وقت ہو چکا تھا۔

حکمائے یونان اور قدمائے روم کی تصنیفات اور تالیفات فلسفہ اور ریاضیات کے متعلق، اس نے عربی میں ترجمہ کروائیں اور اپنے مدارس میں جاری کیا۔

اس نے جگہ جگہ رسد خانے، لائبریریاں، مدارس علمیہ اور سائنٹیفک تحقیقات کے لئے تجربہ گاہیں قائم کیں جن میں دن رات مہندس، سائنس دان اور کیمیا گر، ہر نئے نئے تجربات اور جدید تحقیقات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے"۔

(تمدن عرب مصنفہ ڈاکٹر گستاولی بان مترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۱۲۷۔۱۷۰)

اسی خوشحالی کا نتیجہ تھا کہ ملک میں دولت کا دریا بہہ رہا تھا۔ جرجی زیدان اپنی کتاب 'تاریخ التمدن الاسلامی' کی دوسری جلد میں لکھتا ہے کہ "ہارون الرشید کا دربار وفود سے اور اس کا بیت المال زر وجواہر اور نقدیات سے بھرا ہوا تھا۔ اس زمانے کے سوداگروں کی حالت یہ تھی کہ محلہ کرخ

(مغربی حصہ بغداد) کے ایک جوہری عون نامی کی دوکان پر ایک روز یحییٰ برمکی (وزیر ہارون الرشید) گیا اور ایک زرنگار کشتی کی قیمت ستر لاکھ درہم لگا دی مگر سوداگر نے اسے اس قیمت پر فروخت کرنا منظور نہیں کیا۔ یہ اس کی دوکان کی صرف ایک چیز تھی، ساری دوکان کے مال کی قیمت تو کروڑوں درہم ہوگی۔ ایک تاجر کی جائداد کا کرایہ ایک کروڑ درہم سالانہ وصول ہوا کرتا تھا۔ ایک دوسرے سوداگر کا انکم ٹیکس تیس لاکھ درہم تھا۔ ایک تاجر کا سرمایہ جو عود، کافور، عنبر، ہاتھی دانت، آبنوس اور سیاہ مرچ کی تجارت کرتا تھا چھ کروڑ درہم تھا"۔

اس زمانے میں دولت کی فراوانی کی یہ ایسی داستانیں ہیں جن پر مشکل ہی سے یقین آتا ہے اور کمال یہ ہے کہ یہ داستانیں دشمنوں اور مخالفوں کے قلم سے بیان ہوئی ہیں نہ کہ مداحوں اور محبوں کی زبان سے۔

ہارون کی عسکری طاقت

براعظم ہائے ایشیا اور افریقہ کے ان کثیر ممالک پر جو ہارون الرشید کے قبضے میں تھے مضبوطی کے ساتھ اسی وقت حکومت ہو سکتی تھی جب خلیفہ کی فوجی قوت نہایت زبردست ہوتی۔ چنانچہ اس زمانے کے لحاظ سے ہارون الرشید اتنی تربیت یافتہ فوج کا مالک تھا کہ تمام دنیا کے حکمران اس سے خوف کھاتے تھے۔ بادشاہ بنتے ہی اس نے شام کی سرحد پر، جو رومی سلطنت سے ملتی تھی نہایت مضبوط فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور بڑے مستحکم قلعے مناسب مقامات پر تعمیر کئے جن میں فوج کی معقول تعداد ہر وقت تیار اور مستعد رہتی تھی۔

ہارون الرشید کی بری فوج کی تعداد مورخین نے دو لاکھ لکھی ہے، مگر اس بات کو نہ بھولنا چاہیے کہ یہ تعداد وہ تھی جو تنخواہ دار اور باقاعدہ ملازم تھی۔ ضرورت پڑنے پر ملک کا ہر مسلمان نوجوان گھر سے نکل کر خلیفہ کے جھنڈے تلے جمع ہو سکتا تھا کیونکہ فنون جنگ کی تعلیم ہر مسلمان کو بچپن ہی سے دی جاتی تھی اور ہتھیاروں پر کسی قسم کی پابندی اور لائسنس نہ تھا۔ اسی بنا پر اسلامی فوج کے دو حصے تھے۔

(۱) تنخواہ دار۔ یعنی وہ سپاہی جو چوبیس گھنٹے اپنے کام پر مستعد رہتے اور باقاعدہ ملازم تھے۔ اس میں مذہب کی کوئی تخصیص نہ تھی۔

(۲) اپنی خوشی سے اور رضا کارانہ طور پر فوجی خدمت انجام دینے والے۔ اس حصہ فوج کا نام 'منطوعہ' تھا۔

اشد ضرورت پڑنے پر عام مسلمان باشندوں پر فوجی خدمت لازمی ہو جاتی تھی مگر غیر مسلم رعایا کو کسی حالت میں بھی فوجی خدمت کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سواروں اور پیادوں کے علاوہ ہر فوج میں مندرجہ ذیل لوگوں کی بھی ایک معقول تعداد لازماً ہوتی تھی۔

(۱) نفط پھینک کر دشمن کی فوج اور قلعوں میں آگ لگا دینے والے۔

(۲) منجنیق چلا کر مخالف کے قلعوں کو مسمار کرنے والے۔

(۳) عیار یعنی گوپھن کے ذریعے دشمن پر روڑوں اور پتھروں کے ٹکڑوں کی بارش کرنے والے۔

(۴) تیر انداز۔ یہ لوگ نشانہ باندھ کر تیر مارنے کے فن میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ جرجی زیدان لکھتا ہے "اگر کوئی عرب تیر انداز اس بات کا ارادہ کرتا کہ بھاگتے ہوئے ہرن کی صرف ایک

آنکھ کو نشانہ بنائے تو وہ اس ارادے میں نہایت آسانی سے کامیاب ہو جاتا تھا۔ ان میں جو تیر انداز اپنے فن میں نہایت درجہ کامل ہوتا تھا اسے 'رماۃ الحدق' کہتے تھے، (تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)۔

(۵) مرہم پٹی کا انتظام کرنے والے۔ یعنی ایک مکمل فوجی ہسپتال ہر لشکر کے ساتھ ضرور ہوتا تھا۔ میدانی لڑائی میں اسلامی فوج تیر کمان، تلوار، نیزوں، بھالوں، پیش قبضوں وغیرہ معمولی آلات جنگ سے کام لیتی تھی لیکن جب اسے ایسے شہر کا محاصرہ کرنا ہوتا جس کی شہر پناہ مضبوط پتھروں کی بنی ہوئی ہوتی یا کسی سنگین اور مضبوط قلعے پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو اس وقت اہل عرب منجنیق، دبابہ، کبش اور نفط سے کام لیتے تھے۔ محاصرہ کے ان ہیبت ناک آلات کی بہت ہی مختصر کیفیت ذیل میں لکھی جاتی ہے:۔

(۱) منجنیق۔ اس آلے کو اس زمانہ کی توپ سمجھنا چاہیے۔ اس کی کئی قسمیں ہوتی تھیں۔ بڑی، چھوٹی۔ لبلبیوں اور کمانیوں کے ذریعے سے چلنے والی یا گوپھن کی طرح چکر سے گھومنے والی۔ بالعموم منجنیق بڑے بڑے پتھر پھینک کر قلعوں کو مسمار کرنے کے کام آتی تھی مگر بعض اوقات زندہ سانپ، بچھو اور کنکھجورے بھی چھوٹی منجنیق کے ذریعے مخالف فوج پر پھینکے جاتے تھے۔

(۲) دبابہ۔ یہ پہیوں پر چلنے والے لکڑی کے نہایت اونچے اونچے چبوترے ہوتے تھے جن پر چڑھ کر فصیلوں پر حملہ کیا جاتا تھا۔ فصیلوں پر چڑھ کر شہر کے اندر کود پڑنے میں بھی دبابہ کو استعمال میں لاتے تھے۔

(۳) کبش۔ یہ بھی دبابہ کی شکل کا ایک آلہ جنگ ہوتا تھا جو قلعہ یا شہر پناہ کی دیواریں منہدم کرنے کے کام آتا تھا۔

(۴) نفط۔ گریک فائر یا آتش یونان کا نام عربوں نے نفط رکھا تھا۔ یہ ایک سیال مادہ ہوتا تھا جو گندھک تیل اور بعض دوسری آتش گیر اشیاء سے ملا کر بنایا جاتا تھا۔ اسے تیروں پر لپیٹ کر، رسیوں پر ڈال کر، چیتھڑوں پر چھڑک کر یا روئی میں تر کر کے دشمن پر پھینکا کرتے تھے۔ یہ مادہ بھڑک کر خوفناک آگ کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور جس چیز پر پڑتا اسے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالتا تھا گویا یہ آتشیں بم تھے جو دشمن کی صفوں میں جا کر پھٹا کرتے تھے۔

ہارون الرشید کی عسکری قوت کتنی زبردست تھی؟ اس کے لئے یورپین مورخ ڈاکٹر لیبان کا یہ بیان پڑھیئے:۔

''خلیفہ ہارون الرشید کی فوجی قوت بھی اس کی شان حکومت کے مطابق تھی۔ اس فوجی عظمت کا رعب اور دبدبہ بیرونی ممالک اس درجہ شدید اور سخت تھا کہ قسطنطنیہ کے شہنشاہ، جو سلاطین یونان و روم کے جانشین تھے، خلیفہ کو خراج دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے ذلت سے بچنے کی بڑی کوششیں کیں مگر عرب کے اس بادشاہ کے آگے ان کی کچھ نہ چلی۔ ایک مرتبہ نیسی فو (نقفور) نے جو ملکہ ایرینی کے بعد روم کے تخت پر بیٹھا تھا خلیفہ ہارون الرشید کو لکھا کہ میں آئندہ تم کو خراج نہ دوں گا۔ اس کے جواب میں ہارون کا جو مختصر اور زبردست خط گیا اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہان یونان و روم کی یہ اولاد عربوں کی نظر میں کس درجہ ذلیل اور خوار تھی۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہارون الرشید امیر المومنین کی طرف سے رومی کتے نقفور کے نام۔ میرا جواب تو خود دیکھ لے گا کہ کیا ہوتا ہے''۔

اس خط کا مضمون نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے:۔

''اور فی الواقعہ اس رومی کتے نے دیکھ بھی لیا جو کچھ ہوا۔ ہارون نے فوراً اس کے تمام ملک کو زیروزبر کر ڈالا اور بالآخر اس عیسائی شہنشاہ قسطنطنیہ کو خلیفہ اسلام کی بارگاہ میں خراج ادا کرنا ہی پڑا'' (تمدن عرب مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی صفحہ ۱۷۲۔۱۷۳)۔

یہ بیان تو خلیفہ ہارون الرشید کی بری فوج کا تھا۔ اب اس کی بحری فوج کا بھی تھوڑا سا حال سنئے:۔

جنوبی سمندر یعنی بحر ہند کی طرف سے ہارون کو کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ تمام بحر ہند میں ہندوستان ہی ایک نمایاں ملک تھا اور وہ اس وقت سینکڑوں چھوٹے بڑے حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ شمال میں ملتان تک کا علاقہ خود ہارون کے پاس تھا۔ باقی حصہ ملک پر الگ الگ راجے اور سردار حکومت کرتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ ہارون کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے بلکہ وہ ہمیشہ اس کی عنایت اور چشم التفات کے منتظر رہتے تھے۔ بحر ہند سے اس وقت سب سے زیادہ نفع عرب تاجر اٹھاتے تھے۔ وہ جہازوں میں بصرہ سے چل کر شمالی ہند کی بندرگاہ دیبل اور جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ تک پہنچتے۔ اور وہاں سے سراندیپ اور ملایا ہوتے ہوئے چین تک اپنی اشیاء بیچنے جایا کرتے تھے۔ انہی تاجروں کی بدولت دارالسلام بغداد کے بازاروں میں دنیا بھر کی چیزیں مل جاتی تھیں۔ ہارون ان بحری تاجروں کی پوری ہمت افزائی کرتا تھا۔

جنوب کی طرف سے تو بے فکری تھی لیکن شمالی سمندر یعنی بحیرہ روم میں ہارون اپنے جنگی

جہازوں کا ایک بیڑا رکھنے پر مجبور تھا تا کہ قسطنطنیہ، یونان، اٹلی اور فرانس کے کسی فرمانروا کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اندلس کے اموی بادشاہوں کو ہارون اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔ اس لئے اندلس سے بھی اس ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ اس نے جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا تھا جس کا کام ہی یہ تھا کہ وہ بحیرہ روم میں گشت لگا تا رہے اور دشمنوں کی ہر سرگرمی سے باخبر رہے۔ جب ایک مرتبہ ملکہ ایرینی قیصرۂ روم نے خراج ادا کرنے میں تامل سے کام لیا تو ہارون کے اسی جنگی بیڑے نے اس کے تمام ساحلی علاقے کو زیروزبر کر ڈالا تھا جس سے گھبرا کر ملکہ نے فی الفور خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے اس مصیبت سے نجات پائی تھی۔

ایک مرتبہ ہارون کے اسی جنگی بیڑے نے قبرص پر حملہ کیا اور وہاں سے مال غنیمت کے علاوہ سولہ ہزار آدمی گرفتار کر کے بغداد بھیجے۔

۱۷۸ھ۔۷۹۴ء میں ہارون کے محکمہ خراج کے افسر اعلیٰ سلیمان بن راشد نے اس جنگی بیڑے کے ذریعے یورپ کے اکثر ساحلی مقامات پر حملے کئے اور کامیاب واپس آیا۔

جب ۱۸۴ھ۔۸۰۰ء میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو افریقہ کا والی مقرر کر کے بھیجا تو اس نے بھی وہاں پہنچ کر جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا۔ یہ نیا بیڑا تمام بحیرۂ روم پر حکومت کرتا تھا۔ ہارون الرشید کے یہ دونوں بیڑے تمام بحیرۂ روم میں گشت لگاتے پھرتے تھے اور بعض ساحلی شہروں کے علاوہ بحیرۂ روم میں واقع جزائر پر بھی حملے کرتے رہتے تھے۔ بحیرۂ روم میں جو جزیرے تھے ان کا نام ادریسی نے نزہتہ المشتاق میں، یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اور ابو الفداء نے تقویم البلدان میں مندرجہ ذیل لکھے ہیں:۔

(۱) قبرص (۲) رھوڈس (۳) کریٹ (۴) جزائر ایجین (۵) قرفس (کورفو) (۶) مالطہ (مالٹا) (۷) کمونہ (کومینو) (۸) غورش (گوزو) (۹) نموشہ (لینوسا) (۱۰) الکتاب (۱۱) قوصرہ (پنٹیلیریا) (۱۲) الراہب (فاویگنانا) (۱۳) ملیطمہ (مرٹیمو) (۱۴) صقلیہ (سسلی) (۱۵) البہ (۱۶) بانوسہ (پیانکس) (۱۷) قبریرہ (کیپ رجا) (۱۸) لیبر (لیباری) (۱۹) القیلمنہ (۲۰) الجربہ (۲۱) لمنذوسہ (۲۲) قرشقہ (کارسیکا) (۲۳) سردانیہ (سارڈینیا) (۲۴) منورکا (۲۵) مجورکا۔

ہارون الرشید کے ہم عصر سلاطین

ہارون الرشید کے زمانے میں شان و شوکت، عظمت و ہیبت اور وسعت سلطنت کے لحاظ سے دنیا کا کوئی بادشاہ اس کا مد مقابل نہیں تھا۔ باقی کے ممالک میں جو بادشاہ اس وقت حکومت کرتے تھے ان کا نہایت مختصر حال ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

اس سلسلہ میں ہم براعظم ایشیا سے انتہائی مشرقی ملک یعنی چین سے شروع کرتے ہیں اور براعظم یورپ کے انتہائی مغربی ملک یعنی انگلستان پر اس بیان کو ختم کریں گے۔

ہارون الرشید نے ۷۸۶ء سے ۸۰۹ء تک سلطنت کی ہے لہٰذا اس ضمن میں دنیا کے صرف ان بادشاہوں کا حال بیان کیا جائے گا جو ان سالوں میں حکمران رہے ہیں:۔

۱۔ چین۔ ہارون الرشید کے زمانے میں چین کا بادشاہ ٹی سنگ تھا جس نے ۷۸۰ء سے لیکر ۸۰۵ء تک بادشاہی کی ہے۔ ہارون الرشید کے اس بادشاہ سے دوستانہ مراسم تھے۔ اس نے چند چینی تحائف اپنے سفیر کے ہاتھ بغداد بھیجے تھے۔ ہارون نے بھی اسے ہدیے کے طور پر چند نفیس اشیاء روانہ کی تھیں۔ (تاریخ ممالک چین جلد دوم مصنفہ جیمز کارکن شائع کردہ مطبع نولکشور مطبوعہ ۱۸۶۴ء صفحہ ۸۶)۔

۲۔ ہندوستان۔ ہارون الرشید کے زمانے میں ہندوستان عجیب افراتفری میں مبتلا تھا۔ سینکڑوں چھوٹے موٹے راجے مہاراجے ملک کے چھوٹے چھوٹے قطعات پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے۔ یہ راجے یا تو اپنے ذاتی جھگڑوں میں الجھے رہتے یا پھر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے۔ ان راجاؤں میں شمالی ہند کے فرمانرواؤں سے ہارون الرشید کے بہت اچھے اور نہایت خوشگوار تعلقات تھے۔ نجوم، ہیئت اور طب وغیرہ علوم کی کتابیں ہارون اکثر ہندوستان کے راجاؤں سے منگواتا رہتا تھا۔ من جملہ ان کے شسرت کی مشہور کتاب ہارون الرشید نے ہندوستان سے منگوائی اور منکہ ہندی سے اس کا عربی میں ترجمہ کروا کر ملک کے تمام سرکاری شفاخانوں میں اس کی ایک ایک نقل بھجوادی اور حکم دے دیا کہ بطور قرابادین اس کا استعمال کیا جائے۔

کتابوں کے علاوہ یہاں کے ہندو راجاؤں سے ہارون الرشید نے پانچ چھ کے قریب سنسکرت کے بڑے بڑے فاضل بھی منگوائے۔

ہارون کے زمانے کے ہندوستانی راجاؤں میں سے صرف دو کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

ایک دہلی کا راجہ اودے راج ولد راجہ ہرپال، جس نے ۷۸۹ء سے ۸۱۶ء تک حکومت کی۔

دوسرا کشمیر کا راجہ جیا بیڈ جس نے ۱۷۷۹ء سے ۸۰۱ء تک بادشاہت کی۔

۳۔ روم۔ جس وقت ہارون الرشید تخت پر بیٹھا اس وقت قسطنطین ششم روم کا شہنشاہ تھا جس نے ۷۸۰ء سے ۷۹۷ء تک حکومت کی۔ پھر اسے اندھا کروا کے اس کی ماں ملکہ ایرینی نے ۷۹۷ء سے ۸۰۲ء تک حکومت کی۔ ۸۰۲ء میں نائی سی فورس (نقفور) نے اسے معزول کر کے جزیرہ میں قید کر دیا۔ نقفور نہایت مغرور، متکبر اور ظالم شخص تھا۔ ۸۱۱ء میں (یعنی ہارون الرشید کی وفات کے دو برس بعد) اسے بلغاریوں نے موقع پا کر قتل کر ڈالا تھا۔

روم کے یہ تین بادشاہ شہنشاہ ہارون الرشید کے ہم عصر تھے۔ ہارون الرشید کی سب سے زیادہ جنگ انہی بادشاہوں سے رہی۔ جب موقع ہوتا یہ سرحد پر اپنے جرنیلوں کو بھیج دیتے جو لوٹ مار کر کے اور کچھ مسلمانوں کو گرفتار کر کے چل دیتے۔ پھر ہارون کو ان کے خلاف فوج بھیجنی پڑتی۔ روزمرہ یہی مصیبت رہتی تھی۔

ان رومی شہنشاہوں کی وجہ سے شاہزادگی کے زمانے سے لے کر وفات تک ہارون کو ان کی آئے دن کی غارت گری اور قزاقی سے نجات نہ ملی۔ جب بھی ہارون ان کی بدعہدیوں کے باعث ان پر حملہ کرتا تو یہ نہایت عاجزی کے ساتھ صلح کی درخواست کرتے اور خراج ادا کرنے کے وعدے پر مخلصی پاتے لیکن جونہی ہارون پیٹھ پھیرتا یہ سب عہد و پیمان توڑ کر بدستور لوٹ مار میں مصروف ہو جاتے۔ آخر روزمرہ کی عہد شکنیوں، بدعہدیوں اور لوٹ مار سے تنگ آ کر ہارون الرشید نے روم کو قرار واقعی سزا دینے کا ارادہ کر لیا اور ایک لاکھ پینتیس ہزار سپاہ کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ نائی سی فورس (نقفور) اس وقت رومی سلطنت کا بادشاہ تھا۔

ہاورن کی فوجیں ایشیائے کوچک کے شمال میں بتھنیا تک اور مغرب میں میشیا اور کاریہ تک پھیل گئیں اور جلد تر انہوں نے قونیہ، افسوس، سقالیہ، ذبسہ، ملیکو پیا، سائڈزو پولس، انطرسوس اور نیقیہ کو فتح کرنے کے بعد دارالسلطنت ہریکلی (ہرقلہ) کا محاصرہ کر لیا اور فتح کرنے کے بعد تمام شہر کو کھدوا کر پھنکوا دیا دیا کیوں کہ فساد کا اڈہ یہی تھا۔ یہ واقعہ شوال ۱۹۰ھ مطابق اگست ۸۰۶ء میں پیش آیا۔

اسی بادشاہ، نائی سی فورس کو ایک مرتبہ ہارون الرشید نے 'رومی کتے' اور 'کافرہ کے بچے' کا خطاب لکھ کر بھیجا تھا۔

۴۔ پاپائے روما۔ اٹلی کے پوپ اس زمانے میں عیسائیوں کے نزدیک خدا کے نائب اور

بے پناہ قوت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ یورپ کے عیسائی بادشاہوں کا عزل ونصب ان کے حکم سے ہوتا تھا۔ نیز یورپین بادشاہوں کا شادی بیاہ کے معاملات میں بھی ان کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔ عہد ہارون کے پاپائے روما کا نام ہیڈرین تھا جس نے ۷۷۲ء سے ۷۹۵ء تک پوپ کا عہدہ سنبھالے رکھا۔

۵۔ فرانس، اٹلی اور جرمنی۔ فرانس کا بادشاہ اور اٹلی، آسٹریا اور جرمنی کا فاتح چارلس دی گریٹ (شارلمین) وہ خوش نصیب فرمانروا ہے جس کے ہارون الرشید سے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ بادشاہ علم دوست، بہادر اور نہایت بااقتدار شخصیت کا مالک تھا اور اپنے آپ کو یورپ کا مختار کل سمجھتا تھا۔ شارلمین کی شخصیت جرمنی، رومی اور مسیحی فرمانرواؤں کا دلچسپ مجموعہ تھی۔ وہ اپنی عادات واطوار میں جرمن، بحیثیت فرمانروا رومی اور خیالات وعقائد کے لحاظ سے عیسائی تھا۔ اس کے مقبوضہ ممالک بہت وسیع اور اس کی طاقت بڑی زبردست تھی۔ اس وقت سارے یورپین ممالک میں اس کی شوکت اور عظمت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ علوم وفنون کی ترقی اور مذہب کی اشاعت میں بھی اس نے بڑی سرگرمی دکھائی تھی۔

شارلمین ایک طرف تو یورپ میں سپین کے اموی خلفاء کا بڑھتا ہوا زور توڑنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اپنے عیسائی رقیب شہنشاہ روم کو شکست دے کر اس کے مقبوضہ ممالک پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ تیسری طرف اس کی زبردست خواہش تھی کہ بیت المقدس کی زیارت کو جانے والے عیسائیوں کا دنیا بھر میں وہی اکیلا نمائندہ ہو۔ چوتھی طرف اس نے یہ بھی چاہا کہ مختلف علوم وفنون کا جو دریا اس وقت بغداد میں بہہ رہا تھا اس سے وہ بھی مستفید ہو اور اپنے ملک کے فاضل لوگوں کو بغداد بھیج کر تعلیم دلوائے تاکہ وہ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے ملک کی جہالت کا کچھ مداوا کریں اور سلطنت فرانس کے اصول سلطنت کو دولت عباسیہ کے اصول پر ترتیب دیں۔

ان چہارگانہ اغراض کے حصول کے لئے شارلمین نے ہارون الرشید کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور بہت سے تحائف کے ساتھ ایک وفد فرانس سے ہارون کی خدمت میں بھیجا، جس میں ایک یہودی اسحاق نامی بھی تھا جسے شارلمین نے بغداد میں اصول سلطنت کی تربیت کے لئے روانہ کیا تھا۔

ادھر ہارون الرشید بھی اموی خلفائے اندلس کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھا تھا کیونکہ وہ انہیں دولت عباسیہ کا باغی سمجھتا تھا۔ پھر روم کے حکمران تو اس کے سخت دشمن تھے ہی۔ لہٰذا اس نے

بڑی خوشی کے ساتھ شارلمین کے وفد کا استقبال کیا۔ شارلمین کو بیت المقدس کے عیسائی زائرین کا نمائندہ تسلیم کرلیا اور لکھ کر بھیج دیا کہ پہلے بھی ہم عیسائی زائرین کو زیارت بیت المقدس کے لئے ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچاتے رہے ہیں۔ آئندہ بھی ہماری طرف سے انہیں کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ صرف زیارت کے لئے آئیں اور فتنہ وفساد کے لئے نہ آئیں۔ باقی رہا اسحاق کی تربیت کا معاملہ تو اس طرف سے تم بالکل خاطر جمع رکھو وہ یہاں اپنے گھر میں ہوگا اور جب اس کی تربیت مکمل ہوجائے گی تو تمہارے پاس واپس پہنچ جائے گا۔

چار سال کی تربیت کے بعد جب اسحاق ایک دوسرے فرانسیسی وفد کے ساتھ واپس جانے لگا تو ہارون نے اس کے ہمراہ شارلمین کو چند تحائف بھی بھیجے، جن میں ایک ارغنون، ایک ہاتھی اور بہت سے نہایت بیش قیمت کپڑے تھے۔ مگر ان سب تحفوں سے بڑھ کر ایک بہت ہی عجیب و غریب گھڑی تھی جس سے فرانس کے مشہور مورخ سیدیو نے اس امر کا استدلال کیا ہے کہ عہد ہارونی کے سائنس دان اور صنعت کار اپنے فن میں کس قدر کامل تھے۔

یہ گھڑی ایک مختصر سے مکان کی صورت میں تھی جس میں چھوٹے چھوٹے بارہ دروازے بنے ہوئے تھے۔ جب ایک بجا ہوتا تھا تو ایک دروازہ کھلتا تھا اور ایک سوار اس میں سے نمودار ہوتا تھا جو تانبے کی ایک گولی، لوہے کے ایک توے پر زور سے مارتا تھا جس سے بڑے زور کی آواز پیدا ہوتی تھی اور شہر کے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اب ایک بجا ہے۔ پھر دروازہ بند ہوجاتا تھا۔ جب دو بجے کا وقت ہوتا تو دو دروازے کھلتے اور دو سوار نکل کر دو گولیاں توے پر مارتے تو لوگ جان لیتے کہ دو بجے ہیں۔ اس طرح گھنٹوں کی تعداد کے موافق دروازے کھلتے رہتے۔ اس میں سے اتنے ہی سوار نکلتے رہتے اور اتنی ہی گولیاں وہ توے پر مارتے۔

جب یہ گھڑی فرانس پہنچی تو شارلمین اور اسی کے درباری اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اسے ایک طلسم سمجھا اور یہ خیال کیا کہ اس میں بارہ جن قید ہیں جو باری باری سے باہر نکل کر گھنٹہ بجاتے ہیں۔ درباریوں نے اسے توڑ کر اصل حقیقت معلوم کرنی چاہی مگر شارلمین نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ فرانس کا مستشرق ڈاکٹر لی بان اس گھڑی کے متعلق لکھتا ہے۔ ”اس گھڑی نے شارلمین اور اس کے نیم وحشی مصاحبین کو نہایت چکر میں ڈالا۔ اس کے دربار کا کوئی شخص بھی اس قابل نہ تھا جو گھڑی کے کل پرزوں کو سمجھ سکتا“ (تمدن عرب)۔

مولانا شبلی ان تحائف کے متعلق لکھتے ہیں ”جو تحفے ہارون الرشید نے شارلمین کو بھیجے تھے وہ

اب تک فرانس کے گرجا پاپیتون میں موجود ہیں لیکن گھڑی کا پتہ نہیں (غالباً تحقیقات کے شوق میں کسی 'فاضل' نے اسے کھول کر دیکھا ہے اور ستیاناس کر کے ڈال دیا) احمد ذکی مصری نے ۱۸۹۲ء میں یورپ کا سفر کیا تھا وہ اس گرجا کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں ایک سیاح کے لئے جو چیز سب سے زیادہ دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے وہ وہ کمرہ ہے جس کی دیواروں پر شارلمین کی تصویر اس ہیئت کے ساتھ بنی ہوئی ہے کہ شہنشاہ فرانس خلیفہ بغداد کی سفارت کا استقبال کر رہا ہے اور سفارت کے ہاتھ میں بیت المقدس کنجیاں ہیں جو ہارون الرشید نے شارلمین کو تحفۃً بھیجی ہیں۔ اس گرجا کی دیواروں پر دو ریشمی پردے بھی لٹکے ہوئے ہیں جن کی قیمت ۶۴ ہزار روپے اندازہ کی گئی ہے" (ملکینکس اور مسلمان صفحہ ۴)۔

شارلمین ۷۴۲ء میں پیدا ہوا، ۷۶۷ء میں بادشاہ بنا اور ۲۸ جنوری ۸۱۴ء کو بمقام آکن اس کا انتقال ہوا۔

۶۔ اندلس۔ ہارون الرشید تخت بغداد پر متمکن ہوا تو اس وقت اندلس میں بنو عباس کے ہاتھوں سے بچ کر نکلا ہوا ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن اول حکومت کر رہا تھا جس کا انتقال ۳۱ سال سلطنت کرنے کے بعد ۷۸۸ء میں ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کا لڑکا ہشام اول تخت نشین ہوا جس نے ۷ برس ۹ ماہ حکومت کی۔ جب اس کی بھی وفات ہو گئی تو ہشام کا فرزند حکم اول ۷۹۶ء میں اندلس کے تخت کا مالک ہوا۔ اس کی مدت سلطنت ۲۷ سال تھی۔ گویا اندلس میں ہارون الرشید کے ہم عصر تین بادشہ گزرے ہیں (۱) عبدالرحمٰن (۲) ہشام اور (۳) حکم۔

اتنی مدت تک حکومت کرنے کے بعد اندلس میں بنی امیہ کے قدم بڑی مضبوطی سے جم گئے تھے اور انہوں نے قوت اور عظمت حاصل کر لی تھی۔ مگر ہارون الرشید انہیں باغی اور دشمن سمجھتا تھا۔ ہارون الرشید کی شارلمین شاہ فرانس سے دوستی گانٹھنے کی ایک بڑی وجہ شاہان اندلس سے عداوت بھی تھی۔ لیکن اس عرصے میں بنو امیہ کی فوجی طاقت اور ملکی شان اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ہارون الرشید اور شارلمین کی دوستی ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی۔

۷۔ انگلستان۔ جس زمانے میں بغداد خلیفہ ہارون الرشید کی زیر قیادت سیاسی شوکت، علمی حیثیت، تمدنی فضلیت میں باقی سب دنیا سے آگے تھا اس وقت انگلستان اپنے تاریک ترین دور کے بدترین عہد سے گزر رہا تھا۔ یہ بہت ہی چھوٹا سا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جو حسب ذیل تھیں:۔

(۱) نارتھمبریا۔

(۲) مرشیا۔
(۳) ویسیکس۔
(۴) ایسٹ انگلیا۔
(۵) کینٹ۔
(۶) سسکس۔
(۷) ویلش سٹیٹ۔

یہ سب ریاستیں بڑی سرگرمی کے ساتھ آپس میں سر پھٹول کرتی رہتی تھیں۔ ہر ریاست کی یہ خواہش تھی کہ باقی سب کو فنا کر کے میں ہی انگلستان کی تنہا مالک بن جاؤں۔ باشندے سارے کے سارے مجلسی اور تمدنی زندگی سے یکسر نا آشنا تھے۔ ان میں جو بھی خوش نصیب کچھ نہ کچھ طاقت اور اقتدار حاصل کر لیتا تھا وہ کسی نہ کسی ریاست کا تختہ الٹنے کی فکر میں رہتا تھا۔ ''ان کے گرجا بدکاری کے اڈے اور ان کے کلیسا فواحشات کا گھر تھے''۔ (نامور عیسائی مصنف سر چارلس آرنن کی کتاب 'انگلینڈ بفوردی نارمن کانکسٹ' میں سے)۔

انگلستان کی ریاستوں میں سے ریاست مرشیا کا حکمران اوفا خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عصر تھا جو اس تمام دور کا قابل ذکر بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے گردو پیش کی ریاستوں پر حملے کر کے اپنی مملکت کو بہت بڑھا لیا تھا اور خاصی طاقت حاصل کر لی تھی۔ عباسی خلیفہ کی شوکت اور طاقت کے آگے اس نے بھی سر اطاعت جھکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے سکہ پر جس کا نام منکس تھا، عربی زبان میں عبارت اور اپنا نام کندہ کرایا تھا۔ یہ سکہ آج بھی لندن کے عجائب خانے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اوفا کا انتقال ۷۹۶ء میں ہوا، جبکہ ہارون کو سلطنت کرتے دس برس ہو چکے تھے۔

ہارون الرشید کے بارے میں مورخین اور مصنفین عالم کی کچھ تحریرات

بعض مسلمان اور یورپین مورخین نے مختلف زبانوں، مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں ہارون الرشید کے حالات وواقعات لکھتے ہوئے ہارون الرشید کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۔ ابن خلدون۔ ''بڑا اولوالعزم، علم و ہنر کا قدردان اور فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی و شجاعت میں ممتاز تھا۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے پہلے اسی نے علم و ہنر کی سرپرستی کا بیڑہ اٹھایا۔ نہایت ذی علم تھا۔ فقہ، حدیث، ادب اور ایام العرب سے خوب واقف تھا۔ مذہبی عقائد کا سختی سے پابند تھا۔ زندقہ اور الحاد سے سخت نفرت رکھتا تھا۔ بزرگان دین سے معتقدانہ ملتا تھا علماء و فضلاء کی نصائح کو توجہ سے سنتا تھا اور بعض اوقات نصیحت سن کر رونے لگتا تھا۔ سیاست ملکی میں نہایت بیدار مغز تھا۔ ہارون سے پہلے کوئی خلیفہ اس سے زیادہ سخی، جواد اور بے دریغ مال کا خرچ کرنے والا نہیں گزرا''۔ (تاریخ ابن خلدون مترجمہ مولوی حکیم احمد حسین الہ آبادی جلد ۷ صفحہ ۳۱، ۴۴)

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ ''ہارون الرشید حسین، دراز قد فصیح البیان، عالم اور ادیب شخص تھا۔ ہر روز ایک سو رکعت نفل نماز ادا کرتا اور روزانہ ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔ اہل علم کو دوست رکھتا، حرمات کی عزت کرتا، ریاکاروں اور بددینوں سے نفرت کرتا اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے اکثر رویا کرتا تھا'' (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۵۷)۔

۳۔ علامہ طقطقی۔ ''ہارون الرشید کا دور حکومت بہترین تھا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کا بڑا وقار تھا۔ اس کی مقبوضات کا رقبہ نہایت وسیع تھا۔ دنیا کے بڑے حصے سے اس کے پاس خراج آتا تھا۔ اس کے دربار میں جتنے علماء شعراء فقہاء، قضاۃ، کاتب، ندیم اور منشی جمع تھے اتنے کسی خلیفہ کے دربار میں نہیں ہوئے۔ وہ خود بھی بڑا فاضل، شاعر، اخبار و

آثار اور اشعار عرب کا حافظ تھا۔ خواص و عام سب کے دلوں میں اس کی ہیبت تھی"۔ (الفخری صفحہ ۱۷۷)۔

۴۔ خطیب بغدادی۔ "ہارون جہاد کا نہایت شوق اور شہادت کی بڑی آرزو رکھتا تھا۔ حج میں نہایت الحاح وزاری سے دعائیں مانگتا اور مناسک حج ادا کرتے وقت اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلعم کی والہانہ محبت رکھتا تھا۔ جب آنحضرت صلعم کا اسم مبارک اس کے سامنے لیا جاتا تو فوراً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی سیدی کہتا"۔ (تاریخ خطیب جلد (۱) صفحہ ۸)۔

۵۔ علامہ خضری مصری۔ "ہارون کا زمانہ دولت عباسیہ کا زرین عہد تھا۔ اس کے دور حکومت میں بنو عباس کی حکومت شان وشوکت، غلبہ وثروت اور علوم وفنون کے لحاظ سے اپنے اوج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ علم وادب نے اس کے زمانے میں ایسی ترقی کی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس کے وقت میں ہر فن کے جاننے والے ایسے ایسے کامل آدمی موجود تھے کہ دوسرے تمام ممالک اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز تھے۔ اس کا رعب، دبدبہ اور ہیبت نہ صرف اندرون ملک میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی قائم تھی"۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ) (عہد عباسیہ)

۶۔ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر۔ "ہارون الرشید ایسا کریم النفس تھا کہ مال کی اس کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے محل میں تین سو لونڈیاں تھیں، جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار سے ۱۰ ہزار دینار، بلکہ ایک لاکھ دینار تک تھی۔ ان کے لئے لباس اور زیورات پر بے شمار روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہارون نے ایک انگوٹھی ایک لاکھ دینار میں خریدی تھی۔ ہارون الرشید کے افسر باڈی گارڈ کی سالانہ تنخواہ تین لاکھ، پولیس کمشنر کی ۵ لاکھ اور حاجب کی دس لاکھ درہم تھی۔ ہارون الرشید کا مغنی ابراہیم موصلی مرا تو اس نے دو کروڑ چالیس لاکھ درہم ترکے میں چھوڑے اور اس کے طبیب جبریل کا انتقال ہوا تو اس کا ترکہ ۹ کروڑ درہم تھا"۔ (تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۲)۔

"ہارون اپنی فطرت کے لحاظ سے نہایت رحم دل، فیاض، منصف اور مستقل مزاج تھا، لیکن علویین سے سخت برہم تھا کیوں کہ اسے یقین تھا کہ یہ لوگ آل عباس کے سخت دشمن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہارون آل برمک کا خاتمہ نہ کر دیتا تو بالکل ممکن تھا کہ خلافت وسلطنت ایک دن علویین

کے ہاتھ میں پہنچ جاتی"۔(تاریخ التمدن الاسلامی جلد (۴) صفحہ ۱۳۲)۔

۷۔ مسٹر پامر، پروفیسر عربی، کیمبرج یونیورسٹی۔ "خلیفہ ہارون الرشید میں وہ تمام لیاقتیں جمع تھیں جو ایک قابل فرمانروا میں ہونی چاہئیں۔ وہ بڑا ہوشیار، عقل مند، تیز فہم اور جامع جمیع صفات تھا۔ اس کا ارادہ مضبوط اور عزم بڑا مستقل ہوتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک نہایت عظیم الشان بادشاہ تھا، لیکن وہ معمولی شخص بھی ہوتا تب بھی اپنی تیزی، عقل اور اعلیٰ درجے کی فہم و فراست سے بڑے زبردست کارنامے سرانجام دے جاتا اور اپنے زور بازو سے بہت بڑا رتبہ اور مرتبہ حاصل کر لیتا۔ اس کی گفتگو میں نہایت درجے کی فصاحت و بلاغت اور بلا کا تحکم ہوتا تھا۔ اس کی تقریریں آج بھی موجود ہیں جن سے اس کی طلاقت لسانی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے مزاج میں بڑا اخلاق اور محبت و تواضع تھی۔ اس وقت کی تمام مہذب دنیا اس کے زیر نگیں اور اس کی سلطنت میں داخل تھی۔ وہ زمین پر خدا کے نائب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رشتے دار اور مذہب اسلام کا پیشوا تھا۔ تمام دنیا میں اس سے زیادہ کوئی شخص صاحب عظمت و اقتدار، صاحب شان و شوکت، قابل تعظیم اور رعایا کا خیر خواہ نہ تھا۔ وہ بہت مضبوط، مستقل مزاج اور اولوالعزم شہنشاہ تھا۔ اپنے مذہبی فرائض نہایت تندہی اور عاجزی سے ادا کرتا تھا اور جو عظیم الشان سلطنت اسے وراثت میں پہنچی تھی اس کو وسعت دینے کی پوری کوشش کرتا رہتا تھا"۔

(خلیفہ ہارون الرشید صفحہ ۲۲۵۔۲۲۷)۔

۸۔ ڈاکٹر لیبان، فرانسیسی مستشرق۔ "ہارون الرشید کے عہد میں بغداد نے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی اور سرسبزی حاصل کی اور مشرق کے تمام شہروں میں سب سے نامور ہو گیا۔ اس وقت ہارون الرشید کا نام ربع مسکوں میں مشہور ہو گیا تھا۔ چین، تاتار اور ہندوستان سے سفیر اس کے پاس آتے تھے۔ شارلمین شہنشاہ فرانس نے بھی، جو حقیقت میں تمام یورپ کا مالک تھا، اس کے پاس سفیر بھیجے اور نہایت ادب سے درخواست کی کہ زائرین بیت المقدس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ خلیفہ نے اس درخواست کو قبول کر لیا (تمدن عرب مترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۱۶۷۔۱۷۰)۔

۹۔ موسیو سیدیو، فرانسیسی مورخ۔ "ہارون کے سامنے سابق فرمانروایان خاندان عباسیہ کے محاسن کا ذکر نسیاً منسیاً ہو گیا۔ اس کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے شجاعت و کرم کوٹ کوٹ کر بھر دیا

تھا۔ اسے علو نفس اور اتباع حق کا مادہ قدرت نے کافی عطا فرمایا تھا۔ جب کبھی وہ دیکھتا کہ وہ غلطی پڑ رہے تو فوراً اس کام کو چھوڑ دیتا۔ رعایا کی بھلائی اور بہتری کے امور معلوم کرنے میں ہمیشہ فکر مند رہتا تھا۔ وہ ایسے شریف خصائل کا حامل تھا جس کے باعث اس وقت تک اس کا نام باقی ہے"۔ (تاریخ عرب صفحہ ۱۸۳)۔

۱۰۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹنر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی۔ "۱۷۰ھ۔ ۷۸۶ء میں بڑی دھوم دھوم سے ہارون الرشید کی خلافت کا نشان بلند ہوا۔ اس کو واسطۃ الخلفاء کہتے تھے۔ کیوں کہ واسطہ عرب کے محاورہ میں اس قیمتی آویزہ کو کہتے ہیں جو جواہرات کے ہار میں بیچ میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اہل کمال نے اس کے عہد میں بڑی ترقی کی۔ علمی تصنیفات کا بڑا زور رہوا۔ الف لیلیٰ کی تصنیف اسی کے عہد میں شروع ہوئی اور تخمیناً تین سورات تک پہنچی۔ بغداد کوفہ اور بصرہ میں علوم وفنون کے مدارس قائم ہوئے۔ حقیقت میں اس کا عہد دولت اسلامیہ کے بڑے عروج و اقبال کا وقت تھا۔ شاہان عالم سے اس کے بے تکلف اور بے تعصب تعلقات تھے۔ یورپ کے بادشاہوں سے بھی اس کی شاہانہ خط و کتابت تھی۔ یہودی، عیسائی، پارسی اور ہندو عالم اس کے دربار میں موجود تھے۔ تجارت کی آزادی کا اسے بڑا خیال رہتا تھا۔ نہر سویز کا خیال سب سے پہلے اسی کو آیا تھا اور اس نے چاہا تھا کہ بحیرۂ قلزم اور بحیرہ روم کو اس نہر کے ذریعے سے ملا دے۔ مگر وزیر السلطنت جعفر کے منع کرنے سے باز رہا"۔ (سنین اسلام جلد اول صفحہ ۵۶۔۵۷)۔

۱۱۔ سید امیر علی۔ "اس عظیم الشان خلیفہ کے نام کے ساتھ الف لیلیٰ کی کہانیوں نے ایک خاص قسم کی جاذبیت پیدا کر دی ہے۔ خلیفہ ہارون مظلوموں کی حمایت اور امداد کے لئے راتوں کو بھیس بدل کر بغداد کی گلیوں میں چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہارون کا شمار بڑے بڑے حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ مذہبی فرائض کی ادائیگی میں ہارون نے کبھی سستی اور کوتاہی نہیں کی۔ وہ ایک پاکباز اور مخیر انسان تھا اس نے اپنے گرد و پیش ایک پر شکوہ ماحول قائم کیا۔ اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ وہ فطری طور پر سپاہی واقع ہوا تھا۔ اس نے کئی بار فوجوں کی کمان خود کی۔ نظم و نسق کی خرابیاں دور کرنے، رعایا کا حال دریافت کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اس نے بارہا اپنی مملکت کا دورہ کیا۔ حالات سے آگاہ رہنے کے لئے کئی دفعہ اس نے سرحدی مقامات کا معائنہ کیا۔ سلطنت کا کام خوش

اسلوبی سے انجام دینے اور ملک کا انتظام عمدگی سے کرنے میں اس نے کبھی تھکاوٹ محسوس نہیں کی۔ تاجر، طلباء، حاجی اور زائر جس آزادی اور امن کے ساتھ اس کی وسیع مملکت میں سفر کر سکتے تھے اس سے اس کے عہد حکومت کے پر امن ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس نے مسجدوں، مدرسوں، کالجوں، سڑکوں، پلوں اور نہروں کی تعمیر میں بے اندازہ روپیہ خرچ کیا۔ اس کی یہ تعمیرات اس کے عہد امن کی بہترین ضامن ہیں۔ کردار کی مضبوطی اور ادراک کی تیزی کے پیش نظر عباسیوں میں اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس کا دربار اپنے عہد میں سب سے زیادہ شاندار تھا، جس میں دنیا بھر کے فاضل موجود تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے اسی کے عہد میں فقہ حنفیہ کی تدوین کی۔ اس کے دور حکومت میں مشرق اور مغرب کو جانے والی سڑکیں بنوائی گئیں۔ چنانچہ بغداد سے یورپ اور چین کو سڑکیں نکلتی تھیں۔ جو تحائف اس نے شارلیمن شاہ فرانس کو بھیجے تھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کا تمدن ان دنوں کتنی بلندیوں پر تھا۔

تاریخی تنقید کے کسی معیار پر بھی ہارون کو پرکھیں تو وہ دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کی صف میں دکھائی دے گا (شارٹ ہسٹری آف سارا سینز)۔

۱۲۔ مولانا شبلی نعمانی۔ ''ہارون الرشید بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گزرا ہے۔ شاہزادگی کے زمانہ میں روم پر لشکر کشی کی اور پے در پے فتوحات حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ سریر خلافت پر بیٹھا تو اس کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا مگر اس نے ہر بار شکست دی۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے اس کی حکومت کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کی قدردانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ بھر کے اہل کمال دربار میں کھنچ آئے اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا''۔ (المامون صفحہ ۱۴)۔

''ہارون الرشید نے کتابوں کی فراہمی اور تدوین میں نہایت بے تعصبی سے کام لیا۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ علامہ شعوبی کو بیت الحکمۃ میں ترجمہ و کتابت کی خدمت پر مامور کیا۔ حالانکہ یہ شخص ہمیشہ عرب کی ہجو گوئی میں مصروف رہتا تھا اور قبائل عرب میں سے ہر قبیلے کے عیوب میں اس نے الگ الگ کتابیں لکھی ہیں''۔ (مضامین شبلی۔ مضمون اسلامی کتب خانے)۔

۱۳۔ مولانا محمد اسلم جیراج پوری، پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ ملیہ دہلی۔ ہارون الرشید کا عہد، خلافت عباسیہ کا بہترین زمانہ شمار ہوتا ہے۔ اس عہد میں رفاہیت، ثروت، علم، ادب، طاقت اور شوکت میں دولت عباسیہ انتہائی بلند اور ارفع درجے پر پہنچ گئی تھی۔ ہر قسم کے بڑے بڑے لوگ فراہم ہو گئے تھے جن کی بدولت ملک کی زینت میں زیادتی اور اس کے ہر شعبے میں ترقی ہوئی۔

اس کے عہد میں بغداد اپنے پورے معراج کمال پر پہنچ گیا اور اس کی آبادی بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اس کے بازاروں میں بحری اور بری دونوں راستوں سے سامان تجارت آتا تھا اور چین وہند، افریقہ اور شام کے تاجر وہاں موجود تھے۔

علمی لحاظ سے بغداد اس وقت قبلہ علوم تھا۔ عالم اسلام کے تمام ممتاز علماء اور فضلاء وہاں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ محدث، قاری، حافظ، مفسر، ادیب، مصنف، امامان نحو، فاضلان صرف، مورخ، متکلم، عروضی غرض ہر قسم کے اہل کمال تدریس، تعلیم، تصنیف اور تالیف میں مشغول تھے اور ان کے دار التدریس مساجد کے صحن تھے۔ اس زمانہ میں دنیائے اسلام کا کوئی شخص اس وقت تک کسی فن میں کامل نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک اس نے دار السلام بغداد کے دار العلوم میں تحصیل علم نہ کی ہو۔

کچھ اسلامی اور مذہبی علوم پر منحصر نہ تھا بلکہ طب، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ اور نجوم کے ماہرین بھی وہاں بکثرت موجود تھے جو ہر علم کو تیزی کے ساتھ عربی میں منتقل کر رہے تھے۔ (تاریخ الامت جلد چہارم صفحہ ۱۰۰۔۱۰۲)۔

۱۴۔ مولوی معین الدین ندوی۔ "ہارون الرشید دولت عباسیہ کا گل سر سبد اور اس کا عہد عباسی حکومت کا دور زرین تھا۔ اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی غرض ہر لحاظ اوج کمال پر پہنچ گئی تھی۔

ہارون میں متضاد صفات جمع تھیں ایک طرف تو اس کی زندگی بڑی پر شکوہ، رنگین اور عیش پرستانہ تھی۔ یہاں تک کہ اس کی رنگینیوں نے بغداد کو تماشا گاہ عالم بنا دیا تھا مگر دوسری طرف وہ نہایت دین دار اور بڑا پابند شریعت تھا" (تاریخ اسلام شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ جلد سوم صفحہ ۱۱۰)۔

۱۵۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری مصنف البرامکہ۔ "خلیفہ ہارون الرشید میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں مجتمع تھیں جو ایک پاکباز اور دیندار بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ علامہ ذہبی اور جاحظ کا قول ہے کہ "ہارون الرشید میں جس قدر خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب

نہیں ہوئیں"۔ علم و ہنر، تدبیر مملکت، دانائی و فراست، عزم و ثبات، فیاضی و شجاعت، بلند خیالی اور عالی حوصلگی میں وہ تمام خلفائے بنو عباس میں ممتاز خلیفہ تھا۔ علوم فلسفیہ سے اگرچہ چنداں ذوق نہ رکھا تھا لیکن فقہ، حدیث، ادب، شعر اور ایام العرب کا فاضل تھا"۔

(البرامکہ صفحہ ۴۳۵)۔

ماخذ جن سے اختتامیہ مرتب کرنے میں مدد لی گئی

(۱) جغرافیہ خلافت مشرقی از جی لی سٹرینج مترجمہ جمیل الرحمان ایم اے۔

(۲) جغرافیہ بلاد فلسطین وشام از جی لی سٹرینج مترجمہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی۔

(۳) ارض القرآن از مولانا سید سلیمان ندوی۔

(۴) سبیل الرشاد (سفر نامہ حجاز) از قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔

(۵) سفر نامہ حکیم ناصر خسرو مترجمہ مولوی عبد الرزاق کانپوری۔

(۶) انگلینڈ بفور دی نارمن کانکسٹ از سر چارلس اورنن کے۔بی۔ای۔

(۷) اسلامی حکومتیں اور شفاخانے از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۸) مکینکس اور مسلمان از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۹) تاریخ ابن خلدون جلد ۷ مترجمہ مولوی احمد حسین الہ آبادی۔

(۱۰) تاریخ ملت جلد پنجم از مفتی انتظام اللہ اکبر آبادی۔

(۱۱) حقوق الذمیین از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۱۲) تاریخ اسلام جلد سوم از شاہ معین الدین احمد ندوی۔

(۱۳) تاریخ ممالک چین از جیمز کارکرن مطبوعہ ۱۸۶۴ء۔

(۱۴) تاریخ یورپ جلد اول از آلیور تھیچر مطبوعہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد۔

(۱۵) تراجم از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۱۶) اسلامی کتب خانے از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۱۷) تاریخ الامت جلد چہارم از مولانا محمد اسلم جیراج پوری۔

(۱۸) تاریخ اسلام از سید امیر علی مترجمہ باری علیگ۔

(۱۹) تمدن عرب از ڈاکٹر گستاؤلیبان مترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی۔

(۲۰) تاریخ عرب از موسیو سیدیو فرانسیسی مترجمہ مولوی عبد الغفور۔

(۲۱) المامون از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔

(۲۲) سنین اسلام جلد اول از ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹر۔

(۲۳) خلیفہ ہارون الرشید از ای ایچ پامر پروفیسر عربی کیمرج یونیورسٹی۔

(۲۴) تاریخ التمدن الاسلامی از جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال۔

(۲۵) تاریخ الدولتین از جرجی زیدان مترجمہ مولانا نیاز فتح پوری۔

(۲۶) تاریخ سندھ از مولانا سید ابوظفر ندوی۔

(۲۷) البرامکہ از مولوی عبدالرزاق کانپوری۔

(۲۸) البیان المغرب جلد اول از علامہ ابن العذاری المراکشی مترجمہ محمد جمیل الرحمان ایم اے۔

(۲۹) تاریخ اسلام جلد اول از سید ذاکر حسین جعفری۔

(۳۰) تاریخ گلدستہ کشمیر از پنڈت ہرگوپال خستہ۔

(۳۱) آثار الصنادید از سر سید احمد خان مطبوعہ ۱۹۰۴ء۔

(۳۲) تاریخ صقلیہ جلد اول از سید ریاست علی ندوی۔

(۳۳) تاریخ الاطباء از ڈاکٹر غلام جیلانی۔

(۳۴) محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ (عہد عباسیہ) از علامہ خضری۔

(۳۵) تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی مترجمہ مولوی محمد بشیر صدیقی۔

(۳۶) سیرۃ آل عباس جلد دوم از مولوی حکیم فرید احمد عباسی۔

(۳۷) تقویم ہجری وعیسوی از باو النصر محمد خالدی ایم۔اے

Nigarshat Bestsellers
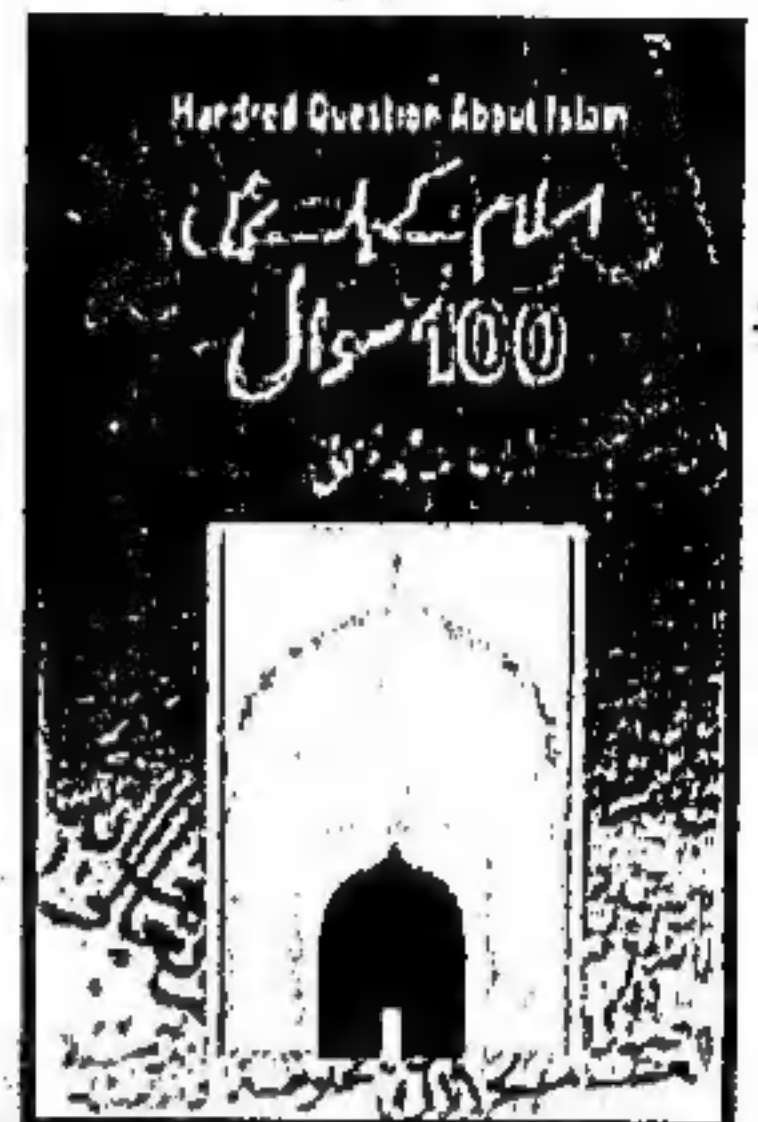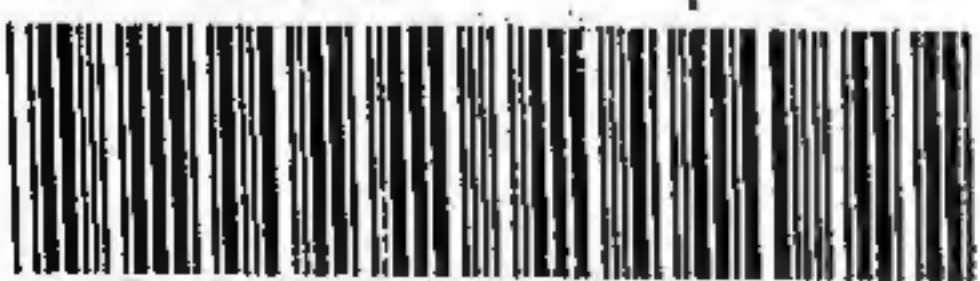
24 مزنگ
Ph: 0092-42-7322892 Fax: 7354205
E-mail: nigarshat@yahoo.com

افسانوی شہرت کے حامل خلیفہ ہارون الرشید کی زندگی اور نظامِ حکمرانی
کا ہر پہلو سے احاطہ کرتی ہوئی اپنی نوعیت کی پہلی اور مستند تصنیف

عمر ابوالنصر